نام کتاب	:	کروں تیرے نام پہ جاں فدا
ترتیب وتدوین	:	محمد کاشف رضاؔ
موضوع	:	تحفظِ ناموسِ رسالت وممتاز قادری شہید
اشاعت اوّل	:	2016ء
اشاعت دوم	:	فروری 2018ء
تعداد	:	1000
ڈائریکٹر پبلشنگ	:	محمد عمر فاروق قادری
قیمت	:	500

الحقائق فاؤنڈیشن

210 سبحان سینٹر تھرڈ فلور فرید کوٹ روڈ لاہور

0333-4131245

فہرست

عنوانات — صفحہ نمبر

باب: اول کروں تیرے نام پہ جاں فدا

باب: دوم ممتاز قادری شہید (سیرت وکردار)

باب: سوم گرفتاری سے شہادت تک

باب: چہارم انٹرویوز

باب: پنجم ممتاز قادری اوراقِ صحافت میں

باب: ششم مناقب

انتساب

ممتاز قادری شہید کے جنازے میں شریک

عوام کے نام

کروں تیرے نام پہ جاں فدا

مورخ لکھے گا کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

محمد کاشف رضا

ممتاز قادری شہید ابد تک، داستانِ عشق و مستی کا عنوان، دل و نظر کا اُجالا، قافلہ سخت جاں کے لئے دلیل راہ رہے گا۔ اس کی قاتل حکومت کے کُل پُرزے، بے ضمیر وزیر، پتھر دل ارکان پارلیمنٹ، تاریخ کے میدان کارزار میں خاک وخون میں لت پت پڑے ہوں گے۔ لعنت وشرمندگی کے جملہ حقوق ان کی آنے والی نسلوں کے نام محفوظ کر دیئے جائیں گے۔ 295C کے قانون کو ختم کرنے والے اجرتی کالم نگار، ڈالروں کے سامنے سجدہ ریز دانشور، سامراج کے گماشتے، کائیں کائیں کرتی این جی اوز کی آنٹیوں کو لوحِ وقت پر فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ ان کی برباد نسلوں کا ذکر بھی نہیں ملے گا مگر غلامانِ رسول ﷺ، شہیدانِ ناموسِ رسالت صدیوں کے ماتھے پر جگمگاتے رہیں گے۔ ہوا وہی جو لوح ازل پہ لکھا تھا۔ تاریخ نے ساری کہانی اپنے دامن میں چُھپا لی ہے اور ایک دن مورخ لکھے گا کہ۔۔۔۔۔۔۔

29 فروری 2016ء کو جب ممتاز قادری کو پھانسی دی گئی۔ نواز شریف وزیر اعظم تھا اور امین الحسنات شاہ وفاقی وزیر، سید عمران احمد شاہ ولی ایم این اے (خواجہ دائم الحضوری قصور) سید محفوظ شاہ مشہدی ایم پی اے (بھکھی شریف) نظام الدین سیالوی ایم پی اے (سیال شریف) مولانا رحمت اللہ ایم پی اے (جامعہ محمدی شریف) مولانا غیاث الدین ایم پی اے اور جانے کون گدی نشینوں کی اولاد اس وقت حکومت میں اقتدار کے مزے لوٹ رہے تھے۔ ان کے بزرگوں کی ارواح پر کیا گزری ہوگی؟ کس قدر مضطرب ہوں گے صاحبان مزار، یہ پیر وصاحبزادے کل روزِ حشر رسول ﷺ کے سامنے کیسے پیش ہوں گے یہ سوچ کر قلم کپکپا جاتا ہوگا۔

مورخ لکھے گا کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

عرفان صدیقی نامی ایک کالم نگار ہوتا تھا۔ جو افغانستان میں پتہ کھڑکنے پر لمبے لمبے کالم لکھا کرتا تھا۔ مگر جب وزیر اعظم نواز شریف کا مشیر بنا اس کے قلم کی سیاہی خشک ہوگئی۔ اس کی زبان پر چھالے پڑ گئے۔ وہ ممتاز قادری کے حق میں بول نہ سکا۔ وہ مشیر کے عہدے پر جما رہا۔

غیرت وحمیت کا جعلی مداح غیرت وحمیت کو اپنے ہاتھوں مصلوب کر بیٹھا۔۔۔۔ ہاں ایک کالم نگار عطاء الحق قاسمی نام کا بھی ہوتا تھا۔جس کے بزرگ امرتسر میں فروغ عشقِ رسول ﷺ کی علامت تھے۔اس کے قلم نے اس وقت کے وزیر اطلاعات پرویز رشید نامی شخص کے قصیدے ہی لکھے۔حکومت کی مداحی میں اس شخص کے چہرے پہ جو غلامانہ سہرا لکھا ہوتا تھا۔قوم کے ہر شخص نے اسے پڑھ کے منہ دوسری طرف پھیر لیا تھا۔ پھر اس کا نام ونشان شہرت وعزت کی آندھی نے مٹا دیا۔ٹھہرئیے ٹھہرئیے اس وقت وزیر اعظم کی مسجد کے ایک خطیب بھی ہوا کرتے تھے نامِ نامی علامہ سید ریاض حسین شاہ تھا۔ جنازے سے احتجاج تک ان کی تقریریں ہوا کرتی تھیں۔ ممتاز قادری شہید پہ کتا بچہ بھی تقسیم ہوا تھا۔ان کی ادبی تقریر کے آغاز وانجام سے بے خبر لوگ نعرے بھی لگایا کرتے تھے۔مگر وہ شاہ وقت کے شاہی خطیب ہی رہے۔ یہ حسن اتفاق نہیں بلکہ اتفاق والوں سے اتفاق تھا کہ وہ اتفاق مسجد کے خطیب ہی رہے۔ بھلا انہیں کون یہ بات سمجھائے اور ان کے نادان عقیدت مندوں کو، کہ کلمہ حق کہنے کے لئے شاہ وقت کی مسجد کا منبر نہیں، کُوفہ وبغداد کے بازار ہوتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل کی پشت پر کوڑے پڑتے ہیں، امام ربانی مجدد الف ثانی کو قلعے میں قید تنہائی کاٹنا پڑتی ہے۔

مورخ لکھے گا کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

گورنر ہاؤس کی مسجد کے امام نے مقتول سلمان تاثیر کا جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا تھا۔ بے ترتیب صفوں میں ایک شخص کو امام بنایا گیا تھا مگر جنازے کی چار پائی درمیان ہی میں پڑی رہی۔ دوسری طرف لاکھوں لوگ دیوانہ وار اس شخص کے جنازے میں شامل تھے۔ جو پانچ سال قبل ایک معمولی کانسٹیبل تھا۔ جسے علاقے کے لوگ بھی پوری طرح نہیں جانتے تھے۔مگر اب وہ کروڑوں دلوں کی دھڑکن ہے۔اس کے جسد خاکی رکھی ایمبولینس کو ہاتھ لگانے کے لئے اسے چومنے کے لئے عقل مند، پڑھے لکھے، پینٹ کوٹ والے بھی دھکم پیل کرتے نظر آئے، شیخ الحدیث ومفتی، پیر طریقت وصاحب نظر اس کے جنازے میں شرکت سعادت سمجھ رہے تھے۔ جنازوں نے فیصلہ کر دیا تھا۔مورخ لکھے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

باب: اول

کروں تیرے نام پہ جاں فدا

گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سزا

علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی

محترم محمد اسمٰعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ پاکستان لاہور نے بنام اسلامی جمہوریہ پاکستان تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 الف اور دفعہ 298 الف کے خلاف شرعی عدالت میں ایک درخواست دائر کی ہے جہاں تک اہانت رسالت اور توہین و تنقیص نبوت سے اس درخواست کا تعلق ہے۔ میں اس سے پوری طرح متفق ہوں اور دلائل شرعیہ (کتاب وسنت، اجماع امت اور تصریحات علماء دین) کے مطابق میں اس کی مکمل تائید اور حمایت کرتا ہوں۔اس سلسلے میں میرا تفصیلی بیان درج ذیل ہے۔

کتاب وسنت، اجماع اور تصریحات آئمہ دین کے مطابق توہین رسالت کی سزا صرف قتل ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریح مخالفت توہین رسول ہے۔قرآن مجید نے اس جرم کی سزا قتل بیان کی ہے۔اس بناء پر کافروں سے قتال کا حکم دیا گیا۔قرآن مجید میں ہے:

''ذلک بانھم شاقوا اللہ و رسولہ''(۱)

یہ (یعنی کافروں کو قتل کرنے کا حکم) اس لئے ہے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی صریح مخالفت کر کے ان کی توہین کا ارتکاب کیا۔(۲)

توہین رسالت کے کفر ہونے پر بکثرت آیات قرآنیہ شاہد ہیں۔مثلاً:

''ولئن سألتھم لیقولن انما کنا نخوض و نلعب قل اباللہ و اٰیتہ و رسولہ کنتم تستھزؤن لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم''(۳)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو صرف ہنسی مذاق کرتے

تھے۔آپ (ان سے) کہیں، کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہو۔کوئی عذر نہ کرو۔ بے شک ایمان کے بعد تم نے کفر کیا۔

مسلمان کہلانے کے بعد کفر کرنے والا مرتد ہوتا ہے اور از روئے قرآن مرتد کی سزا صرف قتل ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقاتلونھم او یسلمون''(۴)

اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے فرما دیجئے عنقریب تم سخت جنگ کرنے والوں کی طرف بلائے جاؤ گے۔تم ان سے قتال کرتے رہو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔

یہ آیت مرتدین اہل یمامہ کے حق میں بطور اخبار بالغیب نازل ہوئی۔ اگرچہ بعض علماء نے اس مقام پر فارس و روم وغیرہ کا ذکر بھی کیا ہے لیکن حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حسب ذیل روایت نے اس کو مرتدین بنی حنفیہ (اہل یمامہ) کے حق میں متعین کر دیا۔

''عن رافع بن خدیج انا کنا نقرء ھذہ الآیۃ فیما مضی و لا نعلم من ھم حتی دعا ابو بکر الی قتال بنی حنفیۃ انھم اریدوا بھا''(۵)

حضرت رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ گزشتہ زمانے میں ہم اس آیت کو پڑھا کرتے تھے اور ہمیں معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (مرتدین) بنی حنفیہ (اہل یمامہ) سے قتال کی طرف مسلمانوں کو بلایا۔اس وقت ہم سمجھے کہ اس آیت کریمہ میں یہ مرتدین ہی مراد ہیں۔

ثابت ہوا کہ اگر مرتد اسلام نہ لائے تو از روئے قرآن اس کی سزا قتل کے سوا کچھ نہیں۔قتلِ مرتد کے بارے میں متعدد احادیث وارد ہیں۔اختصار کے پیش نظر صرف ایک

حدیث پیش کی جاتی ہے۔عنہما

''اتی علی بزنادقة فاحرقهم (وفی روایة ابی داؤد) ان علیا احرق ناسا ارتدا عن الاسلام فبلغ ذلک ابن عباس فقال لو کنت انا لم احرقهم لنهی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا تعذبوا بعذاب اللہ و لقتلتهم لقول رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من بدل دینه فاقتلوه''(٦)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس (مرتد ہو جانے والے) زندیق لوگ لائے گئے تو آپ نے انہیں جلا دیا۔اس کی خبر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا: اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو انہیں نہ جلاتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے عذاب کے ساتھ کسی کو عذاب نہ دو اور میں انہیں قتل کرا دیتا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو (مسلمان) اپنے دین سے پھر جائے اسے قتل کر دو۔

قتل مرتد کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا طرزِ عمل

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی جس شدت سے مرتدین کا قتل کیا، محتاج بیان نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے مرتد کو زندہ دیکھنا ناقابل برداشت تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل عنہما دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے یمن کے دو مختلف حصوں پر حاکم تھے۔ ایک دفعہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لئے آئے۔ایک بندھے ہوئے شخص کو دیکھ کر انہوں نے پوچھا، یہ کون ہے؟ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''کان یهودیا فاسلم ثم تهود قال اجلس قال لا اجلس حتی یقتل قضاء اللہ ورسوله ثلاث مرات فامر به فقتل''(٧)

یہ یہودی تھا۔مسلمان ہونے کے بعد پھر یہودی (ہوکر مرتد) ہوگیا۔حضرت ابو

موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بیٹھنے کے لئے کہا، انہوں نے تین بار فرمایا، جب تک اسے قتل نہ کر دیا جائے، میں نہیں بیٹھوں گا۔ (قتل مرتد) اللہ اور اسکے رسول کا فیصلہ ہے چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حکم سے اسے اسی وقت قتل کر دیا گیا۔

گستاخِ رسول کا قتل:

غلافِ کعبہ سے لپٹے ہوئے توہین رسالت کے مرتکب مرتد کو مسجد حرام میں قتل کرنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے۔ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کی شان میں گستاخی کرنے والا ابن حنظل کعبہ کے پردوں سے لپٹا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (اقتلوہ) اسے قتل کر دو۔ (۸)

یہ عبداللہ بن حنظل مرتد تھا۔ ارتداد کے بعد اس نے کچھ ناحق قتل کیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں شعر کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں تنقیص کیا کرتا تھا۔ اس نے دو گانے والی لونڈیاں اس لئے رکھی ہوئی تھیں کہ وہ حضور کی ہجو میں اشعار گایا کریں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا تو اسے غلاف کعبہ سے باہر نکال کر باندھا گیا اور مسجد حرام میں مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان اس کی گردن ماری گئی۔ (۹)

یہ صحیح ہے کہ اس دن ایک ساعت کے لئے حرم مکہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حلال قرار دے دیا گیا تھا لیکن بالخصوص مسجد حرام میں مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان اس کا قتل کیا جانا، اس بات کی دلیل ہے کہ گستاخِ رسول باقی مرتدین سے بدرجہا بدتر و بدحال ہے۔

اجماع امت:

(۱) ”قال محمد بن سخنون اجمع العلماء ان شاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المتنقص لہ کافر و الوعید جار علیہ بعذاب اللہ لہ و حکم عند الامۃ القتل

و من شک فی کفرہ و عذابہ کفر ''(۱۰)

محمد بن سخنون نے فرمایا: ''علماء امت کا اجماع ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالی دینے والا، حضور ﷺ کی توہین کرنے والا کافر ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید جاری ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے۔ جو اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے، کافر ہے۔''

(۲) ''و قال ابو سلیمان الخطابی لا اعلم احدا من المسلمین اختلف فی وجوب قتلہ اذا کان مسلما ''(۱۱)

امام ابوسلیمان الخطابی نے فرمایا: جب مسلمان کہلانے والا نبی ﷺ کے سبّ (گالی) کا مرتکب ہو تو میرے علم میں ایسا مسلمان نہیں ہے جس نے اس کے قتل میں اختلاف کیا ہو۔

(۳) ''و اجمعت الامۃ علی قتل متنقصہ من المسلمین و سابہ ''(۱۲)

اور امت کا اجماع ہے کہ مسلمان کہلا کر حضور ﷺ کی شان میں سب اور تنقیص کرنے والا قتل کیا جائے گا۔

(۴) ''قال ابو بکر بن المنذر اجمع عوام اھل العلم علی ان من سب النبی صلی اللہ علیہ و سلم یقتل قال ذلک مالک من انس و اللیث و احمد و اسحاق و ھو مذھب الشافعی قال القاضی ابو الفضل و ھو مقتضی قول ابی بکر الصدیق و لا تقبل توبتہ عند ھؤلاء و بمثلہ قال ابو حنیفۃ و اصحابہ و الثوری و اھل الکوفۃ و الاوزاعی فی المسلمین لکنھم قالوا ھی ردۃ ''(۱۳)

امام ابوبکر بن منذر نے فرمایا: علماء اسلام کا اجماع ہے کہ جو شخص کو گالی دے، قتل کیا جائے۔ ان ہی میں سے مالک بن انس، لیث، احمد اسحاق (رحمہم اللہ) ہیں اور یہی امام

شافعی کا مذہب ہے۔ قاضی عیاض نے فرمایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کا یہی مقتضی ہے۔ (پھر فرماتے ہیں) اور ان آئمہ کے نزدیک ان کی توبہ بھی قبول نہ کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ ان کے شاگردوں، امام ثوری، کوفہ کے دوسرے علماء اور امام اوزاعی کا قول بھی اسی طرح ہے۔ ان کے نزدیک یہ ردت ہے۔

(۵) ''ان جمیع من سب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم او عابد و الحق به نقصا فی نفسه او نسبه او دینه او خصلة من خصاله او عرض به او شبهه علی طریق السب له او لا زراء علیه او التصغیر بشانه او الغض منه و العیب له فهو ساب له و الحکم فیه حکم الساب یقتل کما نبی نه و لا نستثنی فصلا من فصول هذا الباب علی هذا المقصد و لا نمتری فیه تصریحا کان او تلویح و هذا کله اجماع من العلماء و آئمة الفتوٰی منلدن الصحابه رضوان اللہ علیهم الی هلم جرا''(۱۴)

بے شک ہر وہ شخص جس نے حضور کو گالی دی یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کسی عیب کو منسوب کیا یا آپ کی ذات مقدمہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب، دین یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی خصلت سے کسی نقص کی نسبت کی یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعنہ زنی کی یا جس نے بطریق سب اہانت یا تحقیر شان مبارک یا ذات مقدسہ کی طرف کسی عیب کو منسوب کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی چیز سے تشبیہ دی، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صراحۃً گالی دینے والا ہے، اسے قتل کر دیا جائے۔ ہم اس حکم میں قطعاً کوئی استثناء نہیں کرتے۔ نہ ہم اس میں کوئی شک کرتے ہیں۔ خواہ صراحۃً توہین ہو یا اشارۃً کنایۃً......اور یہ سب علماء اور اہل فتویٰ کا اجماع ہے۔ عہد صحابہ سے لے کر آج تک۔

(۶) ''و الحاصل انه لا شک و لا شبهة فی کفر شاتم النبی صلی اللہ علیه وسلم و فی استباحة قتله و هو المنقول عن الائمة الاربعة''(۱۵)

خلاصہ یہ ہے کہ گالی دینے والے کے کفر اور اس کے مستحق قتل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ چاروں آئمہ (ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد بن حنبل) سے یہی منقول ہے۔

(۷) ''کل من ابغض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقلبہ کان مرتدا فالساب بطریق اولی ثم یقتل حدا عندنا'' (۱۶)

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے دل میں بغض رکھے وہ مرتد ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا تو بطریق اولیٰ مستحق گردن زنی ہے۔
پھر (مخفی نہ رہے) یہ قتل ہمارے نزدیک بطور حد ہوگا۔

(۸) ''ایما رجل مسلم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او کذبہ او عابہ او نقصہ فقد کفر باللہ و بانت منہ زوجتہ'' (۱۷)

جو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دے یا تکذیب کرے یا عیب لگائے یا آپ کی تنقیص شان کا (کسی اور طرح سے) مرتکب ہو، تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور اس کی زوجہ اس کے نکاح سے نکل گئی۔

(۹) ''اذا عاب الرجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی شیء کان کافرا و کذا قال بعض العلماء لو قال لشعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم شعیر فقد کفر و عن ابی حفص الکبیر من عاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بشعرۃ من شعراتہ الکریمتہ فقد کفر و ذکر فی الاصل ان شتم النبی کفر'' (۱۸)

کسی شے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عیب لگانے والا کافر ہے اور اسی طرح بعض علماء نے فرمایا، اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک کو شعر کے بجائے (بصیغہ تصغیر) شعیر کہہ دے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ امام ابو حفص الکبیر (حنفی) سے منقول ہے کہ اگر کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی ایک بال مبارک کی طرف بھی عیب منسوب کیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور امام محمد نے ''مبسوط'' میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا کفر ہے۔

(۱۰) ''ولا خلاف بین المسلمین ان من قصد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بذالک فھو ممن ینتحل الاسلام انہ مرتد یستحق القتل ''(۱۹)

کسی مسلمان کو اس میں اختلاف نہیں کہ جس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت و ایذا رسانی کا قصد کیا اور وہ مسلمان کہلاتا ہے تو وہ مرتد مستحق قتل ہے۔

چند اہم امور کی وضاحت:

یہاں تک ہمارے بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کتاب وسنت، اجماع امت اور اقوال علمائے دین کے مطابق گستاخِ رسول کی سزا یہی ہے کہ وہ حداً قتل کیا جائے۔ اس کے بعد حسب ذیل امور کی وضاحت بھی ضروری ہے۔

(۱) بارگاہ نبوت کی توہین و تنقیص کو موجب حد جرم قرار دینے کے لئے یہ شرط صحیح نہیں کہ گستاخی کرنے والے نے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مشتعل کرنے کی غرض سے گستاخی کی ہو۔ یہ شرط ہر گستاخِ نبوت کے تحفظ کے مترادف ہو گی اور توہین رسالت کا دروازہ کھل جائے گا۔ ہر گستاخِ رسول اپنے جرم کی سزا سے بچنے کے لئے یہ کہہ کر چھوٹ جائے گا کہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مشتعل کرنا میری غرض نہ تھی۔ علاوہ ازیں یہ شرف کتاب اللہ کے بھی منافی ہے۔ سورۂ توبہ کی آیت ہم لکھ چکے ہیں کہ توہین کرنے والے منافقوں کا یہ عذر کہ ''ہم تو آپس میں صرف دل لگی کرتے تھے، ہماری غرض توہین نہ تھی اور نہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات مشتعل کرنا ہمارا مقصد تھا۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عذر کو مسترد کر دیا اور واضح طور پر فرمایا:

''لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم ''(۲۰)

بہانے نہ بناؤ، ایمان لانے کے بعد تم نے کفر کیا۔

(۲) صریح توہین میں نیت کا اعتبار نہیں۔ راعنا کہنے کی ممانعت کے بعد اگر کوئی نیت

توہین کے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راعنا کہتا تو وہ ''واسمعوا و لکفرین عذاب الیم'' کی قرآنی وعید کا مستحق قرار پاتا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ نیت توہین کے بغیر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں توہین کا کلمہ کہنا کفر ہے۔

امام شہاب الدین خفاجی حنفی ارقام فرماتے ہیں:

''المدار فی الحکم بالکفر علی الظواھر و لا نظر للمقصود و النیات و لا نظر لقرائن حالہ''(۲۱)

توہین رسالت پر حکم کفر کا مدار ظاہر الفاظ پر ہے۔توہین کرنے والے کے قصد و نیت اور اس کے قرائن حال کو نہیں دیکھا جائے گا ورنہ توہین رسالت کا دروازہ کبھی بند نہ ہو سکے گا لہٰذا ہر گستاخِ نبوت کی نیت اور قصد کا اعتبار نہ کیا جائے۔

(۳) یہاں اس شبہ کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ اگر کسی مسلمان کے کلام میں ننانوے وجوہ کفر کی ہوں اور اسلام کی صرف ایک وجہ کا احتمال ہو تو فقہاء کا قول ہے کہ کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔اس کا ازالہ یہ ہے کہ فقہاء کا یہ قول اس تقدیر پر ہے کہ کسی مسلمان کے کلام میں ننانوے وجوہ کفر کا صرف احتمال ہو، کفر صریح نہ ہو لیکن جو کلام مفہوم توہین میں صریح ہو اس میں کسی وجہ کو ملحوظ رکھ کر تاویل کرنا جائز نہیں۔اس لئے کہ لفظ صریح میں تاویل نہیں ہو سکتی۔قاضی عیاض نے لکھا:

''قال حبیب ابن الربیع لان ادعاء التاویل فی لفظ صراح لا یقبل''

یعنی حبیب بن ربیع نے فرمایا کہ لفظ صریح میں تاویل کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا۔(۲۲)

کسی کلام کا توہین صریح ہونا عرف اور محاورے پر مبنی ہے۔معذرت کے ساتھ بطور مثال عرض کرتا ہوں کہ اگر کسی کو ولد الحرام کہا جائے اور کہنے والا لفظ ''حرام'' کی تاویل کرے اور کہے کہ میں نے ''المسجد الحرام'' اور ''بیت الحرام'' کی طرح معظم و محترم کے معنی

میں یہ لفظ بولا ہے تو اس کی یہ تاویل کسی ذی فہم کے نزدیک قابل قبول نہ ہوگی کیونکہ عرف و محاورے میں ''ولد الحرام'' کا لفظ گالی اور توہین کے لئے ہی بولا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر وہ کلام جس سے عرف و محاورے میں توہین کے معانی مفہوم ہوتے ہیں، توہین ہی قرار پائے گا۔ خواہ اس میں ہزار تاویلیں ہی کیوں نہ کی جائیں عرف اور محاورے کے خلاف تاویل معتبر نہ ہوگی۔

(۴) یہاں اس شبہ کو دور کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر توہین رسالت کی سزا حد قتل کرنا ہے تو کئی منافقین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریح توہین کی۔ بعض اوقات صحابہ کرام نے عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اجازت دیں کہ اس گستاخ منافق کو قتل کر دیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت نہ دی۔ ابن تیمیہ نے اس کی متعدد وجوہات لکھی ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(الف) اس وقت ان لوگوں پر حد قائم کرنا فساد عظیم کا موجب تھا۔ ان کے کلمات توہین پر صبر کرنا اس فساد کی نسبت آسان تھا۔

(ب) منافقین اعلانیہ توہین رسالت نہ کرتے تھے بلکہ آپس میں چھپ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں توہین آمیز باتیں کیا کرتے تھے۔

(ج) منافقین کے ارتکاب توہین کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے قتل کی اجازت طلب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام جانتے تھے کہ توہین رسالت کی سزا قتل ہے۔ گستاخانِ شانِ رسالت ابو رافع یہودی اور کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو دیا تھا۔ اس حکم کی بنا پر صحابہ کرام کو علم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں توہین کرنے والا قتل کا مستحق ہے۔

(د) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جائز تھا کہ وہ اپنے گستاخ کو اپنی حیات میں

معاف فرما دیں لیکن امت کے لئے جائز نہیں کہ وہ حضور ﷺ کے گستاخ کو معاف کر دے۔(۲۳)

اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام، اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو بجا لائے کہ ''آپ معافی کو اختیار فرمائیں اور جاہلوں سے منہ پھیر لیں اور نیکی کا حکم دیں۔''(۲۴)

میں عرض کروں گا کہ گستاخِ رسول پر قتل کی حد جاری کرنا ایسی حد ہے جو رسول اللہ ﷺ کا اپنا حق ہے۔اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی توہین حضور ﷺ کی امت کے لئے بھی سخت ترین اذیت کا موجب ہے۔اسی طرح اس حد کو پوری امت کا حق بھی کہا جا سکتا ہے لیکن بلاواسطہ نہیں بلکہ بالواسطہ ذات اقدس ﷺ کے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کو یہ اختیار حاصل تھا کہ اپنا یہ حق کسی کو خود معاف فرما دیں۔جیسا کہ بعض دیگر احکام شرع کے متعلق دلیل سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان احکام میں حضور ﷺ کو اختیار عطا فرمایا، مثلاً:

- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو بکری کے ایک بچے کی قربانی کا حکم دیا اور فرمایا:

''ولن تجزی عن احد بعدک''(۲۵)

کہ یہ قربانی تمہارے علاوہ کسی دوسرے پر ہرگز جائز نہیں۔

- اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ نے حرم مکہ کی گھاس کاٹنے کو حرام قرار دیا تو حضرت عباس نے عرض کی: ''الا الاذخر'' یعنی اذخر گھاس کو حرمت کے اس حکم سے مستثنیٰ فرما دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''الا الاذخر'' یعنی اذخر کو حرمت کے حکم سے ہم نے مستثنیٰ فرما دیا۔(۲۶)

اس حدیث کے تحت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور نواب صدیق حسن خان

بھوپالی تحریر فرماتے ہیں کہ ''ودر مذہب بعضے آں است کہ احکام مفوض بود بوے صلی اللہ علیہ وسلم ہر چہ خواہد و بر ہر کہ خواہد حلال وحرام گرداند وبعضے گویند با اجتہاد گفت۔ واول اصح اظہر است۔'' (۲۷)

یعنی بعض کا مذہب یہ ہے کہ احکام شرعیہ حضورﷺ کے سپرد کر دیئے گئے تھے جس کے لئے جو کچھ چاہیں حلال اور حرام فرمادیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضورﷺ نے یہ اجتہاد کے طور پر فرمایا تھا اور پہلا مذہب زیادہ صحیح اور اظہر ہے۔

ان احادیث کی روشنی میں حضورﷺ کو یہ اختیار حاصل ہوسکتا ہے کہ کسی حکمت اور مصلحت کے لئے آپﷺ ان منافقین پر قتل کی حد جاری نہ فرمائیں لیکن حضورﷺ کے بعد کسی کو یہ اختیار نہیں۔

آخر میں عرض کروں گا کہ توہین رسالت کی حد اسی پر جاری ہوسکے گی جس کا یہ جرم قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہوجائے۔ اس کے بغیر کسی کو اس جرم کا مرتکب قرار دے کر قتل کرنا ہرگز جائز نہیں۔ تواتر بھی دلیل قطعی ہے۔ اگر کوئی شخص توہین کے کلمات صریحہ بول کر یا لکھ کر اس بات کا اعتراف کرے کہ یہ کلمات میں نے بولے یا میں نے لکھے ہیں تو یقیناً وہ واجب القتل ہے۔ خواہ وہ کتنے ہی بہانے بنائے اور کہتا پھرے کہ میری نیت توہین کی نہ تھی۔ یا ان کلمات سے میری غرض یہ نہ تھی کہ میں مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچاؤں۔ بہر حال وہ مستحق قتل ہے۔

علیٰ ہذا وہ لوگ جو کہ توہین صریح کی تاویل کر کے ان کے مرتکب کو کفر سے بچانا چاہیں بالکل اسی طرح قتل کے مستحق ہیں جیسا کہ خود توہین کرنے والا مستوجب حد ہے۔ شاتم رسول کے حق میں محمد بن سحنون کا قول ہم شفا قاضی عیاض اور الصارم المسلول سے نقل کر چکے ہیں:

''ومن شک فی کفرہ وعذابہ کفر'' (۲۸)

حوالہ جات

(۱) سورۂ الانفال: ۱۳

(۲) مدارک التنزیل: ۲/۷۴، تفسیر خازن: ۲/۱۷۴

(۳) سورۂ توبہ: ۶۵، ۶۶

(۴) سورۂ فتح: ۱۶

(۵) روح المعانی: ۲۶/۹۳، البحر المحیط: ۸/۱۳۳

(۶) صحیح بخاری: ۲/۱۰۱۲، سنن ابی داؤد: ۲/۱۳۸

(۷) صحیح بخاری: ۲/۱۰۲۳، سنن ابی داؤد: ۲/۱۳۸

(۸) صحیح بخاری: ۱/۲۴۹

(۹) فتح الباری: ۸/۱۳

(۱۰) الشفاء: ۲/۱۹۰

(۱۱) الصارم المسلول: ص ۷، الشفاء: ۲/۱۹۰

(۱۲) الشفاء: ۲/۱۸۶

(۱۳) الشفاء: ۲/۱۸۹

(۱۴) الشفاء: ۲/۱۸۸

(۱۵) فتاویٰ شامی: ۳/۳۲۱

(۱۶) فتح القدیر: ۵/۳۳۲

(۱۷) فتاویٰ شامی: ۳/۳۱۹

(۱۸) فتاویٰ قاضی خان: ۴/۴۶۸

(۱۹) الاحکام القرآن للجصاص: ۳/۱۰۶

(۲۰) سورۂ توبہ: ۶۶

(۲۱) نسیم الریاض: ۴/۳۸۹

(۲۲) الشفاء:۲/۱۹۱

(۲۳) الصارم المسلول:۲۲۲ تا ۲۳۳

(۲۴) سورۂ اعراف:۱۹۹

(۲۵) صحیح بخاری:۲/۷۳۲

(۲۶) صحیح بخاری:۱/۲۱۶

(۲۷) اشعۃ اللمعات:۲/۴۰۸،مسک الختام:۲/۵۱۲

(۲۸) الشفاء:۲/۱۹۰،الصارم المسلول:ص ۷

کائنات کے گستاخ

چودھری رفیق احمد باجوہ (ایڈووکیٹ)

جس شخص کی وہ حمد کرے جس کے سوا کسی کو حمد زیبا نہ ہو۔ جو انسانی تاریخ میں ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نام پانے والا پہلا ایسا بشر ہو، جس پر وہ وحی نازل ہوئی ہو کہ اگر کسی پہاڑ پر نازل ہوتی تو روئی کے گالوں کی طرح اڑ گیا ہوتا۔ نور اور سوز کو سمو لینے والا یہ جسم کہ مثل روشنی کے، اس کا بھی سایہ نہ ہو۔ جس نے خلاؤں تک کو یوں تسخیر کر دکھایا ہو کہ عرش سے عرش اور عرش سے فرش تک کے صدیوں کے فاصلے طے کر آئے اور ابھی بستر گرم ہوا اور کنڈی ہل رہی ہو۔ جس نے خالق و مخلوق کے درمیان فاصلوں کو یوں تسخیر کرنا سکھایا ہو کہ بندے اپنے اللہ سے صیغۂ حاضر متکلم میں مخاطب ہوں۔ جس نے ''ھبطو ر'' کے عمل کی فرقتوں کے کرب میں مبتلا انسانیت کو:

''قَابَ قَوْسَیْنَ اَدْنٰی'' اور

''نَحْنُ اَقْرَبُ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد''

کے لطف سے آشنا کیا۔ جس نے تاریخ کائنات میں پہلی مرتبہ ''قانونِ رجعت'' بیان کر کے کائنات کے مخفی ''قانون عود'' کو اس طرح واضح کیا ہو کہ حیات دنیوی و آخروی میں ایک مسلسل و مستقل ربط آشکار ہو گیا ہو۔ جس پر یہ رازِ کائنات واضح کیا گیا ہو کہ شہادت سلامتی کا دوسرا نام ہے کہ جس انسانِ فانی کو اس کی دنیوی زندگی میں اللہ کی دید میسر آ جائے وہ اللہ کی راہ میں قتل بھی کر دیا جائے تو بھی نہیں مرتا، اور یوں زندہ رہتا ہے جیسے روزِ حشر دیدارِ الٰہی کے بعد سب انسان غیر فانی ہو جائیں گے۔ وہ یٰسین جس نے پیدائشی طور پر انسانی زندگی کی گیارہ منازل یوں تسخیر کر لیں کہ معصوم رہنا سازگار رہوا۔

وجہ نمود کائنات مگر مزمل، تخت رسالت پر متمکن مگر دوش پر کملی۔ شاہ شاہاں مگر سورۃ المدثر کا مدثر۔ جس کی انگلی اٹھے تو قمر شق ہو جائے۔ نگاہ اٹھے تو آمادۂ قتل عمر، فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جائے۔ ایسا مصطفی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جس نے مرتضیٰ تربیت کئے۔ وہ مرسل رسا کہ امتی آج بھی دوران صلوٰۃ اس سے صیغۂ حاضر میں کلام کرتے ہیں۔ وہ انسان کامل کہ خود خالق جس کی تکمیل کا ثنا خواں ہو۔تخلیقاتِ الٰہی کی وہ ہستی واحد جس کی اطاعت کو اطاعتِ الٰہی سے مربوط کر دیا گیا۔ وہ جو عالم ہائے زمان ومکان ولازمان ولامکان کے لئے رحمت ہے کہ جو اس کی پیروی میں نہ رہا، اس نے خود کو درہم برہم کرلیا۔ وہ کائناتی رحمتوں سے محروم ہو گیا۔ اس نے رحمتوں کو زحمتوں میں تبدیل کرلیا۔ اس کی تعمیر اس کی ہلاکت کا باعث بن گئی۔ اس نے حیات سے منہ موڑ کر مردنی خرید لی۔ جو اس کی تکریم سے محروم ہو گیا، تذلیل اس کا مقدر بن گئی۔

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، ان سے محبت اللہ سے محبت ہے، اسی طرح ان کی شان میں گستاخی اللہ کی شان میں گستاخی ہے جو کوئی ان کی رسالت سے منکر ہو، اس کے خلاف اگر جہاد بالسیف فرض ہے تو پھر یہ بھی کوئی پوچھنے والی یا کوئی تحقیق طلب بات ہے کہ ان کے گستاخ کی سزا کیا ہے؟ لیکن ہم اس زمانے سے تعلیم حاصل کئے ہوئے ہیں جہاں گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سزا دینے والے لقمہ دار بنا دیئے گئے اور ہم فقط آنسو بہا کر ہاتھ مل کر یا چند دن ملول ہو کر رہ گئے یا مترنم شعر گوئی پر گزارہ کرتے رہے۔

شہید اگر تب وتاب جاودانہ پا کر اپنا صلہ لے گئے تو ہماری بے حمیتی کو بھی کائنات نے بدل سے محروم نہیں رہنے دیا۔ ہم نے دین کو پہلے مذہب بنایا، پھر پیشہ بنایا اور مزاجِ خانقاہی میں پختہ ہو گئے اور یوں ہمیں کرگسوں کے جہاں اور شاہینوں کے جہاں میں تمیز کرنے کی اہلیت میسر نہ رہی اور ہم نے انشورنس کمپنیوں کو عاقلہ قرار دے کر اسلامی معاشرتی فلسفہ کی جڑوں کو کاٹ ڈالا۔ بجائے اس کے کہ ہم بکھرے ہوئے معاشرے کو

عاقلہ مہیا کرتے، ہم نے انسانی برادری کے تصور کو انشورنس کمپنیوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ اسلامی آفاقی قوانین نے جو معاشرتی بندھن باندھے تھے۔ وہ حادثاتی بیمہ کی قسطوں کی ادائیگی نے کھول ڈالے اور یوں فقہ اسلام خود حادثے کا شکار ہوگئی۔ ہماری معاشرتی زندگی تعلق سے بے بہرہ ہوکر فقط زرآشنا رہ گئی۔ گویا ہامان نے انسانی ایثار قارون کے ہاتھ فروخت کر دیا اور فراعین کے لئے راہیں ہموار ہوگئیں۔

قانون اور آئین کی دنیا میں پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی ہمسر نہیں۔ اسلام کے آئین کی عملداری میں مکمل طور پر داخل ہو جانا حُب رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا تقاضا ہے۔ ان کے کسی بھی حکم و ہدایت سے گریز بھی نافرمانی ہے اور نافرمانی کیا گستاخی نہیں ہوتی؟ نافرمانی کی کیا کوئی سزا نہیں ہوتی؟ حصولِ علم کے لئے کتاب کو لاریب اور صاحب کتاب کو صادق تسلیم کرنا لازم ہوتا ہے۔ قانون قدرت ہے کہ ہر بچے کے تصور کی ماں صادق ہوتی ہے۔ بچہ چونکہ ماں کو صادق جانتا ہے لہٰذا دو اڑھائی سال کے عرصہ میں اس سے پوری زبان سیکھ لیتا ہے جبکہ غیر مادری زبان سیکھنے کے لئے عمر بھر بھی لگا رہے تو عبور حاصل ہونے کا دعوٰی نہیں کرسکتا۔ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنا تمام تر مافی الضمیر اس زبان میں بیان کرنے کا اہل ہوگیا ہے۔ پیغمبرِ صادق و امین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں علم حاصل کرنے کا وہ سلیقہ بتایا کہ دم بھر میں انسان وہ جان جائے جو اس سے پہلے نہ جانتا ہو۔ مگر ہم اس سے محروم ہوگئے۔ اس لئے کہ ہمارا پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر صادق کا ایمان مخدوش ہوگیا ہے اور ہم عقل فانی کو عقل غیر فانی پر حاوی کرنے کی کوشش میں تفرقہ باز ہوگئے ہیں۔ اپنے علم پر غرور نے ہمیں اپنی ہی زبان سے علامہ تو کہلوایا مگر تمام تر علم متنازع ہوگیا۔ ہم ''لَا تَفَرَّقُوْا'' کو اپنی سروں میں موزوں کرتے کرتے فرقہ بند ہوگئے۔ کیا فرقہ بندی کو اطاعتِ رسول کا نام دیا جاسکتا ہے؟ اس عمل کو نافرمانی نہیں کہیں گے؟ زمانہ وہ آگیا ہے کہ اطاعت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے مسلمانوں کو نام نہاد مسلمانوں کے خلاف جہاد کرنا ہوگا جس کے لئے ایسے بہت بڑے

مربوط اجتہاد کی ضرورت ہے جس میں انسانی مصلحتوں نے الحاد کی آمیزش نہ کی ہو۔

علم و عمل کے میدان میں جس نے جو دیا ہو، لاریب دیا ہو۔ اس کی شان میں گستاخی، کائنات سے دشمنی کے مترادف ہے۔ آج تک کائنات تو کیا کائنات کے کسی معمولی سے معمولی قانون قدرت کو بھی شکست نہیں دے سکا۔ ان کی شان میں گستاخی کائنات کو انتقام کی دعوت دینا ہے۔ کائنات میں اس کی سزا موت یا پھانسی یا قتل پر ہی ختم نہیں ہوگی۔ جب تک کائنات موجود ہے کائنات انتقام لے گی اور کائنات معدوم ہونے لگے گی تو ماورائے کائنات کے سپرد کر جائے گی کہ لو، ان کو سنبھالو کہ یہ گستاخانِ رسول ہیں۔ اس رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گستاخ جو زمان و مکان و لامکان و لازمان کے لئے رحمتِ سراپا بن کر مرسل ہوئے۔

انسان کی محبت میں کمی رہ جائے تو وہ اپنے فراق کو محبوب کے بت بنا کر تسکین دے لیتا ہے۔ محبت اگر کامل ہو تو انسان محبوب کے بت یا تصویر کا محتاج نہیں ہوتا۔ جو دل میں بس رہا ہو، اسے آنکھوں کے روبرو لانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آنکھوں کے ذریعے دل میں اتر جانا ایک عمل ضرور ہے اور اہم بھی ہے مگر دل کے ذریعے نگاہوں میں بس جانا لاثانی عمل ہے اور محبت کی وہ منزل ہے جہاں محبوب کا گستاخ تو کیا اس کا رقیب بھی گوارہ نہیں ہوتا۔ ندیدوں کو کیا خبر کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر کیوں نہ بنی۔ کیوں نہیں بنائی جا سکتی۔ اللہ نے حب رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعے بت پرستی کو کیونکر فعل ناگوار قرار دیا۔ قرآن پاک میں کسی بھی پیغمبر کی توہین سے اس لئے بھی منع فرمایا گیا کہ سبھی پیغمبر رسول آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے معتقد ہیں۔ جس کے سارے پیشرو اس کے پیروکار ہو جائیں، اس کے مقام کی توحید سے کون انکار کر سکتا ہے، تاوقتیکہ طبیعت از خود کفر وارد کرنے پر مائل نہ ہو گئی ہو۔

انسان تو اپنی ماں کی توہین کرنے پر قتل کر دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ماں کی محبت سے کہیں زیادہ اہم، بلند مرتبہ اور معتبر ہے۔ گستاخیٔ رسول پر محبان رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عمد قتل سے باز نہیں رکھا جا سکتا۔ چاہے اس کا انجام کچھ بھی ہو اور

تاریخ ایسی تماثیل سے بھری پڑی ہے۔ گستاخان رسول ﷺ کے ساتھ کائنات نے کیا برتاؤ کیا اور مسلمانوں نے کیا۔ اس مضمون میں اعادہ کئے بغیر اس اہم امر کی طرف ہر مسلمان کی توجہ مبذول کرواسکوں تو خوش بخت ہو جاؤں کہ معاشرہ غیر اسلامی تعلیم و تربیت کی وجہ سے احکام رسول (ﷺ) سے غیر آگاہ ہو چکا ہے اور زمانہ اس کوشش میں ہے کہ امت کے جسد سے روح محمد ﷺ نکال لی جائے اور اس کا ایک طریقہ شرع پیغمبر کو آشکار نہ ہونے دینا اور مختلف مسالک کے ذریعے سے متنازع بنائے رکھنا بھی ہے۔

نوبت بہ ایں جارسید کہ لوگوں کو یہ امتیاز بھی میسر نہیں رہا کہ اللہ اس کو کہتے ہیں جس کے سوا کوئی قانون ساز، کوئی الٰہ نہ ہو، قانون ساز واحد نہ ہو تو خدا ہو سکتا ہے، گارڈ ہو سکتا ہے، ایشور ہو سکتا ہے، دیوتا ہو سکتا ہے، اللہ نہیں کہلا سکتا۔ لفظ اللہ کا کسی دنیوی زبان میں متبادل نہیں۔ جو اللہ احد یعنی قانون ساز واحد کا رسول ہو، اس کا رسول جس کے سوا کسی اور کے احکام کی پابندی یعنی عبادت زیبا نہیں بلکہ کفر کے مترادف ہے۔ اس کی شان میں گستاخی پر جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے۔ نہیں کرو گے تو اللہ تمہارا الٰہ نہیں رہے گا اور پوچھے گا۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتاؤ سہی اور کافری کیا ہے؟

جس کی تحقیر برداشت ہو سکے، وہ محترم نہیں ہوتا۔ جو محترم نہ ہو وہ راہ نما نہیں ہوتا۔ جس کے قول پر قیل و قال ہونے لگے، اس کی اطاعت کے جذبہ کا مجروح ہو جانا لازم ہوتا ہے۔ عام حاکم اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے احکام جاری کرتے ہیں لیکن اللہ اور رسول (ﷺ) کے احکام میں قطعی صمدیت ہوتی ہے کہ وہ جو بھی حکم فرماتے ہیں، قطعی طور پر بے غرض، بے لوث اور انسانوں ہی کے مفاد میں ہوتا ہے۔ جن کی رسالت میں الٰہیت کا احترام اور جس کی الٰہیت میں بندوں ہی کا مفاد مقصود ہو۔ اس کی شان میں اتنی سی بھی گستاخی کہ کوئی اپنی آواز کو ان کی آواز سے بلند کرے، نظام کائنات کو گوارہ نہیں۔ اگر کوئی ایسا

کرے گا تو کائنات اسی لمحہ برانگیختہ ہو جاتی ہے۔ ایسے شخص کو سزا دینے والا وہی کچھ کر رہا ہوتا ہے جو کائنات اس گستاخ کے لئے کر رہی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس لمحے کائنات اور انسان کا عمل ہم آہنگ ہوتا ہے۔ کائنات سے ہم آہنگی ہی انسانی زندگی کا سب سے بڑا انعام اور کارنامہ ہے۔ ایسا ہر اقدام انسانوں کی اکملیت کی طرف بڑھتا ہوا قدم ہوتا ہے۔

معاشرے میں اگر آج ماؤں، بہنوں، بیٹیوں، والدین، اساتذہ یا بزرگوں کا احترام نہ رہے تو کیا معاشرہ شفقتوں سے عاری نہ ہو جائے گا؟ بربریت اس کا ورثہ نہ بن جائے گی جس معاشرے میں پیغمبروں کا احترام نہ رہے، وہ معاشرہ درندوں کے معاشرے سے بھی بدتر ہو جائے گا۔ جس معاشرے میں وجہِ نمود کائنات اور پیغمبروں کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام نہ رہے گا، کائنات اس معاشرے پر ٹوٹ پڑے گی۔ چاہے اس معاشرے میں کتنے ہی ناظم و حاکم اور کتنے ہی مفکر و مفسر اپنی برتری کے دعویدار کیوں نہ ہوں، اس معاشرے کی دنیا ہی نہیں، آخرت بھی لٹ جائے گی۔ ایسا معاشرہ فقط دوزخ کو تعمیر کر رہا ہو گا جس کی آگ نہ کبھی بجھے گی اور نہ اس کی تپش کم ہو گی۔ جو معاشرہ راضی برضائے الٰہی ہو جائے اس کی معتبری لافانی ہوتی ہے اور جو معاشرہ راضی برضائے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہو جائے، اس کی بقا کے خود اللہ تعالیٰ ضامن ہوتے ہیں۔

کی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

خوش مقدر ہیں وہ لوگ جو زمانہ حال کے گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کو پناہ دینے والی طاقتوں کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

عہد صحابہ میں گستاخِ رسول کی سزا

علامہ سید امتیاز حسین شاہ کاظمی ضیائی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں بھی گستاخِ رسول کی سزا قتل مقرر تھی جس کی وضاحت ذیل میں تحریر کی جا رہی ہے۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ توجہ سے ان دلائل باہرہ کا مطالعہ فرمائیں اور امام الانبیاء، جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کے ساتھ اپنی غلامی کی نسبت کو مزید مستحکم کریں۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

عہد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور گستاخِ رسول کی سزا:

عہد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم دولت میں امت رسول کے سالار قافلہ اور امام العاشقین ہیں۔ توہین رسالت کے بارے میں درج ذیل واقعہ سے ان کی ژرف نگاہی، حلم وتدبر اور اعلیٰ قوت فیصلہ کا اندازہ ہوتا ہے جس میں ان کی ذاتی دشمنی، اشتعال انگیزی اور غم وغصہ کا کوئی دخل نہ تھا۔ واقعہ کچھ یوں ہے۔

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اسی دوران آپ نے ایک شخص پر اس کے گستاخانہ اور توہین آمیز کلام کے باعث شدید غیض وغضب کا اظہار کیا حتیٰ کہ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا جب میں نے یہ حالت دیکھی تو عرض کیا:

''فقلت تاذن لی یا خلیفة رسول اللہ اضرب عنقه'' (ابوداؤد شریف، جلد 2 صفحہ 252)

’’اے خلیفۂ رسول! مجھے اجازت دیں میں اس گستاخ کی گردن اڑا دوں۔‘‘

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور اٹھ کر خاموشی سے کمرے میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد مجھے اندر بلا کر فرمایا کہ ’’ابوبرزہ کیا میں تمہیں اجازت دیتا تو تم واقعی اسے مار دیتے؟ میں نے عرض کی یقیناً میں اس کو زندہ نہ چھوڑتا۔‘‘

اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

’’قال لا واللہ ما کانت لبشر بعد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم‘‘ (ابوداؤد شریف جلد 2 صفحہ 252)

’’نہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی بھی فرد بشر کو یہ حق حاصل نہیں ہے (کہ اس کے گستاخ کو قتل کر دیا جائے)۔

فائدہ

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ارشاد مبارک کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی قسم یہ مرتبہ محمد الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی اور کو حاصل نہیں کہ اس کی گستاخی کرنے والے کو قتل کر دیا جائے، خواہ وہ خلیفۂ وقت ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بطور اسلامی ریاست کے حاکم (Head of the Islamic State) کی حیثیت سے اسلامی ریاست و مملکت کے قانون کو بیان کر دیا کہ گستاخِ رسول کی سزا قتل ہی ہے جب بھی وہ توہین رسالت کا مرتکب ہو اسے قتل کر دینا ضروری ہے۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے گستاخِ رسول عورت کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو والی یمن حضرت مہاجر بن امیہ کے متعلق خبر ملی کہ یمن میں ایک عورت تھی جو جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں گستاخانہ اشعار کہہ کر توہین کا ارتکاب کرتی تھی۔ اس پر حضرت مہاجر بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اس بدبخت عورت کے ہاتھ کٹوا

دیئے اوراس کے اگلے دانت بھی توڑ دیئے تھے۔

حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ خبر پا کر ارشاد فرمایا کہ اس کی سزا جو تم نے دی ہے یہ نہیں بلکہ اس گستاخ عورت کی سزا ''قتل'' ہے کیونکہ انبیاء کرام کی گستاخی کی حد دوسرے لوگوں کی گستاخی کی حدود سے مشابہ نہیں ہوتی۔

(الشفاء صفحہ 222، الصارم المسلول صفحہ 196)

عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں گستاخِ رسول کی سزا:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہی گستاخ رسول کی سزائے موت دے کر بارگاہ الٰہی سے ''فاروق'' کے لقب سے سرفراز ہو چکے تھے۔ ابن وہب نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک راہب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان رفیع میں دشنام طرازی کی۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو ان لوگوں سے فرمایا جنہوں نے یہ واقعہ سنایا تھا:

''تم نے اسے قتل کیوں نہیں کیا؟ اگر میں وہاں ہوتا تو اسے ہرگز زندہ نہ چھوڑتا۔''

(الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ 61)

توہین کی نیت سے ''عبس وتولیٰ'' پڑھنے والے امام کا قتل:

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک منافق کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر نماز میں سورۃ ''عبس'' پڑھتا اور دل میں یہ مراد لیتا کہ یہ وہ سورت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور کو تنبیہ فرمائی ہے۔ چنانچہ یہ بات حضرت امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ت ک پہنچی کہ منافقین میں سے ایک شخص اپنی قوم کی امامت کراتا ہے اور وہ ہر باجماعت نماز میں سورۃ ''عبس وتولیٰ'' ہی پڑھتا ہے آپ نے اسے (بغیر تحقیق مزید کے) بلا بھیجا اور جب وہ آیا تو اس کا سر قلم کر دیا۔ (تفسیر روح البیان جلد 10 صفحہ 331)

الحاصل:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس شخص کے عمل سے یہ بات از خود محقق ہو گئی اور آپ کو یقین کامل ہو گیا کہ اس سورت کو مداوت کے ساتھ پڑھنے کا سبب وعلت بے ادبی وگستاخی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ علاوہ ازیں کچھ اور علامات بھی گستاخوں کی آپ کے پیش نظر تھیں۔ آپ نے اس نیت کی جانچ پڑتال کئے بغیر اور تفصیلات میں جائے بغیر اس مردود کو واصل جہنم کر دیا۔ گستاخوں کے ساتھ ہر دور میں یہی سلوک ہونا چاہیئے۔ قربان جائیں غیرتِ فاروقی پر۔

کوئی گستاخ گھر آئے نہ سر اس کا نظر آئے
بڑی محبوب ہے ہم کو ادا فاروقِ اعظم کی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے ملعون کا فیصلہ شمشیرِ فاروقی سے:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسے شقی القلب آدمی کو لایا گیا جس نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ ناز میں گستاخانہ جرأت کا ارتکاب کیا تھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بلا تاخیر اس کو ''واصل جہنم'' کر دیا۔ پھر فرمایا، آگاہ ہو جاؤ، جو کوئی بھی اللہ جل شانہ اور میرے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کسی بھی نبی کی گستاخی کرے، اس کی سزا صرف اور صرف یہی ہے۔ (جواہر البحار جلد 3 صفحہ 240)

محترم قارئین! جذبہ فاروقی کو میں اس رباعی میں ہی آپ کی نذر کرنا چاہتا ہوں۔

توہین رسالت کی سزا قتل ہے واجب
جو اس میں کرے شک وہ مسلمان نہیں ہے
جس میں نہ ہو سرکار پہ مر مٹنے کا جذبہ
اس شخص کا کامل ابھی ایماں نہیں ہے

دورِ حیدری پر ایک نظر:

مولائے کائنات حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ایسی مختلف احادیث کے راوی ہیں جن میں گستاخِ رسول کو مباح الدم قرار دے کر قتل کرنے کا ذکر آتا ہے۔ جیسے یہودی عورت والی روایت جو مشکوٰۃ شریف کے حوالے سے ذکر کی جا چکی ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر شاتم رسول کو سزا دینے یعنی قتل کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر ہمراہ روانہ ہوئے تھے اور اس کو کیفر کردار تک پہنچایا تھا اور اپنے دورِ خلافت میں بھی شاتم رسول کے لئے سزائے موت کا حکم جاری فرما رکھا تھا۔ گستاخی واہانت رسول کی بنا پر خارجیوں کو بھی اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے واصل جہنم کیا۔ جنگ نہروان اس کی واضح مثال ہے جس میں آپ کے لشکر کے ہاتھوں ہزاروں خوارج گستاخانِ رسول واصل جہنم ہوئے۔ (شفاء شریف جلد ثانی صفحہ 240)

مولائے کائنات کا ایک فیصلہ کن فرمان:

امام عبدالرزاق ابن تیمی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرے اسے قتل کیا جائے۔

(مصنف عبدالرزاق جلد 5 صفحہ 307)

آپ کرم اللہ وجہہ الکریم سے واضح الفاظ میں یہ حدیث بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی نبی کو گالی دی تو اسے قتل کر دو اور جو میرے کسی صحابی کو گالی دے اسے کوڑے مارو۔ (الشفاء مترجم: جلد 2 صفحہ 239)

فقیہہ امت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فیصلہ:

امام طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کوفہ میں چیف جسٹس تھے۔ انہوں نے ایک شخص عبداللہ ابن الوامہ کو

باوجود معافی طلب کرنے کے قتل کروادیا۔لوگوں نے اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا،’’اس نے نبی کریم ﷺ کے سامنے مسیلمہ کو اللہ کا رسول کہہ کر ایذا دیا تھا اس وجہ سے اس کی سزا ایک ہی ہے اور وہ ہے قتل۔(طحاوی شریف جلد 2 باب اشباۃ المرتد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا گستاخ رسول کے خلاف جذبۂ ایمان:

آپ سے روایت ہے کہ ان کے پاس سے ایک عیسائی راہب گزرا جس کے بارے میں لوگوں نے کہا کہ یہ ملعون رسول اللہ ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتا ہے۔اس پر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے غصے میں آ کر دبدبے سے فرمایا،’’اگر میں اس بدبخت سے پیارے کریم آقا ﷺ کی ذاتِ اقدس کے حوالے سے گستاخانہ کلمات سن لیتا تو میں بغیر توقف کے اس کی گردن اڑا دیتا۔‘‘

(جواہر البحار جلد 3 صفحہ 242،تفسیر مظہری جلد 4 صفحہ 191)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کی غیرت ایمانی:

آپ رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو مخاطب کر کے للکارتے ہوئے فرمایا کہ اگر اب تم میں سے کسی نے بھی امام الانبیاء سید المرسلین ﷺ کی پاک بارگاہ میں ’’راعنا‘‘ کا لفظ بولا تو میں اپنی اس تلوار سے تمہیں قتل کر دوں گا۔

(تفسیر صاوی،جلد 1 صفحہ 47،تفسیر خازن جلد 1 صفحہ 73)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کی نفسیاتی تحلیل

ڈاکٹر حمید اللہ

نفسیاتی تحلیل ایک نیا علم ہے، جس میں اس کا تو ذکر نہیں ہوتا کہ بیج سے کس طرح درخت نکل کر پھلتا پھولتا ہے، بلکہ اس کے برعکس کسی تناور اور بارآور درخت کو دیکھ کر یہ پتہ چلانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ کہاں سے آیا ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں انسان کی کسی روش، کسی خلاف توقع طرز عمل کے اسباب معلوم کرنے کی سعی ہوتی ہے۔ خاص کر وہ اسباب جن کو شاید متعلقہ شخص خود بھی بھول چکا ہوتا ہے۔ کم از کم اسے اس کا احساس نہیں ہوتا کہ اس کے اعمال کا باعث وہ واقعہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس تحقیق میں جو معلوم سے نامعلوم کی طرف جاننے پر مشتمل ہوتی ہے، بہت کچھ مفروضات سے کام لینا پڑتا ہے اور نتیجے میں ریاضیاتی صحت ہو نہیں سکتی، لیکن اس کی اہمیت اور اس پر اعتماد اب اتنا بڑھ گیا ہے کہ شاید ہی کوئی طبیب ہوگا جو اب تشخیص میں اس سے مدد نہ لیتا ہو۔ مجھے اس علم سے کوئی خصوصی واقفیت نہیں۔ حال میں قرآن مجید کا فرانسیسی ترجمہ نیز سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرانسیسی دو جلدوں میں ایک تالیف مرتب اور شائع کرنے کا موقع ملا۔ بعض کردار بے اختیار اپنی طرف منعطف کراتے رہے اور سوچنا پڑا کہ یہ کیا ابوالعجی ہے؟ کچھ چیزیں معلوم ہوئیں۔ شاید وہی ان ''خاردار درختوں'' کے بیج ہوں۔ یہاں ان کا ذکر کرتا ہوں۔ ماہرین نفسیات ان سے مستفید ہو کر اوروں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

بادشاہت تلاش کرنے والے کسی شخص کے لئے قدم قدم پر دشمنوں سے سابقہ ایک

سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ وہ کیوں بادشاہ بنے، میں کیوں نہیں؟ حسد فطری چیز ہے اور انسان جتنا زیادہ فطری یعنی حیوانی اساس سے قریب ہوگا اتنا ہی وہ اس برائی پر قابو کم پا سکے گا لیکن کسی نبی، کسی مصلح سے دشمنی کا سبب اتنا آسان نہیں کیونکہ وہ نہ کوئی مالی معاوضہ چاہتا ہے اور نہ اپنی بڑائی اور سرداری جتاتا ہے۔ وہ بے غرضانہ دوسروں کی بھلائی کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھتا ہے۔ انبیاء سلف پر بھی وہی گزرا ہوگا جو نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شدت کے ساتھ گزرا ہے۔ فی الحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض ہم عصر دشمنوں کا مطالعہ کرنا مقصود ہے۔

ابولہب:

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی چچا ہے۔ عرب میں ہم قبیلہ شخص کا ساتھ دینے میں ظالم و مظلوم کا بھی امتیاز نہ کیا جاتا تھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مرنجان مرنج طبیعت، بزرگوں کے ادب، چھوٹوں پر رحم، محتاجوں سے حسن وسلوک کے لئے بچپن میں امتیاز رکھتے تھے، پھر ان میں کیوں نہ نبھی؟ عمومی تبلیغ سے بھی قبل جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اپنے قریبی رشتہ داروں کو جمع فرمایا اور ''وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ'' (سورۃ الشعراء، آیت: ۲۱۴) سے اپنی ربانی مہم کا آغاز کیا تو واحد شخص جس نے مخالفت کی اور کھنڈت ڈالی وہ یہی ابولہب تھا۔ اس کی دشمنی مرتے دم تک باقی رہی بلکہ روز افزوں ہی ہوتی چلی گئی۔ کیا وجہ ہوسکتی تھی؟

شاید ذیل کا واقعہ جو انساب الاشرف للبلاذری مطبوعہ قاہرہ 1959ء جلد اول صفحہ 130 تا 131 میں درج ہے، اس پر کچھ روشنی ڈالے۔

ایک دن ابولہب اور ابوطالب میں کسی سلسلے میں بات بڑھ گئی۔ ابوطالب کو پچھاڑ کر ابولہب سینے پر چڑھ بیٹھا اور طمانچے مارنے لگا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھا تو رک نہ سکے اور ابولہب کو پہلوؤں سے پکڑ کر زمین پر گرا دیا۔ اب ابوطالب نے اس کے سینے پر بیٹھ کر طمانچے لگانے شروع کر دیئے۔ اس پر ابولہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا:

”وہ تیرا چچا ہے تو میں بھی تیرا چچا ہوں۔ تو نے میرے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا؟ اللہ کی قسم میرا دل تجھ سے کبھی محبت نہ کرے گا۔“

ابو جہل:

اس کا اصلی نام ابوالحکم عمرو تھا۔ یہ مکے کے ایک ممتاز گھرانے کا فرد تھا۔ وہاں بلدیہ (دارالندوہ) میں ہر شہری چالیس سال کی عمر میں رکن بن سکتا تھا لیکن ”لجودرایہ“ (اپنی عمدہ رائے اور معاملہ فہمی کے باعث) اسے تیس سال ہی کی عمر میں رکن بنالیا گیا تھا۔ (دیکھو الاشتقاق لابن ورید، صفحہ 7) درج ذیل واقعہ قابل ذکر ہے۔

یہ واقعہ ابن ہشام (سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفحہ 257) اور بلاذری (انساب الاشرف، جلد اول، صفحہ 128 تا 129) میں بیان کیا گیا ہے۔

”یمن کے قبیلہ اراش (یا اراشتہ) کا ایک فرد کچھ اونٹ لایا کہ مکے میں بیچے۔ ابو جہل نے خرید امگر قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کی۔ اس پر تاجر نے قریب کی ایک مجلس میں پہنچ کر کہا کہ میں ایک مسافر ہوں، ابوالحکم (ابو جہل) نے مجھ سے اونٹ تو مول لئے مگر رقم ادا نہیں کرتا۔ اس لئے میں رکا ہوا ہوں۔ یہ مجھ پر بار گزر رہا ہے۔ کیا کوئی اس سے میرا حق دلائے گا؟ قریش نے ٹھٹھول کرتے ہوئے اسے کہا: دیکھو وہ شخص جو کونے میں بیٹھا ہے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے پاس جاؤ، وہ تمہارا حق دلائے گا۔ جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا دکھڑا سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو جہل کے گھر جا کر دروازے پر دستک دی۔ اس نے اندر سے پوچھا: کون؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نام بتایا اور کہا: باہر آؤ۔

آنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: ”اس کا حق فوراً ادا کرو، ادائی تک میں یہاں سے نہیں ٹلوں گا۔“ اس نے فوراً رقم ادا کر دی۔

اراشی تاجر نے قریش کی مجلس میں آ کر کہا: خدا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھلا کرے، کس آسانی سے اس نے میرا حق دلا دیا۔ پھر وہ چلا گیا۔ بعد ازاں جب ابوجہل وہاں آیا تو لوگوں نے حیرت سے کہا: ''ہم نے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مذاق کرنا چاہا تھا۔ ابوجہل نے کہا چھوڑو بھی، جیسے ہی اس نے دستک دی۔ میرا دل دہل گیا۔ باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خوفناک ڈیل ڈول کا ایک سانڈ اونٹ منہ پھاڑے کھڑا ہے۔ اگر میں ذرا بھی انکار کرتا تو مجھے نوالا بنالیتا۔ اس لئے میں نے رقم ادا کر دی۔''

ابو عامر راہب:

مدینہ کے قبیلہ اوس کا فرد تھا۔ اس کے فرزند حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ مسلمان ہو گئے تھے اور نوجوانی میں شب زفاف میں بیوی کو چھوڑ کر فوج میں آ شامل ہوئے اور صبح کو غزوۂ احد میں شہید ہو گئے۔ باپ مشرکین کی صف میں تھا۔ جنگ تھمی تو بیٹے کی تلاش پر کھڑے ہو کر کہا: اسی لئے تو میں تجھے اس شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روکا کرتا اور اس طرف مار پڑھنے سے ڈرایا کرتا تھا۔ خدا کی قسم تو شریف اخلاق کا مالک اور والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کیا کرتا تھا۔ (بلاذری، انساب الاشرف، جلد اول صفحہ 329)

بچوں کا اچھا کردار والدین کی اچھی تربیت کا نتیجہ ہوتا ہے اور خاص کر آزادی رائے وہی پیدا کر سکتے ہیں جو خود بھی عمدہ کردار کے مالک ہوں۔ سو گمان کرنا پڑتا ہے کہ خود ابو عامر بھی بھلا مانس ہی رہا ہو گا۔ یہ جویائے حق بھی تھا۔ مشرک گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود (بلاذری، ایضاً صفحہ 281 کے مطابق) اہل کتاب سے مناظرے کرتا اور عیسائی راہبوں کی طرف بہت مائل تھا اور اکثر شام و فلسطین جا کر ان سے ملتا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی کیوں نہ نبھی؟ اور راہب ہونے کے باوجود کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف تلوار کھینچ کر جنگ میں عملی حصہ لیتا رہا؟ اور کیوں مرتے دم

تک یہ مخالفت جاری رہی؟

مؤرخ الہیثم بن عدی نے (جسے بلاذری نے صفحہ 282 پر نقل کیا ہے) لکھا ہے، ابو عامر چاہتا تھا کہ خود نبوت کا دعوٰی کرے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت شروع ہوئی اور ترقی کر گئی تو ابو عامر کو حسد ہو گیا۔ اب ہشام (سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ 411 تا 412) نے اس کی مزید تفصیل دی ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ابو عامر مکہ بھاگنے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دونوں میں یوں گفتگو ہوئی:

ابو عامر: یہ تو کیا دین لایا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: حنفیت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین۔

ابو عامر: ''یہی تو میرا دین ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''نہیں یہ تیرا دین کہاں؟''

ابو عامر: اصل میں تو نے ہی اس میں وہ چیزیں داخل کی ہیں جو اس میں نہ تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ہرگز نہیں، بلکہ میں تو اسے میل کچیل سے صاف کر کے نکھار لایا ہوں۔

ابو عامر: خدا جھوٹے کو وطن سے دور تنہائی کی موت مارے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ضرور، خدا جھوٹے کے ساتھ ایسا ہی کرے گا۔

کازادنووا کی فرانسیسی تالیف (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اختتام کائنات، صفحہ 28) کے مطابق عیسائیوں کے ہاں یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پانچ سو برس ختم ہوں تو مسیح آئے گا۔ (جس کا ذکر انجیل یوحنا، باب اوّل، آیت 19 تا 28 میں بھی ہے)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت 610ء میں ہوئی۔ ان حالات میں الہیثم بن عدی کے بیان پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

عبداللہ بن ابی بن سلول:

مدینے کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا تھا۔ وہاں کئی نسلوں سے اوس وخزرج کے رشتہ دار قبیلوں میں خانہ جنگیاں چلی آ رہی تھی، ابن ہشام (سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ 144) نے لکھا ہے:

''اوس وخزرج نے عبداللہ بن ابی سے نہ پہلے اور نہ بعد کبھی کسی مشترکہ فرد کی اطاعت پر اتفاق کیا، بجز عبداللہ بن ابی کے۔ مگر تاریخ اسلام میں اسے ''رئیس المنافقین'' لقب دیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت و بہتان کا آغاز بھی اسی سے ہوا تھا۔ ساری زندگی اس نے مسلمانوں میں اندرونی فتنہ برپا کرنے میں صرف کی۔ وجہ؟''

صحیح بخاری (کتاب 79، باب 20) تفسیر طبری (سورہ 63، آیت 8) تاریخ طبری (سلسلہ اول صفحہ 1511) سیرت ابن ہشام (صفحہ 413-727) روض الانف للسیلی عین قبل سے طے کیا گیا تھا کہ عبداللہ بن ابی کو اوس خزرج کا مشترکہ بادشاہ بنایا جائے اور تخت نشینی کے لئے تاج بنانے کا کام زرگروں اور جوہریوں کے سپردھی کر دیا گیا تھا۔ پھر جب مدینے والے مسلمان ہو گئے تو پرانی تجویز منسوخ ہو گئی۔

کعب بن الاشرف:

مدینہ کے یہودی قبیلہ بن العفیر کا سردار تھا۔ ابن ہشام (سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ 522) نے لکھا ہے کہ جس دن اسے قتل کیا گیا وہ تازہ بیاہا ہوا تھا۔ ''دوستوں'' نے رات کو گھر پہنچ کر آواز دی تو جلدی میں کپڑے پہننے کے بجائے لحاف ہی میں اپنے کو لپیٹ کر نیچے اترا۔ بیوی نے کہا مجھے اس آواز میں شر بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ جواب دیا: ''**لو یدعی الفتی الصعنته لا جاب**''

''جواں مرد کو نیزہ بھونکنے کے لئے بلائیں تو وہ انکار نہیں کرتا۔''

ابن ہشام (سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ 351) ہی کے مطابق اس کا باپ شمالی عرب کے قبیلہ طے کی شاخ بنہان کا فرد تھا اور ماں بنی النفیر کی۔ اس طرح نیم غیر ملکی ہونے کی باوجود قوم کا سردار خاص کر حاکم عدالت بننا اعلیٰ ذہنی قابلیتوں کے بغیر ممکن نہیں۔ بگاڑ کی وجہ؟

مقاتل (فوت 150) مشہور مفسر (مخطوط کتب خانہ حمیدیہ، استنبول، صفحہ 196، الف سورۂ 5، آیت 44) میں لکھا ہے کہ مدینے میں بنی النفیر بڑی ذات کے اور بنی قینقاع نیچ ذات کے یہودی سمجھے جاتے تھے اور اگر کوئی نفیری کسی قینقاع کو قتل کرتا تو اس کے لئے آدھا خون بہا دیا جاتا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینے آئے اور ایک قتل کا مقدمہ پیش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم صادر فرمایا کہ نفیری قاتل قینقاعی مقتول کا سالم خون بہا ادا کرے۔ اس پر نفیرہ سردار کعب بن الاشرف چیخنے لگا۔

''ہم تیرا فیصلہ نہیں مانتے اور نہ تیرا حکم تسلیم کرتے ہیں۔ ہم تو اپنے پرانے رسم و رواج پر عمل کریں گے۔''

یہ ہیں وہ چند واقعات جن سے دشمنان رسول کی نفسیات کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم

ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

چاروں فقہ حنفی، مالکی، حنبلی اور شافعی کا گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واجب القتل ہونے پر اتفاق ہے اور اس اہم فیصلہ کو جہاں کتب فقہ میں دیگر فقہی مسائل کے بیان میں ذکر کیا گیا ہے وہاں اس مسئلہ پر چاروں فقہ میں مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔ امت کے مختلف ادوار میں تقریباً ۱۳ کتب خاص اس مسئلہ پر لکھی گئی ہیں جن میں اکثر حنفی فقہا ہیں جنہوں نے اس مسئلہ کے اثبات میں کتب لکھیں جبکہ آج امت مسلمہ کی گزشتہ پوری تاریخ میں کوئی ایک فقیہ بھی نہیں گزرے جنہوں نے اس موضوع پر کتاب لکھی ہو کہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سزا قتل نہیں ہے۔

چونکہ آج کہا جا رہا ہے کہ پاکستان میں نوے فیصد حنفی ہیں چنانچہ فقہ حنفی کے مطابق ناموس رسالت کے قانون کو بیان کیا جائے تو بطور خاص فقہ حنفی کے دلائل ملاحظہ کیجئے۔

1۔ فقہ حنفی کے بہت بڑے امام ابوالعباس احمد بن محمد ناطفی متوفی ۴۴۶ھ نے اپنی کتاب ''اجناس ناطفی'' میں لکھا ہے جسے دسویں صدی ہجری کے عظیم حنفی امام قاضی عبدالمعالی بن خواجہ بخاری نے اپنی کتاب فتاوٰی ''حسب المفتین'' میں ذکر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

جب کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یا انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کو گالی دی اس کو حد کے لحاظ سے قتل کیا جائے گا اور اس کے لئے کوئی توبہ نہیں ہے خواہ اس گستاخ کو حراست

میں لئے جانے کے بعد یا گواہی کے بعد توبہ کرے یا خود بخود توبہ کے لئے پیش ہو جائے اسے زندیق کی طرح ہر حال میں قتل کیا جائے گا کیونکہ یہ قتل اس گستاخ کی حد ہے۔ پس توبہ سے ساقط نہیں ہوگی جیسا کہ آدمیوں کے باقی حقوق جس پر حق ہو اس کی توبہ سے ساقط نہیں ہوتے اور جیسا کہ حد قذف ہے (یعنی جیسا کسی نے کسی پاک دامن عورت پر برائی کا الزام لگایا اور پھر چار گواہ پیش نہ کر سکا تو اسے اسی کوڑے ضرور مارے جائیں گے وہ جتنی بار بھی توبہ کرے اس کو حد ضرور لگے گی)۔

2۔ امام عبدالمعالی بخاری نے یہاں تک لکھا:

''گستاخ کا مسئلہ عام مرتد جیسا نہیں ہے کیونکہ عام مرتد کا فعل اس کا انفرادی فعل ہے جس سے کسی آدمی کا کوئی حق متاثر نہیں ہوتا (لہٰذا اس کی توبہ قبول ہے مگر گستاخ کی توبہ قبول نہیں ہے کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق متاثر ہوا ہے) اسی لئے کسی نے حالتِ نشہ میں گستاخی کی پھر بھی اسے معاف نہیں کیا جائے گا اور حد کے لحاظ سے اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔''

امام عبدالمعالی بخاری نے لکھا:

''هذا مذهب ابی بکر الصدیق رضی الله تعالیٰ عنه والامام الاعظم'' (فتاوٰی حسب المفتین ورق 337، مخطوط)

''یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔''

نیز امام عبدالمعالی بخاری نے علامہ علم الھدیٰ کی البحر المحیط سے نقل کیا ہے:

''جس بندے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی یا آپ کی اہانت کی یا آپ کے دین، شخصیت یا اوصاف میں سے کسی وصف کو عیب والا بتایا خواہ یہ گالی دینے والا آپ کی امت سے ہو یا غیر۔ اہل کتاب سے ہو یا غیر، ذمی ہو یا حربی، خواہ اس نے گالی اہانت، عیب کی بات عمداً قصداً کی ہو یا سہواً غفلت سے کی ہو۔ سنجیدگی سے کی ہو یا مذاق میں۔ پس اس نے ہمیشہ کفر کیا یعنی اگر وہ توبہ کرے تو کبھی بھی اس کی توبہ قبول نہ ہوگی نہ اللہ تعالیٰ کے

نزدیک اور نہ ہی بندوں کے نزدیک۔ متاخرین مجتہدین کے نزدیک بالاجماع اور اکثر معتقدین کے نزدیک شریعت میں اس کا حکم قتل ہے۔ بادشاہ یا اس کا نائب اس گستاخ کے قتل میں فریب کاری سے کام نہ لے اگرچہ اس گستاخ کو قتل کرنے کی پاداش میں بہت سے دینی مفادات بھی فوت ہو جائیں جیسا کہ قاضیوں والیوں اور سرکاری اہلکاروں کا قتل ہے پھر بھی بادشاہ اسے زندہ نہ چھوڑے اور اگر حکومت نے اسے زندہ چھوڑ دیا تو حکمران کفر پر راضی ہو گئے یعنی جو اس سے توہین کا صدور ہوا تھا یہ کفر ہے۔ کفر پر راضی ہونے والا بھی کافر ہوتا ہے، پس وہ کافر ہونگے۔'' (فتاوٰی حسب المفتین ورق 337 مخطوط)

3۔ امام محمد بن محمد کردری حنفی متوفی 827ھ نے گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سزا کو ذکر کرتے ہوئے لکھا:

''اسے حد کے طور پر قتل کر دیا جائے گا کیونکہ یہ حد ہے جو واجب ہو چکی ہے، تو توبہ سے ساقط نہیں ہوگی۔''

امام کردری نے مزید لکھا ہے:

''اسے محض مرتد پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ارتداد محض مرتد کا وہ انفرادی فعل ہے جس میں کسی آدمی کا حق متاثر نہیں ہوتا۔ توہینِ رسالت سے جو مرتد ہوا اس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق متاثر ہوا، چنانچہ اس کے لئے توبہ نہیں، اسے مہلت نہیں دی جائے گی، اسے قتل کر دیا جائے گا۔''

امام کردری نے یہ بھی لکھا کہ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ (فتاوٰی کردری مخطوط، ورق نمبر 336، 337)

4۔ حضرت بلھے شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے شیخ حضرت شاہ عنایت قادری رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی 1148ھ نے لکھا ہے:

''گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سزا کے بارے میں جو ہم تک معتبر روایات پہنچی ہیں

وہ فتاوٰی ذخیرہ میں ہیں۔ان میں یہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کوئی بھی ہو خواہ مسلمان ہو یا ذمی اس کی شرعی حد یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا اور اس کے لئے توبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

هو مذهب ابی بکر رضی الله تعالٰی و الامام الاعظم رحمة الله عليه (غایۃ الحواشی ورق 240)

''یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔''

5۔ حضرت امام ابن ہمام متوفی 681ھ نے اپنا مؤقف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔اگر ذمی نے توہین رسالت کا اظہار کیا ہے اسے اس توہین کی وجہ سے قتل کر دیا جائے گا اور اس کا عہد ٹوٹ جائے گا۔(فتح القدیر جلد نمبر 5، صفحہ 303 مکتبہ حقانیہ پشاور)

6۔ حضرت ملا خسرو متوفی 885ھ نے لکھا:

جب کوئی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی کو گالی دے تو اس کے لئے توبہ کی گنجائش نہیں ہے اور علماء کا اس بات پر اجماع ہے شاتمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے اس نے بھی کفر کیا۔(درر الحکام فی شرح غرر الاحکام جلد نمبر 1 صفحہ 299)

7۔ امام بدرالدین حنفی عینی متوفی 885ھ نے لکھا:

توہین رسالت کی وجہ سے مؤمن کا ایمان نہیں رہتا تو ذمی کے لئے امان کیسے باقی رہ جائے گا۔کیونکہ مسلمان جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گالی دے تو کافر ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اگر حاکم ایسا کرے تو اسے بھی قتل کر دیا جائے گا، جو ویسے ہی مجرم اور دین کا دشمن ہو یعنی ذمی اگر وہ توہین کرے تو اسے کیسے چھوڑ دیا جائے گا؟''

(رمز الحقائق شرح کنز الدقائق، جزاوّل، صفحہ 258، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

8۔ امام عبداللہ بن محمد بن سلیمان حنفی المعروف بداماد آفندی متوفی 1078ھ نے لکھا ہے:

''اگر کوئی مسلمان حضرت محمد ﷺ کی توہین کرے تو قتل اس کی شرعی حد ہے۔ اس کے لئے توبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔''

(مجمع الانہر جلد نمبر 1 صفحہ 677، دار احیا التراث العربی)

9۔ امام حصکفی متوفی 1088ھ لکھتے ہیں:

''توہین رسالت کے جرم کی وجہ سے گستاخ کو حد کے طور پر قتل کر دیا جائے اور اس کے لئے توبہ نہیں ہے۔''

(درمختار جلد نمبر 13 صفحہ 43 دار الشقافہ والتراث شام)

10۔ امام شمس الدین محمد بن عبداللہ تمرتاشی متوفی 1004ھ نے لکھا ہے:

''جو مسلمان مرتد ہو جائے اس کی توبہ قبول ہے مگر توہین رسالت کی وجہ سے مرتد ہونے والے کی توبہ قبول نہیں ہے۔''

(تنویر الابصار جلد نمبر 13 صفحہ 43 دار الشقافہ والتراث دمشق)

11۔ امام خیر الدین رملی حنفی متوفی 1081ھ لکھتے ہیں:

''جو توہین رسالت کی وجہ سے مرتد ہوا اس کا حکم باقی مرتدین جیسا ہے مگر اس کے لئے توبہ بالکل نہیں۔'' (فتاوٰی خیریہ جلد نمبر 1 صفحہ 95)

قارئین دیکھیں، فقہ حنفی کے اتنے مستند آئمہ کی تصریحات بندہ نے اس حقیقت پر پیش کی ہیں کہ گستاخِ رسول ﷺ واجب القتل ہے اور اس کے لئے توبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر کوئی مخالف یہ حقیقت تسلیم کرتا ہے کہ اس ملک میں 90 فیصد حنفی ہیں، میں نے اس برصغیر کے حنفی فقہاء اور دیگر ممالک کے حنفی فقہاء سے یہ ثابت کیا ہے۔ فقہ حنفی میں گستاخِ رسول ﷺ کی سزا صرف اور صرف قتل ہے اور اس کے لئے توبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یقیناً آج کے ان بزعم خویش دانشوروں سے پہلے صدیوں کے فقہاء بہتر طریقے سے فقہ امام اعظم کو جانتے ہیں۔ اسی لئے امام شہاب الدین خفاجی نے واضح کرتے ہوئے کہ

توبہ کرنے سے گستاخِ رسول قتل سے نہیں بچ سکتا۔

هذا هو القول الصحيح عند ابى حنيفه والشافعى وغيرهما (نسیم الریاض جلد نمبر 6 صفحہ 279 دار الکتب العلمیہ)

''یہی وہ قول ہے جو امام ابو حنیفہ امام شافعی اور ان کے علاوہ آئمہ کے نزدیک صحیح ہے۔''

پاکستان میں فقہ حنفی کے مطابق ناموس رسالت کے قانون کی دلیل مانگنے والے یہ دلائل غور سے پڑھیں، بالخصوص پاکستان بھر پنجاب اور پھر لاہور کے سب سے بڑے حنفی فقیہ حضرت شاہ عنایت قادری متوفی 1148ھ (مدفون شارع فاطمہ جناح، لاہور) جنہوں نے آج سے تقریباً تین صدیاں قبل غایۃ الحواشی کے نام سے کتاب لکھی جو عربی زبان میں ہے اور اس علاقے کی تاریخ میں جسے پاکستان کہا جاتا ہے، اس میں فقہ حنفی کی سب سے پرانی، بڑی اور معیاری کتاب ہے۔ اس کتاب میں ورق 240 پر لکھا ہے کہ گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواہ مؤمن ہو یا ذمی، اس کی توبہ ہرگز قبول نہیں، اسے حد کے طور پر قتل کر دیا جائے گا۔ پھر اس کے تفصیلی دلائل ذکر کئے گئے ہیں۔

ان کی اس کتاب کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔ نیز اس کے دیگر بہت سے نسخے پاکستان اور افغانستان کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔

بندۂ ناچیز کے پاس اس کتاب کے 9 قلمی نسخوں کا عکس موجود ہے۔

تحفظ ناموس رسالت کے عجیب انداز:

اس فریضہ کی ادائیگی کا سلسلہ حیران کن ایمانی انداز میں جاری رہا۔

1۔ امام زیلعی نے واقدی کی کتاب الروۃ سے نقل کیا ہے عمان کے علاقے میں جب حضرت حذیفہ بن محصن رضی اللہ عنہ کے سامنے کچھ لوگوں نے توہین رسالت کی، انہوں نے کہا تم مجھے میرے ماں باپ کی گالی دے لو مگر شانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کچھ نہ کہو، جب وہ باز نہ

آئے تو حضرت حذیفہ جو اس علاقے کے گورنر تھے انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر اس بات پر مطلع کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو شدید غصہ آ گیا۔ آپ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دو ہزار کا لشکر بھیجا جنہوں نے ان کے خلاف جہاد کر کے ان کو شکست دی۔ وہ شکست کھا کے دوبارہ شہر میں داخل ہو گئے اور قلعے میں پناہ لی۔ صحابہ نے ایک مہینے تک اس کا محاصرہ کیا۔ جب وہ مجبور ہو گئے تو صلح کی درخواست کی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے شرط لگائی کہ غیر مسلح ہو کر باہر آؤ پھر صحابہ ان کے قلعہ میں داخل ہو گئے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سرداروں میں سے ایک سو سرداروں کو قتل کیا۔

(نصب الرایہ جلد نمبر 3 صفحہ 425 دار الکتب الاسلامیہ لاہور)

2۔ امام شہاب الدین محمد احمد الشیہی متوفی 850ھ نے اپنی کتاب ''المستطرف من کل فن مستطرف'' کے پچھترویں باب کی دوسری فصل کے اختتام پر صفحہ 530 طبع قدیمی کتب خانہ صفحہ 689 طبع المختار قاہرہ پر لکھا ہے:

''بحرین کے کچھ بچے ہاکی سے کھیل رہے تھے۔ قریب ہی ایک پادری بیٹھا تھا گینداس کے سینے کو جا لگی اس نے پکڑ لی کہ وہ گیند مانگنے لگے۔ ان بچوں میں سے ایک نے کہا اگر تو ویسے نہیں دیتا تو ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے تجھ سے سوال کرتے ہیں۔ ہماری گیند دے دے۔ اس پادری نے گیند دینے سے انکار کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دے دی۔ جوں ہی بچوں نے اس سے شان رسالت میں گالی سنی۔ بچے ہاکیاں لے کر اس پر چڑھ گئے اور اس وقت تک مارتے رہے جب تک وہ لعنتی مر نہ گیا۔ یہ کیس حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس پیش کیا گیا۔ خدا کی قسم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی فتح اور مال غنیمت کے ملنے پر اتنے خوش نہیں ہوئے جتنے بچوں کے اس گستاخ پادری کو قتل کرنے پر خوش نظر آئے اور کہا ''اب اسلام'' غالب آ گیا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی گئی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کی وجہ سے غصے میں آ گئے پس غالب ہوئے اور کامیابی سے

ہمکنار ہوئے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پادری کے خون کو باطل قرار دے دیا۔“

قارئین دیکھئے! یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان بچوں سے ناراض نہیں ہوئے کہ تم نے مجھ سے یا امیر بحرین سے پوچھے بغیر ہی ایسا کیوں کیا بلکہ ان کے اس عمل پر نہایت خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے اسلام کا غلبہ کہا۔

3۔ حضرت امام قاضی محمد ابی منظور رحمۃ اللہ علیہ متوفی 337ھ جو عبیدی حکمرانوں کی طرف سے قیروان کے قاضی تھے۔ان کے پاس توہین رسالت کے مرتکب ایک یہودی کو پیش کیا گیا۔ وہ اسے دیکھ کر جذبات کو کنٹرول نہ کر سکے اور عدالت میں ہی اسے مکے مار مار کر جان سے مار دیا۔(سیر اعلام النبلاء جلد 11 صفحہ 580 طبع دار الفکر)

4۔ حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی 581ھ میں بیمار تھے۔انہوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا عطا فرمائی تو وہ آخری سانس تک افرنگیوں کے خلاف جہاد کریں گے اور بیت المقدس فتح کرنے کے لئے ہمت لڑا دیں گے اور پرنس ارناط صاحب کرک کو اپنے ہاتھوں سے قتل کریں گے کیونکہ اس نے عہد توڑا تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کی تھی۔ابن کثیر نے لکھا ہے کہ برنس ارناط نے مصر سے شام کی طرف جاتا ہوا مسلمان تاجروں کا ایک قافلہ لوٹا انہیں قتل کیا اور وہ قتل کرتے وقت کہہ رہا تھا کہاں ہیں تمہارے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انہیں بلاؤ وہ تمہاری مدد کریں۔583ھ میں پرنس ارناط زندہ پکڑا گیا۔

سلطان نے اسے دعوت اسلام دی، اس نے انکار کیا۔سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا ہاں میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کا بدلہ لینے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نائب بن کر آ گیا ہوں پھر تلوار مار کر اس کا سر قلم کیا اور ملوک کی طرف بھیجا اس نے توہین رسالت کی تھی میں نے اسے قتل کر دیا۔(البدایہ والنہایہ جلد نمبر 12 صفحہ 845، 851 دار المعرفۃ بیروت)

5۔ امام ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ نے اٹھارویں صدی ہجری کے حالات میں لکھا ہے:

منگولوں میں سے کچھ عیسائی بن گئے، ان کے پاس عیسائیوں اور منگولوں کے سردار آئے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں توہین کرنا شروع کر دی۔ وہاں ایک کتا بندھا ہوا تھا۔ جب اس گستاخ نے زیادہ گستاخی کی تو کتا اس پر جھپٹ پڑا اور اسے خراش لگا دیئے۔ پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے اسے کتے سے چھٹکارا دلوایا تو کسی نے ان میں سے کہا یہ کتے نے جو تجھے سزا دی ہے یہ حضرت محمد ﷺ کی جو تو نے توہین کی ہے، اس کا نتیجہ ہے۔ اس گستاخ نے کہا ہرگز ایسا نہیں ہے۔ اس کتے میں غرور بڑا ہے، اس نے مجھے اپنی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے پایا۔ اس نے گمان کیا شاید میں اسے مارنا چاہتا ہوں (تو اس لئے اس نے مجھ پر حملہ کر دیا) پھر وہ گستاخی کرنے اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹا اور کافی کچھ کہا۔ کتا دوبارہ جھپٹا اور اس گستاخ پادری کی گردن کو حلق کے نیچے سے پکڑا اور اس کا سر اتار دیا۔ وہ اسی وقت مر گیا۔ اس واقعہ کی وجہ سے تقریباً چالیس ہزار منگولوں نے کلمہ پڑھ لیا۔

(الدرر الکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنہ جلد نمبر 3 صفحہ 118، 129)

دیگر مذاہب وقوانین کی توہین پر سزائیں

ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی شان میں گستاخی اور توہین کرنا ایک ایسا جرم ہے کہ اسلام میں جس کی سزا موت قرار دی گئی ہے۔ پاکستان میں بھی یہی قانون نافذ ہے۔ دیگر اقوام کے لوگ اسلام کے اس قانون کو اپنے اندازِ فکر اور اپنے معیارات سے دیکھتے ہیں تو اسے ایک ظالمانہ اور انسانی بنیادی حقوق کے منافی قانون کہتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ کو مسلمانوں ہی کے زاویہ نظر سے دیکھیں۔ کسی بھی مذہب وقوم کے قانون کو اس کے اپنے معیارات اور تعلیمات کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے۔ مسلمان اپنے رسول ﷺ کو ہر چیز سے اعلیٰ وارفع مانتے ہیں۔ یہ ان کے ایمان کا تقاضا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ان کا ایمان سلامت نہیں رہتا۔ ذیل میں بطور مثال تین قانونی نصوص (Legal Texts) دی جا رہی ہیں جن سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایمان کے حوالے سے مسلمانوں کا اپنے رسول ﷺ سے کیسا تعلق ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے اور آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنی جان کے سوا باقی تمام چیزوں سے زیادہ آپ سے محبت کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''لَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْکَ مِنْ نَّفْسِکَ''

ترجمہ: نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جب تک تمہاری

جان سے بھی زیادہ میں تمہیں محبوب نہ ہو جاؤں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کی قسم! اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''الآنَ یَا عُمَرَ'' (ترجمہ: ہاں اب اے عمر)(1)

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَالِده وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ''(2)

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک میں اسے اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔

سنن نسائی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ مَالِه وَاَهْلِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ''(3)

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میری محبت اسے اپنے مال، اپنے اہل وعیال اور تمام انسانوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔

مسلمانوں کے ہاں اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کی اپنی جانوں، اپنے والدین، اپنی اولاد، اپنے اموال اور تمام انسانوں سے زیادہ عزیز ہیں۔ اگر ان چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی بھی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت پر غالب آ جاتی ہے تو مسلمان کا ایمان سلامت نہیں رہتا لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہر چیز سے مقدس و افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کا کسی چیز سے موازنہ یا برابری نہیں کی جا سکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام انسانوں میں منتخب و مصطفی (Choosen Person) ہیں۔

سنن ترمذی میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اِنَّ اللہَ اصْطَفٰی مِنْ وَلَدِاِبْرَاھِیْمَ اِسمعِیْلَ وَاصْطَفٰی مِنْ وَلَدِ اِسْمٰعِیْلَ بَنِیْ کِنَانَۃَ وَاصْطَفٰی مِنْ بَنِیْ کِنَانَۃَ قُرَیْشًا وَاصْطَفٰی مِنْ قُرَیْشٍ بَنِیْ ھَاشِمٍ وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ ھَاشِمٍ'' (4)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اولادِ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چن لیا۔ اولادِ حضرت اسماعیل علیہ السلام میں سے بنی کنانہ کو چن لیا۔ بنی کنانہ میں سے قریش کو چن لیا۔ قریش میں سے بنی ہاشم کو چن لیا اور بنی ہاشم میں سے مجھے چن لیا۔

جو چیز جتنی زیادہ مقدس اور اہم ہوتی ہے، اس کی حرمت بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے، اور اس حرمت کی پامالی وتوہین پر سزا بھی اتنی ہی زیادہ سخت دی جاتی ہ۔ اسی لئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کی سزا موت ہے۔ یہ سزا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو شارع (Law Giver) بھی تھے، کی طرف سے متعین ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مرضی ورضا ہوتی ہے۔

اس مضمون کا ہدف یہ ہے کہ یہ بات سامنے لائی جائے کہ دیگر مذاہب وقوانین اقوام میں بھی مذہب اور دیگر مقدس شعائر پر سزائے موت سمیت سخت سزائیں رہی ہیں اور ابھی تک ہیں جن اقوام نے جس چیز کو جتنا زیادہ مقدس اور حرمت والا سمجھا اس کی تقدیس و حرمت کی توہین پر اتنی ہی سخت سزا مقرر کی۔

ہندومت میں توہین مذہب پر سزائیں:

ہندودھرم میں مذہبی عقائد اور کتب وغیرہ کی مخالفت اور توہین پر کڑی سزائیں رکھی گئی ہیں۔

وید کی توہین کرنے والا کافر (ناستک):

ویدیں ہندومذہب میں سب سے زیادہ مقدس کتابیں مانی جاتی ہیں۔ ہندودھرم

کی مذہبی کتب ویدوں کی توہین اور تحقیر کرنے والے کو ''ناستک'' یعنی کافر قرار دیا گیا ہے۔ منوسمرتی کا قول ہے:

''ناستکو وید دنند کہ'' (5)

وید کے خلاف کتابوں کو ماننا کفر:

ہندو دھرم میں نہ صرف ویدوں کی تحقیر کرنے والا کافر ہے بلکہ ویدوں کے خلاف لکھی جانے والی کتب کو ماننا بھی کفر ہے۔ مشہور شری دیانند سرسوتی کہتے ہیں:

''جو جو گرنتھ وید سے وردھ ہیں، ان کا پرمان کرنا جانو ناستک ہونا ہے۔'' (6)

کافروں (ناستکوں) کی تباہی و بربادی اور جلاوطنی کا حکم:

ویدوں کی اہانت اور مخالفت کرنے والے کو صرف کافر قرار دینے پر ہی بس نہیں کی گئی بلکہ انہیں تباہ و برباد اور جلاوطن کرنے کا قانون بھی ہے۔ سوامی دیانند کی تعلیم ہے کہ جو شخص وید اور عابد لوگوں کی تصنیف شدہ کتابوں کی جو وید کے مطابق ہوں، تحقیر کرتا ہے اس وید کی مذمت کرنے والے منکر کو ذات پنگت (یکجا کرنے والوں کی جماعت) اور ملک سے نکال دینا چاہئے۔ (7)

''ستیارتھ پرکاش'' میں لکھا ہے کہ جو شخص وید اور علماء حق شعائر کی تصانیف بمطابق وید کی توہین کرے اسے قوم کے بزرگزیدہ حضرات اپنے حلقے سے خارج کر دیں۔ (8)

سوامی جی نے اپنی کتاب ''آریہ بھونے'' جو آریاؤں کی دعاؤں کی کتاب ہے، میں وید منتر نمبر 14 یعنی رگ وید 1-4-10-8 کا جو ہندی ترجمہ لکھا ہے، اس میں پرمیشور سے یوں دعا مانگی گئی ہے:

''جو ناستک، چور، ڈاکو......مورکھ......دیدودیا وِرودھی منشیہ...... ہیں، ان سب وشٹو کو آپ......(سمولان وناشیہ) مول شہت کر دیجئے۔''

ترجمہ: جو ناستک (منکر) ڈاکو، چور، جاہل......ویدوں کے علم کے مخالف انسان ہیں، ان سب بدذاتوں کو آپ (سمولان وناشیہ) جڑ بنیاد کے ساتھ تباہ و برباد کر دیجئے۔(9)

ویدک دھرم کے مخالفوں کو آگ میں زندہ جلا دو:

ویدک دھرم کے مخالفین کو زندہ رہنے کا حق بھی حاصل نہیں ہے۔ ویدوں میں لکھے حکم کے مطابق ویدک دھری راجہ کا فرض ہے کہ ویدک دھرم کے مخالفوں کو ہمیشہ تباہ و برباد کرے اوران کو آگ میں جلائے۔ یجر وید ادھیائے 13، منتر 12 میں سوامی جی نے پرمیشور کا حکم بزبان ہندی، ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

’’ہے تیبر وند ر دینے والے راج پرش دھرم کے دویشی شتروؤں کو نہر نتر وشا میں کر کے سوکھے کاشٹ کا سمان جلایئے۔‘‘

ترجمہ: اے سخت ڈنڈ دینے والے راج پرش (یعنی راجہ) آپ دھرم کے مخالف دشمنوں کو ہمیشہ (آگ میں) جلایئے۔ وہ جو ہمارے دشمنوں کو حوصلہ دیتا ہے، آپ اس کو الٹا لٹکا کر خشک لکڑی کی مانند جلایئے۔ (10)

وید کی توہین پر قتل کی سزا:

توہین وید کے مرتکب مجرم کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ ویدک وعن میں سوامی جی نے کہا ہے:

’’ویدک مارگو چھیدک اناچاریوں کو یتھا یوگیہ شاسن کرد (شیگھر ان پر ونڈ نپاتا کرد) جس سے اسے بھی شکشائیت ہو کے ششٹ ہوں اتھوا ان کا پرانانت ہو جائے کنو اہمارے وش میں ہی رہیں۔‘‘

ترجمہ: وید کے رستہ کے خلاف چلنے والے بدچلنوں کو جیسا کہ چاہئے سزا دو (جلد ان پر عذاب نازل کرو) جس سے وہ بھی تعلیم یافتہ ہو کر مہذب ہوں یا تو ان کا خاتمہ ہو جائے

(یعنی قتل ہو جائیں) یا ہمارے بس یعنی قابو میں رہیں۔(11)

منو کی تعلیمات میں شودر کے لئے وید سننا منع ہے۔اگر شودر در وید کی عبارت سن لے تو اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جائے گا۔اگر وہ وید کی عبارت کو دہرائے تو اس کی زبان کاٹ دی جائے گی اور اگر وہ وید کی کوئی عبارت یاد کرلے تو اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔(12)

برہمن کی توہین پر سزا:

ہندو مت میں انسانوں کو چار گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے: برہمن، کھشتری، ویش اور شودر۔برہمن سب سے اعلیٰ طبقہ ہے اور اسے مذہبی اجارہ داری حاصل ہے۔شودر سب سے کم درجے کا طبقہ ہے۔

انسانوں کو ان چار طبقات میں تقسیم کرنے کا ہندوؤں کا اپنا فلسفہ ہے۔اگر کوئی شودر کسی برہمن کے خلاف بُری بات کہے تو سزا کے طور پر شودر کی زبان کاٹ لی جائے گی۔(13)

منوسمرتی کے قانون میں یہ بھی ہے کہ اگر شودر کسی برہمن پر غرور سے تھوک دے تو راجہ اس کے دونوں ہونٹ کٹوا دے۔اگر وہ اس پر پیشاب کرے تو اس کی شرمگاہ کو قطع کروا دے۔جو ادنیٰ ترین ذات کا آدمی (شودر) اعلیٰ ذات کے آدمی (برہمن) کے برابر بے ادبی سے ایک ہی جگہ پر بیٹھ جائے تو اس کے پچھلے حصے پر نشان لگا کر راجہ یا تو اس کو ملک بدر کر دے یا اس کے سرین کٹوا دے۔اگر شودر غرور کے ساتھ برہمن کو اس کے فرائض کے متعلق ہدایت دے تو راجہ اس کے منہ اور کان میں جلتا ہوا تیل ڈالنے کا حکم دے۔(14)

مجسمہ مہاتما بدھ کی توہین پر سزائے موت:

چین کے فوجداری قانون کے مطابق بدھ مت کے بانی مہاتما بدھ کے مجسمے کی توہین کرنا جرم ہے۔اس جرم کا ارتکاب کرنے والے مجرم کو سزائے موت دی جاتی ہے۔ایسے ہی ایک مجرم کو عدالت کی طرف سے سزائے موت سنائی گئی اور اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

4/جون 1995ء کو وانگ ہونگ نامی شخص اور اس کا ساتھی صوبہ کی چوان کے ایک مندر میں چھپ گئے اور آدھی رات کے وقت آرمی کی مدد سے مہاتما بدھ کے مجسمہ کا سر کاٹ کر لے گئے۔ ملزم کو گرفتار کر لیا گیا۔ 29/مارچ کو جرم ثابت ہو جانے پر مذکورہ شخص کو سزائے موت سنائی گئی اور اس کا سر قلم کر دیا گیا۔(15)

اہل مغرب کے ہاں تصورِ توہین مذہب:

انگریزی زبان میں توہین مذہب وغیرہ کے لئے Blasphemy کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ ایک یونانی اصطلاح سے ماخوذ ہے جس کا مطلب Speaking Evil یعنی بری بات کہنا ہے۔ مسیحیت کی مذہبی روایات میں عقائد اور مقدس اقدار کے خلاف جرم کے لئے بولا جاتا ہے۔

ہالسبری لاز آف انگلینڈ (Halsbury Laws of England) میں لکھا ہے:

Blasphemy is an indictable offence at common law consisting in the publication of words attacking the Christian religion or the Bible so violent, scurrilous or ribald as to pass the limit of clecent controversy and tend to lead to a breach of peace. It is immaterial whether the words are spoken or written, if written they constitite a blasphemous libel. (16)

''بلاس فیمی'' ایک ایسا جرم ہے جو کسی ایسی شائع شدہ تحریر پر مشتمل ہو جس میں مسیحی مذہب یا بائبل کے بارے میں اس انداز سے سخت الفاظ، گندی گالیاں اور فحش زبان استعمال کی گئی ہو کہ بحث و اختلاف کے مذہبی طریقوں کی حدود پھلانگ دی جائیں اور اس

سے نقص امن کا اندیشہ پیدا ہو جائے۔ یہ بات غیر ضروری ہے کہ مسیحی مذہب اور بائبل کے بارے میں فحش الفاظ زبانی کہے جائیں یا لکھ کر کہے جائیں۔ اگر یہ لکھ کر ہوں تو ایسی تحریر توہین آمیز تحریر ہو گی۔

بلیک سٹون (Black Stone) نے ''بلاس فیمی'' کی تعریف یوں کی ہے:

Denying the being or providence of God, contumelious reproaches of our Sarious Christ, profane, scoffing at the Holly Scripture, or exposing it to contempt and redicule. (17)

خدا کی خدائی یا اس کے وجود کا انکار کرنا ہمارے نجات دہندہ یسوع مسیح کے بارے میں توہین آمیز، شرم ناک بات کہنا، مقدس بائبل کا تمسخر اڑانا اور اس کی بے حرمتی کرنا یا اسے توہین اور تمسخر کے انداز میں پیش کرنا۔

اس کے علاوہ تثلیث (The Holy Trinity) کے عقیدے کا انکار بھی بلاس فیمی میں شامل ہے۔ (18)

ان تعریفات سے پتہ چلتا ہے کہ خدا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، بائیبل، تثلیث اور مسیحی مذہب کی توہین مغربی قوانین میں ''بلاس فیمی'' ہے۔ ان قوانین میں توہین مذہب اس وقت جرم ہے جب اس سے نقص امن عامہ کا اندیشہ ہو۔

صرف مسیحی مذہب کی توہین جرم:

برطانیہ میں صرف مسیحی مذہب کی توہین جرم ہے۔ ہالسبری لاز آف انگلینڈ میں لکھا ہے کہ 1838ء میں R.V. Gathercole نامی مقدمہ میں عدالت نے اپنے فیصلہ میں یہ قرار دیا تھا کہ مسیحیت کے سوا کسی دوسرے مذہب پر حملہ توہین مذہب کا جرم نہیں ہے۔ (19)

برطانیہ میں انجلیکن مسیحی فرقہ کی توہین جرم:

برطانیہ میں نہ صرف مسیحی مذہب کی توہین جرم ہے بلکہ اس کے بھی صرف انجلیکل مسیحی فرقہ کی توہین جرم ہے۔ 1838ء میں R.V. Gathercole نامی مقدمہ میں عدالت نے اپنے فیصلہ میں یہ بھی قرار دیا تھا کہ انجلیکن فرقہ کے علاوہ کسی دوسرے مسیحی فرقہ پر حملہ بھی ''بلاس فیمی'' نہیں ہے۔ (20)

لہٰذا برطانوی قانون کی رو سے صرف مسیحی مذہب اور اس کے بھی صرف انجلیکن چرچ آف انگلینڈ کی توہین جرم ہے۔ کسی دوسرے مذہب یا کسی دوسرے مسیحی فرقہ کی توہین برطانوی قانون کے تحت قابل تعزیر جرم نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب برطانوی مسلمانوں نے ملعون سلمان رشدی کی کتاب Stanic Verses کے برطانیہ میں شائع ہونے پر اس کے خلاف لندن کی چیف میٹرو پولیٹن سٹریٹ کی عدالت میں درخواست دی تو عدالت متذکرہ کتاب کے طابع و ناشر پنگوئن اور وائکنگ کے خلاف دائر کی جانے والی یہ درخواست مسترد کر دی اور فیصلہ دیا کہ برطانوی قانون کے تحت صرف انجلیکن چرچ کا تحفظ ہوسکتا ہے اور برطانوی قانون کا اطلاق صرف مسیحی مذہب کی بے حرمتی پر ہوتا ہے۔ (21)

اس فیصلے کے خلاف برطانوی مسلمانوں نے بنچ آف لندن ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی۔ ہائی کورٹ نے یہ بھی اپیل اس بناء پر مسترد کر دی کہ ''بلاس فیمی'' قانون کا اطلاق صرف مسیحیت پر ہوتا ہے۔ (22)

برطانوی پارلیمنٹ اتنی تنگ نظر ہے کہ برطانیہ ہی کے غیر مسیحی باشندوں کے مذہب کا احترام ان کے ہاں قانونی جگہ پانے سے محروم ہے۔ اب اس روّیے کے خلاف مغرب میں آوازیں اٹھنا شروع ہوگئی ہیں۔ اس بات کا مطالبہ کیا جانے لگا ہے کہ مسیحیت

کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کے احترام کو بھی قانونی تحفظ دیا جائے۔ ایک برطانوی دانشور کلفورڈ لانگلے نے اس وقت کی وزیر اعظم مسز مارگریٹ تھیچر کو یہ تجویز پیش کی تھی کہ بانیانِ مذاہب جن میں سرفہرست حضرت مسیح اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم توہین کے خلاف ہتک عزت کا قانون مؤثر بہ راضی بنایا جائے۔ (23)

یورپ میں توہین مذہب کی سزا موت:

یورپ میں تحفظ مذہب سے متعلق قوانین کی تاریخ بتاتی ہے کہ سلطنت روما میں بادشاہ جسٹینن اوّل (Justinian-I) کے عہد حکومت (527ء تا 556ء) میں توہین مذہب کے مجرم کو سزائے موت دی جاتی تھی۔ (24)

برطانوی باشندے 597ء اور 687ء کے درمیانی عرصہ میں آہستہ آہستہ مسیحیت کی طرف مائل ہوئے اور انہوں نے اسے بطور مذہب قبول کیا۔ (25)

شروع شروع میں مذہب کا سیاست پر غلبہ تھا۔ چرچ کی ریاست پر حکمرانی تھی۔ چرچ اور حکومت کے درمیان کشمکش بھی ہوتی رہی جس میں ابتدا میں چرچ کو حکومت پر فتح حاصل رہی۔ ریاست کے حکمران کے مقابلے میں یورپ کے چرچ کا اقتدار اس قدر طاقت ور تھا کہ 1077ء میں شہنشاہ ہنری چہارم کو مجبوراً کنوسا کے قلعہ میں پوپ کے حضور حاضر ہونا پڑا۔ چنانچہ وہ نہایت ذلت کے ساتھ حاضر ہوا۔ پوپ نے بڑی مشکل سے لوگوں کی سفارش پر بادشاہ کو اپنے سامنے کھڑا ہونے کی اجازت دی۔ شہنشاہ ننگے پاؤں اور اون پہنے آیا اور پوپ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ پوپ نے اس کی غلطی کو معاف کر دیا۔ (26)

بعد میں چرچ اور حکومت کی لڑائی میں کبھی پوپ کو فتح ہوتی اور کبھی حکومت فتح یاب ہوتی۔ اس مسلسل آویزش کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت چرچ کے مقابلے میں مکمل طور پر فاتح رہی اور حکومت نے چرچ کو ریاستی معاملات سے نکال باہر کیا۔

جب چرچ کو حکومت پر غلبہ و طاقت حاصل تھی تو کسی شخص کو مذہب اور چرچ کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں تھی۔ جو کوئی مذہب اور چرچ کی توہین کا ارتکاب کر بیٹھتا تو اسے سزائے موت دی جاتی تھی۔ مسیحیت سے اختلاف رکھنے والوں کا خون مباح تھا۔ ارباب کلیسا کے نام پر ان کی جائیدادیں ضبط کر لی جاتی تھیں۔ ایسی عدالتیں قائم کی گئیں جو ان ''مرتدوں'' کو سزائیں دیتی تھیں جو شہروں، گھروں، تہہ خانوں، جنگلوں، غاروں اور کھیتوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان عدالتوں نے مسیحی عقائد سے اختلاف رکھنے والے جن لوگوں کو سزا دی ان کی تعداد تین لاکھ سے بھی زیادہ بیان کی جاتی ہے اور 32 ہزار افراد کو آگ میں جلا دیا۔(27)

1553ء میں ملکہ الزبتھ کے عہد میں سب سے پہلے پروٹسٹنٹ کلیسائی قانون میں توہین مذہب سے متعلق ایک دفعہ کا اضافہ کیا گیا۔ اسی ملکہ کے دور حکومت میں پانچ یا چھ ایسے افراد جو مسیحیت اور یسوع مسیح کے بارے میں کفریہ عقائد رکھتے تھے، انہیں زندہ جلا دیا گیا۔(28)

ایک نامور طبیب اور طبیعات دان سویٹس (Sevetus) بھی اسی عہد میں الحاد کے الزام میں زندہ جلا دیا گیا۔(29)

سولہویں صدی عیسوی میں ایک دلچسپ اور عجیب مقدمہ ایک پادری فرنک ڈیوڈ (Ferenc David) کا ہے جو ٹرانسلووینیا شہر کے یونیٹیرین چرچ (Unitarian Church) سربراہ تھا۔ اس پر الزام تھا کہ وہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ مسیحیوں کو یسوع مسیح کی عبادت نہیں کرنی چاہئے۔ اسے 1579ء میں عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ طبیعات کے سائنس دان برونو (Giordano Brunoe) کو 1600ء میں زندہ جلا دیا گیا تھا۔ روم کے کلیسا کے نزدیک اس کا جرم یہ تھا کہ وہ مذہبی عقائد کے برخلاف اس زمین کے علاوہ دوسری دنیاؤں کا بھی قائل تھا اور وہ کافرانہ عقائد رکھتا تھا۔ (30)

مشہور طبیعی عالم گلیلیو (Galilio) کو بھی مسیحی عقائد سے اختلاف کرنے کے جرم میں موت کی سزا دی گئی۔ وہ سورج کے گرد زمین کے گھومنے کا قائل تھا۔(31)

1656ء میں ایک مسیحی فرقہ (The Society of Friends) جس کے ارکان کوئیکر (Quaker) کہلاتے تھے، اس فرقہ کے رہنما جیمز نیلر (James Naylar) پر یہ الزام تھا کہ وہ خود کو یسوع مسیح کہتا تھا۔ اس جرم میں اسے انتہائی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اسے قید کر دیا گیا۔ اسے آہنی شکنجوں سے کس کر باندھا گیا اور بے تحاشا کوڑے برسائے گئے۔ ان کی زبان میں سوراخ کئے گئے۔(32)

جان بڈل (John Biddle) میں ایک مسیحی فرقہ کا بانی تھا۔ اسے توہین مذہب اور کفریہ عقائد رکھنے کے جرم میں قید کر دیا گیا۔ وہ 1662ء میں جیل ہی میں وفات پا گیا۔(33)

1676ء میں ایک کسان جان ٹیلر پر توہین مذہب اور توہین یسوع مسیح کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ججوں کے ایک بنچ نے یہ مقدمہ سنا۔ اس مقدمہ نے برطانوی عدالتوں کے اختیارات کو وسعت دی۔ اس سے پہلے ''بلاس فیمی'' کے مقدمات میں سزا دینا صرف مذہبی عدالتوں کے اختیار میں تھا۔ اب یہ اختیار عام عدالتوں کو بھی مل گیا۔ چیف جسٹس میتھیو (Mathew Hale) نے اس مقدمہ کے فیصلہ میں لکھا کہ صرف مذہبی عدالتیں ہی توہین مذہب کے مرتکبین کو سزا نہیں دے سکتیں بلکہ ملک کی دوسری عدالتوں کو بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ایسے مقدمات سنیں اور سزائیں دیں۔ اس نے فیصلے میں لکھا:

"......that the secular Courts had jusrisdiction of blasphemy and could punish blasphermus, because Christianity is part of the law of land and the State has to prevent dissolution of Government and religion."(34)

لادینی عدالتوں کو بھی توہین مذہب کے مقدمات میں اختیارات سماعت حاصل ہیں اور وہ توہین مذہب کے مرتکبین کو سزا دے سکتی ہیں۔ اس لئے کہ میسحیت ملکی قانون کا حصہ ہے اور ریاست پر لازم ہے کہ وہ حکومت اور مذہب کو تباہ ہونے سے بچائے۔

1729ء میں کورٹ آف ایکس چیکر (Court of Exchequera) نے یہ قرار دیا کہ یسوع مسیح کے کردار، یسوع مسیح کی تعلیمات اور بائیبل کے خلاف بات کرنا اور ان پر تنقید کرنا جرم ہے۔(35)

1812ء میں لندن کے مضافاتی علاقے کے ایک کتب فروش ڈینیل آئزک کو آہنی شکنجے میں کس دینے اور اٹھارہ ماہ کی سزا کا حکم سنایا گیا۔ اس پر الزام تھا کہ اس نے بائیبل کی کہانیوں پر تنقید کو شائع کیا تھا۔ اس مقدمے کے فیصلے میں عدالت نے لکھا:

"......the Christian religion is the law of land, and must be protected as the law."(36)

میسحی مذہب ملکی قانون ہے اور ملکی قانون کی طرح اس کا تحفظ بھی ضروری ہے۔

برطانوی بادشاہ ولیم سوم (King William III) کے زمانہ میں ایک قانون منظور کیا گیا جس کا نام یہ تھا: An act for the more effectual suppression of Blasphemy and profanencess اس قانون کے تحت میسحیت کے بنیادی عقائد اور اصولوں سے اختلاف کرنا، میسحیت کو سچا مذہب تسلیم کرنے سے انکار کرنا، قدیم اور نئے عہد ناموں کو سچا نہ ماننا، خدا کی توہین کرنا اور ریاست کے امن کو تباہ کرنا جرم قرار دیا گیا تھا۔ اس قانون میں یہ لکھا تھا کہ اگر کوئی شخص ان جرائم میں سے کسی جرم کا پہلی مرتبہ ارتکاب کرے گا تو عدالت میں مقدمہ کرنے، دفاع کرنے، پیش ہونے یا کسی اور اقدام کے حق سے محروم کر دیا جائے گا اور اسے تین سال قید کی سزا بھی دی جائے گی۔(37)

مغرب میں چرچ جوں جوں کمزور ہوتا گیا اور ریاست کے اختیارات بڑھتے گئے، توں توں مذہب کے تحفظ میں کمی ہوتی چلی گئی۔ آزادیٔ اظہارِ رائے کے نعرے نے مذہبی عقائد کی اہمیت کم کی۔ ٹائن بی (Tyne B) نے لکھا ہے کہ شاہ ایڈورڈ چہارم کی دوسری کتاب عبادت میں یہ دعا کی گئی تھی کہ ہمیں اس بشپ سے نجات دلائے۔ اس دعا میں بشپ کے بارے میں برے الفاظ استعمال کئے گئے تھے، جن کا ذکر ٹائن بی نے کیا ہے لیکن اس مضمون میں وہ الفاظ حذف کئے جا رہے ہیں۔ ملکہ الزبتھ کے عہد میں جو کتاب تیار ہوئی اس میں یہ تکلیف دہ دعا حذف کردی گئی تھی لیکن اصل جذبۂ نفرت بدستور باقی رہا۔(38)

یورپ میں چرچ کے زوال کے اسباب کچھ بھی ہوں لیکن چرچ اور پادریوں کے خلاف ردِّعمل کے طور پر مغرب میں فرد کی آزادی کو بے لگام اور انتہا تک پہنچا دیا گیا۔ اظہار رائے کی آزادی ایک مقدس چیز ٹھہری۔ آج وہاں توہین مذہب اس وقت قابلِ تعزیر جرم بنتا ہے جب اس سے امن عامہ کو کوئی خطرہ لاحق ہو۔ اگر مذہب کی توہین سے امن عامہ قائم رہتا ہے تو برطانیہ کا قانون حرکت میں نہیں آتا۔ آج وہاں اظہارِ رائے کی آزادی کا حق اتنا طاقتور ہو چکا ہے کہ کوئی شخص بھی مذہبی بنیادی عقیدہ سے متعلق اپنی رائے دے سکتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس کا انداز فحش نہ ہو اور وہ معاشرے کے امن کو نقصان نہ پہنچائے۔

1883ء میں برطانیہ کے لارڈ چیف نے یہ فیصلہ دیا کہ آزادی اظہار ہر قسم کی قانونی کارروائی سے مستثنیٰ ہے، یہاں تک کہ مسیحیت کے بنیادی عقائد پر تنقید بھی قانون کی گرفت سے باہر ہے۔(39)

لارڈ چیف جسٹس کے اس فیصلہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ مغرب میں مذہب کی تقدیس کا جو تھوڑا بہت بھرم قائم تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ اظہارِ رائے اور پریس کی آزادی کے نام پر

مذہب کے تقدس کی دھجیاں بکھیری جانے لگیں۔

اب مغرب کے لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ مسیحیت کو کسی قانونی تحفظ کی ضرورت نہیں ہے۔ مسیحی مذہب تعزیری سزاؤں کے بغیر زندہ رہنے کے قابل ہیں۔ خدا اپنی عزت کا تحفظ خود کر سکتا ہے۔ وہ اپنی حفاظت کے لئے ہر قانون بناتے ہیں لیکن مذہب کی حفاظت کے لئے کسی قانون کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ فرد کی آزادی اور مذہب کے تحفظ سے متعلق یہ مغربی نظریہ انسانی فطرت کے اتنا خلاف تھا کہ آج فرد کی ہر خواہش کی تکمیل کی آزادی اور بنیادی حق قرار دیا جاتا ہے۔ مغرب کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہاں کوئی چیز بھی مقدس نہیں رہی۔ مارٹن سکارسیر نے "The Last Temptation of Christ" (مسیح کی آخری آزمائش) نامی ایک فلم بنائی۔ لاانجلز فلم ٹیچرز ایسوسی ایشن نے اس فلم کو پیش کرنے پر پروڈیوسر کو ایوارڈ سے نوازا۔ مارٹن نے کہا کہ اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا بلکہ مسیح کی زندگی کے عام انسانی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ اس فلم میں پروڈیوسر نے مسیح اور مریم مگدلینی کے جنسی مراسم اور عریاں مناظر پیش کئے تھے۔ (40)

1883ء میں لارڈ چیف جسٹس اظہار رائے اور پریس کی آزادی کو مذہب پر مقدم کرنے کا جو فیصلہ دیا تھا اس کے اثرات بعد میں تمام مقدمات پر پڑے اور یہ فیصلہ بطور نظیر (Precedent) خوب استعمال ہوا۔ اب مغرب میں مذہب کے تحفظ سے زیادہ پریس کی آزادی کو تحفظ حاصل ہے اور مذہب کی سالمیت سے زیادہ معاشرے کے امن وامان کو قانونی ضمانت حاصل ہے۔ توہین مذہب کے مقدمات میں اب اگر کوئی سزا دی جاتی ہے تو وہ بہت معمولی۔ برطانوی قانون کے مطابق ''بلاس فیمی'' کا جرم کرنے پر مجرم کو سزا دینے میں عدالت صوابدیدی اختیارات رکھتی ہے۔ وہ چاہے تو مجرم کو قید کی سزا دے یا اسے جرمانہ کی سزا دے اور سزا کی مقدار کا تعین بھی عدالت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ (41)

1911ء میں ایک شخص ہیری بٹلر کو تین ماہ قید سنائی گئی۔ چیف کمشنر آف پولیس

نے فیصلہ میں لکھا کہ ملزم کوتوہین مذہب کی بنا پر سزا نہیں دی گئی بلکہ اس لئے سزا دی ہے کہ اس کے اقدام سے امن عامہ کوخطرہ لاحق ہو گیا تھا۔(42)

1912ء میں سٹیورٹ اور ولیم گوٹ نامی دوافراد کوتوہین مذہب کے جرم میں بالترتیب تین اور چاہ ماہ کی سزائیں سنائی گئیں۔اس مقدمے کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے برطانیہ کے ہوم سیکرٹری نے ہاؤس آف کامن میں کہا تھا کہ ان مجرموں کو اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لئے جارحانہ انداز اختیار کرنے کی بنا پر سزا دی گئی ہے کیونکہ مجرم یہ جانتے تھے کہ ان کے اس جارحانہ انداز سے امن عامہ میں نقص پیدا ہوسکتا ہے۔(43)

توہینِ مسیح ،توہینِ تثلیث اورتوہینِ مذہب پر سزائے موت:

سکاٹ لینڈ پارلیمنٹ میں 1661ءاور 1695ء میں منظور کئے جانے والے قوانین کے تحت توہین مسیح اور توہین مذہب وغیرہ کی سزا موت تھی۔ان قوانین کے تحت ’’بلاس فیمی‘‘ کے جرم میں سزائے موت پانے والے آخری مجرم کا نام ’’تھامس ایکن ہیڈ‘‘ تھا۔یہ ایک طالب علم تھا جسے 1696ء میں سزائے موت دی گئی تھی۔بعد میں ’’بلاس فیمی‘‘ جرم پر موت کی سزا کا قانون ختم کر دیا گیا اور مجرموں کو صرف جرمانہ اور قید کی سزائیں دی جانے لگیں۔دوسری مرتبہ ارتکابِ جرم پر مجرم کو کوڑے بھی مارے جاتے۔بعد میں کوڑے مارنے کی سزا بھی ختم کر دی گئی اور توہین مذہب کے مجرم کو جرمانہ اور قید کی سزا کا قانون نافذ کر دیا گیا۔(44)

جرمنی کے قوانین میں بلاس فیمی کے مجرم کو ایک سے تین دن تک قید کی سزا ہے۔ اس میں بھی یہ ضروری ہے کہ مجرم نے توہین مذہب کا ارتکاب سرِ عام کیا اور انداز فحش اور بے ہودہ ہو۔(45)

آسٹریا میں چھ ماہ سے دس سال تک قید کی سزا دی جاتی ہے۔(46)

ماضی میں امریکہ میں بھی توہین مذہب کا مجرم سزائے موت پاتا تھا۔ مثلاً امریکی ریاست ورجینیا میں سترھویں صدی میں یسوع مسیح اور تثلیث کی توہین پر سزائے موت کا قانون نافذ تھا۔ یہ قانون 1611ء میں بنا۔ برطانیہ کی طرح امریکہ میں بھی صرف مسیحیت ہی کو قانونی تحفظ حاصل ہے۔ 1811ء میں نیویارک کے ایک مقدمہ People V. Ruggles میں عدالت نے قرار دیا تھا کہ امریکہ میں صرف مسیحی مذہب کو تحفظ حاصل ہے اور صرف مسیحی مذہب کی توہین کرنے والا جرم کا مرتکب ٹھہرے گا۔(47)

مغربی معاشرہ جس طرح مذہب سے دور ہوتا چلا جا رہا تھا اس کا اظہار عدالتی فیصلوں سے بھی ہوا۔ 1825ء میں مسٹر جیفرسن نے قرار دیا تھا کہ مسیحیت ملکی قانون کا حصہ نہیں ہے اور مذہب یا لادینیت دونوں ہی حکومت کے دائرۂ کار سے تعلق نہیں رکھتے۔(48)

برطانیہ کے لارڈ چیف جسٹس نے پریس کی آزادی کو مذہب پر مقدمہ کرنے کا جو فیصلہ 1883ء میں دیا تھا اس کے اثرات امریکی معاشرہ پر بھی پڑے۔ بلاس فیمی کے تمام مجرموں نے اس فیصلے کی رعایت سے فائدہ اٹھایا اور انہیں سخت سزائیں نہ دی گئیں۔ امریکی معاشرہ میں مذہب کا رتبہ اور فرد اور مذہب کے باہمی تعلقات میں ریاست کے کردار کی کیا نوعیت ہے۔ اس کی تشریح امریکی سپریم کورٹ نے ایک مقدمہ Abington School District V. Schempp. 1963 میں یوں کی ہے۔

The place of religion in our society is an exalted one, achieved through a long tradition of reliance on the home, the Church and the inviolatable citadel of the individual heart and mind. We have come

to recognize through bitter experience that it is not within the power of government to invade that citadel...... In that relationship between man and religion, the State is firmly committed to a position of neutrality.(49)

ہمارے معاشرے میں مذہب کا مقام بڑا واضح ہے۔ جو ملک اور چرچ اور ہر فرد کے دل ودماغ کے مضبوط حصار پر اعتماد کی ایک طویل روایت سے حاصل ہوا ہے۔ ہم اپنے تلخ تجربات کے نتیجے میں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس مضبوط حصار پر حملہ آور ہونا حکومت کے اختیارات میں شامل نہیں۔ انسان اور مذہب کے باہمی تعلقات میں ریاست اپنے غیر جانبدارانہ کردار پر مضبوطی سے قائم رہے گی۔

مارچ 2011ء میں جب امریکی ریاست فلوریڈا میں ایک پادری نے قرآن مجید کو جلا ڈالنے کی ناپاک حرکت کی تو اس کے خلاف دنیا بھر کے مسلمانوں نے بھرپور احتجاج کیا۔ اس موقع پر پاکستان میں امریکی سفیر کیمرون منٹر نے جو بیان دیا، اس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امریکہ میں مذہب کے بارے میں وہاں کی پالیسی کیا ہے۔ کیمرون نے کہا ''یہ چند لوگوں کا انفرادی فعل ہے جو امریکی روایات کے منافی ہے اور یہ افسوس ناک واقعہ اسلام کے لئے امریکی عوام کے احترام پر مبنی جذبات کی عکاسی نہیں کرتا۔ کسی بھی کتاب کو جان بوجھ کر تباہ کرنا ایک نفرت انگیز عمل ہے۔ مذہب اور اظہارِ رائے کی آزادی کے لئے امریکی عزم ہمارے مسلک کے قیام کے وقت سے ہے اور یہ آئین میں ہے۔ ہم کسی بھی صورت میں مذہبی عدم رواداری کو مسترد کرتے ہیں۔''(50)

اب صورت حال یہ ہے کہ امریکی عدالتوں میں توہین مذہب کا کوئی مقدمہ دائر نہیں ہوتا۔ یورپ کی طرح امریکی عوام نے بھی یہ یقین کرلیا ہے کہ خدا مسیح اور مسیحیت کے

تحفظ کے لئے قانون کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی خدا اور یسوع مسیح ایسے تحفظات کے محتاج ہیں۔ اگرچہ یورپ کی طرح امریکہ کا قانون بھی توہین مذہب کے مجرموں کے لئے ماضی کی نسبت بہت سخت نہیں رہا، اس کے باوجود امریکی عوام مسیحیت، یسوع مسیح، صلیب اور بائیبل وغیرہ کی توہین وتضحیک پر اپنے غم وغصہ کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے مذہب کی توہین و ہتک برداشت نہیں کرتے۔ ذیل میں چند واقعات بطور مثال ذکر کئے جاتے ہیں۔ ان سے یہ بھی انداز ہو جاتا ہے کہ مغرب میں آزادئ اظہارِ رائے کے نام سے کس طرح مذہب اور اس کے شعائر کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔

1988ء میں "The Last Temptation of Christ" (مسیح کی آخری آزمائش) نامی ایک فلم امریکی سینماؤں میں پیش کی گئی۔ اس میں مسیح اور مریم مگدلینی کے جنسی مراسم اور عریاں مناظر پیش کئے گئے اور دکھایا گیا کہ یسوع مسیح نے صلیب پر جان نہیں دی تھی بلکہ انہوں نے شادی کی اور ایک بھرپور زندگی گزاری تھی۔ مسیح اور مریم مگدلینی کے جنسی تعلقات اور عریاں مناظر تو شائد امریکی عوام کے نزدیک قابل اعتراض نہ ہوں لیکن یسوع مسیح کا صلیب پر جان نہ دینا اور اس کا شادی کرنا اس فلم کے مناظر میں شامل تھا۔ ایسے مناظر مسیحی عقائد کے خلاف تھے لہٰذا اس فلم کے خلاف عوامی ردعمل سامنے آیا۔ پورے امریکہ میں اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ جن سینماؤں میں یہ فلم نمائش کے لئے پیش کی گئی تھی، ان کا گھیراؤ کیا گیا اور دائمی بائیکاٹ کرنے کی دھمکیاں دی گئیں۔ (51)

مشہور امریکی گلوکارہ میڈونا پر ایک گانا "Like a prayer" فلمایا گیا۔ اس میں چرچ اور صلیب جیسے مسیحی شعائر کے تقدس کے منافی بعض مناظر فلم بند کئے گئے تھے۔ جب یہ گانا مارکیٹ میں آیا تو اس کی مخالفت کی گئی۔ میڈونا کو عوامی غیظ وغضب کا سامنا کرنا پڑا۔ مشروبات کی ایک کمپنی میڈونا کو اپنے ٹیلی ویژن کے اشتہارات میں بطور ماڈل دکھایا

کرتی تھی، اس کمپنی پر عوام اور مختلف اداروں کی طرف سے اس قدر دباؤ ڈالا گیا کہ کمپنی نے میڈونا کو اپنے اشتہارات میں بطور ماڈل دکھانا بند کر دیا۔ (52)

مارچ 1993ء میں امریکی ریاست ٹیکساس کے ایک شخص ڈیوڈ کوریش نے خود کو یسوع مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس خود ساختہ مسیح کے خلاف ریاستی پولیس نے مسلح کارروائی کی۔(53)

ٹیکساس ہی میں اسی سال واکو شہر کے قریب ایک اور شخص نے یسوع مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کا نام ورنن ہاول تھا اور ''ڈیویڈین'' نامی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس جھوٹے یسوع کے خلاف بھی پولیس نے کارروائی کی۔ ایک زبردست پولیس مقابلے میں چار وفاقی سرکاری ایجنٹوں سمیت چھ افراد مارے گئے۔(54)

پاکستان کے بہترین ہمسایہ ملک چین میں اظہارِ رائے کے حق سے متعلق ان کا اپنا قانون ہے لیکن احترام مذہب کے حوالے سے حق اظہار رائے کے غلط استعمال پر چینی حکومت راست اقدام کرتی ہے۔ چین میں دو افراد کے لئے (Ke Le) اور سانگ یا (Sang Ya) نے ایک کتاب ''جنسی عادات'' لکھی۔ اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا وہ سب کا سب یورپ اور امریکہ کے ان رسالوں اور کتابوں سے نقل کیا گیا تھا جنہیں لکھنے والے یہودی اسلام دشمن کمیونسٹ اور دہریے تھے۔ اس کتاب میں حج، نماز، مساجد اور دیگر اسلامی عبادات وشعائر کو جنس کا رنگ دے کر جسمانی تلذذ کا ذریعہ بنایا گیا۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ مارچ 1988ء میں شنگھائی کلچرل پبلشنگ ہاؤس نے شائع کی۔ لیکن عام طور پر مسلمانوں کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ زوانگ پبلشنگ ہاؤس نے اسے دوبارہ شائع کیا۔ مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ چینی مسلمانوں کا پہلا مظاہرہ اپریل 1988ء کے وسط میں گانسو صوبے میں ہوا۔ تیان من چوک میں مسلم خواتین نے مظاہرہ کیا جو حجاب میں تھیں اور اللہ اکبر کے نعرے لگا رہی تھیں۔ 12 مئی 1988ء کو ظہر کے بعد صوبہ گانسو کے شہر لانز

راڈ کے مرکزی چوک میں دس ہزار سے زیادہ مسلمانوں نے مظاہرہ کیا۔ ان مظاہرین کی اکثریت نوجوان طلباء و طالبات پر مشتمل تھی۔ چینی حکومت نے اس بات کا سختی سے نوٹس لیا۔ لانزہاؤس میں پارٹی کے ڈپٹی سیکرٹری لی کی جان نے عید الفطر (8 مئی 1988ء) کے فوراً بعد مسلمان لیڈروں سے گفت وشنید کی اور باقاعدہ اظہارِ تاسف کے بعد معافی مانگی۔ اس کتاب کی ترسیل اور فروخت روک دی گئی، کتاب کو ضبط کر لیا گیا۔ یہ اعلان کیا گیا کہ مسلمانوں کے مطالبے کے مطابق تمام نسخوں کو جمع کر کے نذرِ آتش کر دیا جائے گا۔ آئندہ سے اس کتاب کا رکھنا جرم قرار دیا گیا۔ ضبطی کے احکام میں لکھا گیا کہ یہ کتاب پبلیکیشن کے قوانین اور مذہب کے سلسلے میں حکومت چین کی پالیسی کے منافی ہے۔(55)0

ریاست سے غداری کی سزا موت:

موجودہ زمانے میں ریاست انسانی معاشرے کا سب سے زیادہ با اختیار ادارہ بن چکا ہے۔ ریاست کی حاکمیت اعلیٰ کا انکار اور اس سے عدم وفاداری ریاست کی توہین کے مترادف ہے جسے سیاسی اصطلاح میں ریاست سے غداری کہا جاتا ہے۔ دنیا کے ہر دستور میں ریاست سے وفاداری ہر شہری کا بنیادی فرض قرار دیا گیا ہے اور ریاست سے غداری کی سزا موت ہے۔ مثلاً برطانیہ میں غداری سے متعلق جتنے بھی قوانین آج نافذ ہیں، جن کے تحت ریاست سے غداری کی سزا پھانسی پر لٹکا دینا ہے وہ سب 1795، 1702، Treason Acts 1352 پر انحصار کرتے ہیں۔ بعد میں ان قوانین میں Law Commission 1977 کے اصلاحات بھی کی گئیں۔(56)

امریکہ میں 1790ء کے ایکٹ کے تحت بغاوت کی سزا پھانسی تھی، لیکن خانہ جنگی (Civil War) کے بعد اس میں ترمیم کر کے صرف موت کی سزا رکھی گئی۔ اس کے ساتھ ہی عدالتوں کو یہ صوابدیدی اختیار دے دیا گیا کہ وہ مجرموں کو موت کے بجائے قید

بامشقت کی سزا دے دیں جو پانچ سال سے کم نہ ہو اور جرمانہ کی سزا دیں۔(57)

سربراہ مملکت کی توہین پر سزائے موت:

کئی ممالک کے دساتیر میں یہ ہے کہ مملکت کے سربراہ کی توہین کرنا ایک ایسا جرم ہے جس کی سزا موت ہے۔ ہلبری لاز آف انگلینڈ (Halsbury's Laws of England) میں ہے کہ برطانیہ کے بادشاہ اس کے تحت وارث بڑے بیٹے اور ملکہ کو غداری سے متعلق قانون (Law of Trdason) کے تحت تحفظ حاصل ہے۔ بادشاہ سے جنگ کرنا، اس کے دشمنوں کی مدد کرنا، بادشاہ، ملکہ اور اس کے بڑے بیٹے اور وارث کی موت کا باعث بننے کو غداری کا جرم قرار دیا گیا ہے۔ برطانوی قانون میں غداری کی سزا موت ہے۔(58)

عراق میں 1982ء کے ایک قانون کے تحت صدر اور اعلیٰ سرکاری حکام کی شان میں گستاخی کرنے والے کسی بھی شخص کو موت کی سزا دی جاسکتی ہے۔ عراقی آئین کے آرٹیکل 206 کے تحت جن بارہ موضوعات پر لکھنا قطعی ممنوع ہے، ان میں صدر عراق کی ذات سرفہرست ہے۔(59)

سویڈن کے دستور کے آرٹیکل 55 اور نیدرلینڈ کے دستور کے آرٹیکل 3 کے تحت بادشاہ کو ایک مقدس شخصیت قرار دیا گیا ہے۔ بادشاہ یا کسی دوسرے شاہی فرد کی اہانت قابل تعزیر جرم ہے۔ بادشاہ کا کوئی بھی اقدام ہر قسم کی قانونی چارہ جوئی سے بالاتر ہے۔(60)

اسی طرح سپین کے دستور کے آرٹیکل 8 کے تحت سپینی بادشاہ کو مقدس کہا گیا ہے اور تمام سپینی باشندوں پر اس کی عزت کرنا لازم ہے۔(61)

آئین کی توہین پر سزائے موت:

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین منسوخ کرنے یا منسوخ کرنے کی کوشش یا سازش تیار کرنے، اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے یا ایسا کرنے کی کوشش یا سازش تیار کرنے کیلئے غیر دستوری طریقے سے طاقت کا استعمال کرنے یا طاقت کا مظاہرہ کرنے کا اقدام غداری قرار دیا گیا ہے اور ان تمام کاموں کی مدد و اعانت بھی جرم غداری ہے۔ آئین پاکستان 1973ء کے آرٹیکل 6 کے الفاظ یوں ہیں:

6. High Treason······(1) Any Person who abrogates or attempts or conspires to abrogates, subverts or attempts or conspires to subvert the Constitution by use of force or show of force or by other unconstitutional means shall be guilty of high treason.

(2) Any person aiding or abetting the acts mentioned in clause (1) shall likewise be guilty of high treason.

(3) [Majlis-e-Shoora(Parliament)] shall by law provide for the punishment of persons found guilty of high treason.

عدالت کی توہین پر سزا:

دنیا کے تمام ممالک میں عدالتوں کو دستوری و قانونی تحفظ حاصل ہے اور عدالت

کی توہین قابل تعزیر جرم ہے۔ برطانیہ کے قانون توہین عدالت (Contempt of Court Act 1981) کی دفعہ 14 کے تحت توہین عدالت کے مرتکب کو زیادہ سے زیادہ دوسال تک قید کی سزا اور پانچ سوڈالر تک جرمانہ ہوسکتا ہے۔ (62)

امریکی قانون کے تحت عدالت کا جج توہین عدالت کے مرتکب کو کمرۂ عدالت میں موقع پر ہی سزا سنانے کے وسیع اختیارات رکھتا ہے۔ (63)

بھارتی دستور کے آرٹیکل (142(2 کے تحت سپریم کورٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ توہین عدالت کے مرتکب کو سزا دے۔ پاکستانی آئین کے آرٹیکل 204 کی رو سے سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس کو اختیارات حاصل ہیں کہ وہ عدالت کی توہین کرنے والے شخص کو سزا دیں۔ ''ریاست بنام مجیب الرحمن شامی وغیرہ'' مقدمہ میں لاہور ہائی کورٹ نے یہ قرار دیا کہ عدالت کی توہین ریاست کے خلاف ایک جرم ہے۔ (64)

ہتک عزت قابل تعزیر جرم:

ہر مذہب اور معاشرے میں انسان کی ذاتی عزت ایک محترم چیز ہوتی ہے۔ اسے قانونی تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ ہر انسان کا یہ حق ہے کہ اس کی ذات کا احترام کیا جائے اور اس کی توہین نہ ہو۔ ہر مسلک کا آئین اپنے شہریوں کو یہ حق عطا کرتا ہے۔ ہتک عزت کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف تعزیراتی قوانین موجود ہوتے ہیں۔ ہتک عزت کے مرتکب کا فعل متاثرہ شخص کے لئے موجب اذیت ہوتا ہے۔ اس فعل کے اذیت ناک ہونے کا انحصار معاشرے کے عرف اور عادات اور متاثرہ شخص کی معاشرتی حیثیت پر ہوتا ہے۔ جو شخص جتنی زیادہ معاشرتی حیثیت اور مقام و مرتبہ رکھتا ہے اس کے خلاف ہتک عزت کا فعل اتنا ہی زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے۔ متاثرہ شخص کو جتنی زیادہ اذیت اور اس کے معاشرتی وقار کو نقصان پہنچا ہو مجرم کو اتنی ہی زیادہ سخت سزا دینے کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

برطانوی قانون میں ہتک عزت کی تعریف یوں کی گئی ہیں:

A statement is defamatory of the person of whom it is published if it tends to lower him in the estimation of right thinking members of society or if it exposes him to public arted, contempt or ridicule or if it causes him to be shunned or avoided.(65)

کسی شخص کے بارے میں شائع ہونے والا ایسا ہر بیان توہین آمیز ہے جو اسے معاشرے کے سلیم سوچ رکھنے والے افراد کی نظروں سے گرادے، یا اس کے باعث اسے عوامی نفرت، حقارت اور تمسخر کا سامنا کرنا پڑے یا ایسا بیان عوام کی جانب سے اسے نظر انداز کئے جانے کا باعث بنے۔

برطانیہ کا قانون نہ صرف زندہ بلکہ فوت شدہ شخص کی ہتک عزت کو بھی جرم قرار دیتا ہے۔ ہلسبری لاز آف انگلینڈ میں لکھا ہے کہ کسی مردہ شخص کے بارے میں ایسی توہین آمیز تحریر کے خلاف فوجداری کارروائی ہوسکتی ہے جو اس ادارے یا ممکنہ طور پر اس رجحان کے ساتھ شائع کی گئی ہو کہ مردہ شخص کے زندہ رشتہ داروں کی شہرت کو نقصان پہنچے اور ان کی زندگی کا مقصد انتقام لینا یا نقصِ امن کا باعث بن جائے۔(66)

ہتک عزت کے مجرم کو برطانوی قانون کے تحت دو سال تک قید یا عدالت کی طرف سے عائد کردہ جرمانہ یا دونوں سزائیں اکٹھی دی جاسکتی ہیں۔(67)

کسی شخص کی معاشرتی عزت وشہرت کا تعین کرنے کے لئے کیا معیار اور طریقہ ہونا چاہئے۔ اس کی وضاحت لارڈ ڈیننگ (Lord Denning) نے ایک مقدمہ A.C. 1990 Plate Films Ltd. V. Speidal 1961 کے فیصلہ میں یوں کی ہے:

''کسی آدمی کے کرداراور شہرت کا تعین کرنے کے لئے تمہیں ان لوگوں کو بلوانا ہوگا جو اسے جانتے ہوں اور اس کے ساتھ معاملات کرتے رہے ہوں۔ کیونکہ ایسے لوگ ہی مضبوط بنیاد فراہم کر سکتے ہیں جس پر اس آدمی کے کردار کی عمارت کھڑی کی جائیگی۔''(68)

لہٰذا انگریزی قانون میں یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ کسی شخص کی نیک نامی، شہرت اور عزت کا اندازہ ان لوگوں سے لگایا جائے گا جن کے ساتھ اس کا تعلق ہے اور اس معاشرے سے لگایا جائے گا جس میں وہ رہتا ہے۔ ہتک عزت کے مرتکب کی متاثرہ شخص کے معاشرتی مقام و عزت سے متعلق رائے کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔ مثلاً وہ یہ کہے کہ میں اسے اس عزت کے قابل نہیں سمجھتا یا یہ اتنا صاحب عزت نہیں ہے۔ معاشرہ اور متعلقہ افراد کے ہاں اس شخص کا جو مقام و مرتبہ ہے وہی اس کی اصل عزت و شہرت ہوگی اور اسے ہی قانونی تحفظ حاصل ہوگا۔

مندرجہ بالا اجمالی بحث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ متعدد مذاہب واقوام نے اپنے شعائر کو ان کی اہمیت کے اعتبار سے مقدس مانا اور ان کی تقدیس وحرمت برقرار رکھنے کے لئے سزائے موت سمیت مختلف سزائیں مقرر کیں اور کر رکھی ہیں۔ ہندومت میں ویدوں کی توہین کرنے والا کافر قرار پاتا ہے اور اسے تباہ و برباد کرنے، قتل کرنے اور جلاوطن کر دینے کا حکم ہے۔ بدھ مت کے بانی مہاتما بدھ کے مجسمہ کی توہین پر سزائے موت کا قانون موجود ہے۔ برطانیہ میں صرف مسیحی مذہب اور اس کے بھی صرف ایک فرقہ کی توہین جرم ہے۔ یورپ میں توہین مسیح، توہین تثلیث اور توہین مذہب پر سزائے موت رہی ہے لیکن جب انہوں نے مذہب کو اپنا اجتماعی مسئلہ کے بجائے ذاتی معاملہ بنالیا اور مذہب کو چرچ تک محدود کر دیا تو اس کے اثرات مذہب کے ساتھ ان کے اجتماعی رویے پر بھی پڑے۔ اب فرد کی آزادی ہر چیز پر حاوی ہے

لہٰذا جن چیزوں کی حرمت کوسب سے زیادہ اہم گردانتے ہوئے اس کی توہین پر سب سے زیادہ سخت سزا رکھی تھی ۔ وہ سزا بھی مذہب سے تعلق میں کمزوری کے باعث کمزور اورکم ہوتی چلی گئی ۔ کئی قوانین میں ریاست سے غداری کی سزا موت ہے۔ کہیں سربراہ مملکت کی توہین اور ریاست کے آئین کی توہین پر سزائے موت رکھی گئی ہے۔ ہتک عزت کو قابل تعزیر جرم بنایا گیا ہے۔

جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں مدلل بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے ہاں ان کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام چیزوں سے زیادہ انہیں عزیز ومحبوب ہیں۔ ان کی عزت وحرمت کے مقابلے میں کسی دوسری چیز کی عزت وحرمت ہیچ ہے۔ اسلام میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت سب سے زیادہ ہے، اس لئے اسلامی قانون آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت کے جرم پر سزائے موت مقرر ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان النذور، ج3، صفحہ 569، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار لاہور، 1980ء۔

2۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الایمان، ج 3، صفحہ 569، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار لاہور، 1980ء۔

3۔ سنن نسائی، کتاب الایمان وشرائعہ، باب عقامۃ الایمان، ج 3، صفحہ 361، دارالاشاعت اردو بازار کراچی۔

4۔ ترمذی، ابواب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ماجاء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج2، صفحہ 636، نعمان کتب خانہ اردو بازار لاہور 1988ء۔

5۔ ستیارتھ پرکاش از رشی دیانند، مترجم چموپتی اے اے پرکاشک، صفحہ 297، مہاشیہ کرشن آریہ پرتی مدھی سبھا پنجاب گورودت بھون لاہور، تیرھواں ایڈیشن 1946ء، سوامی دیانند اور ان کی تعلیم از خواجہ غلام الحسنین پانی پتی، صفحہ، اورینٹل لائبریری پانی

پت 9321ء (بحوالہ منوسمرتی ادھیائے 2۔ سلوک 11)

6۔ سوامی دیانند اوران کی تعلیم از خواجہ غلام الحسنین پانی پتی، صفحہ 213

7۔ سوامی دیانند اوران کی تعلیم از خواجہ غلام الحسنین پانی پتی، صفحہ 214

8۔ ستیارتھ پرکاش از رشی دیانند، صفحہ 250

9۔ سوامی دیانند اوران کی تعلیم از خواجہ غلام الحسنین پانی پتی، صفحہ 216

10۔ سوامی دیانند اوران کی تعلیم از خواجہ غلام الحسنین پانی پتی، صفحہ 217

11۔ سوامی دیانند اوران کی تعلیم از خواجہ غلام الحسنین پانی پتی، صفحہ 217

12۔ Khursheed Waris, "The Hidden Enemies of India: the devils indisguies." Warsi Publication 1124, p,1.B. Colony, Karachi, 1994

13۔ Khursheed Waris, "The Hidden Enemies of India: the devils indisguies" Page 19

14۔ منوسمرتی 282:8

15۔ روزنامہ جنگ لاہور 6-4-1990ء۔

16۔ Halsbury's Laws of England, Butterwords London 1976, 4th ed. Vol. II, Page 576

17۔ The Everyman Encyclopedia, edited by Andrew Boyle, London: Published by J.M. Dent, and Sons Ltd. And in New York by E.P. Dutton & Co. jan 1993, Vol, Page 406

18۔ حوالہ جات

19۔ Halsbury's Laws of England, Vol. II. Page 577

-20 حوالہ جات

-21 روزنامہ جسارت کراچی 17-3-1989ء

-22 Daily "Muslim" Islamabad, 10-4-1990

-23 Time International, Feb. 1989

-24 The Encyclopedia of America. Grolier Incorporated 1987. International Edition Vol.2, page 276

-25 Halsbury's Laws of England, Vol. 14. Page 163

-26 انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر از ابوالحسن علی ندوی، صفحہ 261

-27 حوالہ جات، صفحات 264-265

-28 The Encyclopedia of Religion. Vol. 2, Page 241

-29 روح اسلام از سید امیر علی۔ صفحہ 581

-30 The Encyclopedia of Religion. Vol. 2, page 241

-31 انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر از ابوالحسن ندوی، صفحہ 265

-32 The Encyclopedia of Religion. Vol. 2, page 241.

Encyclopedia of Religion and Ethies.Charles Scribner's Sons.New York: Vol.2,Page 671

-33 The Encyclopedia of Religion. Vol. 2, page 241

-34 The Encyclopedia of Religion. Vol. 2, page 241

-35 Encyclopedia of Religion and Ethics.Charles Scribner's Sons.New York: Vol.2,Page 671

-36 Encyclopedia of Religion and Ethics. Vol.2,Page 671

37- Twentieth Century Encyclopedia, 1905. Page 36

38- مطالعہ تاریخ از ٹائن بی، جے آرنلڈ۔ تلخیص ڈی سی سومرویل، مترجم غلام رسول مہر، مجلس ترقی ادب 2 کلب روڈ لاہور، حصہ دوم، صفحہ 44

39- The Encyclopedia of Religion. Vol. 2, page 242

40- ?????

41- Halsbury's Laws of England, Vol. 1. Page 576

42- The Everyman Encyclopedia Vol. 1, Page 407

43- The Everyman Encyclopedia Vol. 1, Page 407

44- Twentieth Century Encyclopedia, 1905. Page 361.

The New Encyclopedia Britannca. Vol.2, Page 276

45- The Encyclopedia of Religion and Ethics. Vol. 2, page 671

46- The Encyclopedia of Religion and Ethics. Vol. 2, page 671

47- The Encyclopedia of Religion. Vol. 2, page 242

48- The Encyclopedia of Religion. Vol. 2, page 242

49- An American Legal Almanac. Oceana Publication Dobbs Ferry, New York. 1978, Page 353

50- روزنامہ نوائے وقت لاہور 23-3-2011

51- المذاہب، محمد اسلم رانا، ملک پارک شاہدرہ لاہور، شمارہ: اگست 1993، صفحہ 16۔

Daily "The Muslim" Islamabad. 16-2-1990

52- روزنامہ جنگ لاہور 11-9-1990، مشاہدات وتاثرات، ازکوثر نیازی

53۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور 10-3-1993

54۔ روزنامہ نوائے وقت 2-3-1993

55۔ Daily Newspapwr Toranto Star 13-5-1989، ہفت روزہ "تکبیر" کراچی 20/جولائی 1989ء۔

56۔ A Dictionary of Criminology. Routledgd & Kegan Paul, London. Page 225,

A Consise Dictionary of Law. Oxford University Press. 1984. Page 370

57۔ The Everyman Encyclopedia JM Dent & Sons Ltd. London. melbourne Tronto, 1978, Vol. 12, page 30

58۔ Halsbury's Laws of England, Vol. 8. Page 581, Vol. 11, Page 478, Treason Act 1814

59۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور 12-7-1995

60۔ Peaslee, Constitutions of Nations, Vol. 3, page 659, 848, 915

61۔ Peaslee, Constitutions of Nations, Vol. 3, page 812

62۔ Halsbury's Laws of England, Vol. 37, Page 697

63۔ Encyclopedia of American Constitution. Mc millan publishing Company, New York, 1986, Vol. 1, page 493

64۔ PLD 1973 Lahore 27, DLD 1973 Lahore 37

65۔ Halsbury's Laws of England, Vol. 28. Page 22

-66 Halsbury's Laws of England, Vol. 28. Page 5

-67 Halsbury's Laws of England, Vol. 28. Page 138

-68 Srivastare, A.S. justice, Laws of Defamation and Malacious Prosecution. Law Publishing Allahabad India 3rd Ed. 1987, Page 11

پاکستان میں توہین رسالت کے مقدمات کا اجمالی جائزہ

قصور وار کون حکومت، عدلیہ، مقننہ یا استغاثہ

ڈاکٹر افتخار الحسن میاں

عہدِ نبوی سے آج تک امتِ مسلمہ کا قرآن حکیم، احادیثِ نبویہ، عمل صحابہؓ اور ائمہ مجتہدین کی شرعی آراء و دلائل کی بنیاد پر یہ اتفاق چلا آ رہا ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ اور تمام سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین مستوجب سزائے موت جرم ہے ۔شریعت اسلامیہ میں جن سنگین جرائم کے ارتکاب پر سزائے موت مقرر کی گئی ہے، ان جرائم کو قاضی کی عدالت میں بلا شک وشبہ ثابت کرنے کے لیے اسلام نے گواہوں کا معیار کو یقینی بنانا ہے۔ نیز یہ کہ معاشرے کے غیر ذمہ دار لوگ حسد، کینہ اور تعصب کی وجہ سے معصوم و بے گناہ افراد پر یہ سنگین الزامات عائد کر کے اور قاضی کے روبرو جھوٹے گواہ پیش کر کے انہیں سزائے موت دلوانے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ اس کی ایک مثال زنا کا الزام ثابت نہ کر سکنے والے جھوٹے مدعی مقدمہ اور گواہوں پر حد قذف (اسی کوڑوں) کا نفاذ اور ہمیشہ کے لیے ان کی گواہی رد کیے جانے کا ارشادِ خداوندی ہے۔ سنگین جرائم کے الزامات کی صورت میں عدالت انتہائی باریک بینی سے الزام کی جزئیات کا ہر زاویہ سے جائزہ لینے کی پابند ہوتی ہے۔ اگر ایسے مقدمہ میں ذرا سا شک جرم کو ثابت کرنے میں حائل ہو تو ملزم کو اس کا فائدہ دے کر بری کرنا قاضی پر ارشاد نبوی کی رو سے لازم ہے۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ تحریک پاکستان کے دوران برصغیر میں راس

کماری سے لے کر مکران کے ساحلوں تک بسنے والے کروڑوں مسلمانوں کا مطالبہ اور مقصد اَولیٰ یہ تھا کہ اس ملک میں شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے اس کے قوانین کی عملداری قائم کی جائے گی۔ 1973ء کے دستور میں شامل قراردادِ مقاصد میں اسی عوامی مطالبہ کی پذیرائی کرتے ہوئے مسلمانوں کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کے مواقع دینے کا عہد کیا گیا جبکہ آئین کی دفعات 302 اور 227 میں موجودہ تمام ملکی قوانین کو اسلامی شریعت کے مطابق بنانے اور آئندہ کے لیے شریعت کے مطابق قانون سازی کرنے کی آئینی ضمانت دی گئی ہے۔ ان آئینی دفعات اور فعال عدلیہ کی موجودگی میں توہین رسالت سے متعلقہ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی 295 سی اور اس سے بڑھ کر وفاقی شرعی عدالت، اسلام آباد کے اکتوبر 1990ء کے فیصلہ میں اس جرم کی سزا صرف موت مقرر کیے جانے کو تبدیل یا منسوخ کرنا ممکن نہیں۔ اس کے سیاسی خطرات کو ایک طرف بھی رکھ دیا جائے تو ان آئینی دفعات کا کوہِ گراں اٹھانا کسی بھی حکومت کے بس کی بات نہیں۔

1977ء کی تحریک نظام مصطفی (علیہ التحیۃ والثناء) کے دوران پاکستان کے کروڑوں اہل ایمان نے معاشرتی اور اخلاقی زوال اور سنگین جرائم کے انسداد کے لیے شرعی قوانین کے نفاذ کا مطالبہ منوانے کے لیے ایک بار پھر کئی جانوں کا نذرانہ دیا تھا اس عوامی مطالبے کے طویل تاریخ کے نتیجہ میں 1979ء میں جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک میں حدود قوانین نافذ کر کے دینی طبقوں کی حمایت حاصل کی تھی۔ ان کے سیاسی مقاصد بھی تھے کیونکہ اس کے بعد انہوں نے ریفرنڈم کروا کر اپنے لیے منصب صدارت اگلے پانچ سال کے لیے پکا کر لیا تھا۔ 2006ء میں ایک اور فوجی آمر نے اپنے پیش رو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے ستائیس سال قبل نافذ کردہ حدود قوانین کو تحفظ حقوق نسواں بل کے ذریعہ منسوخ کر دیا تھا۔ حیرت ہے کہ 1977ء میں جن حدود قوانین کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہوئے اس غیور قوم نے متعدد جانوں کا نذرانہ دیا تھا، مگر 2006ء میں انہیں منسوخ قرار

دیئے جانے پر وہ لمبی تان کر سوگئی۔ کسی دینی طبقے یا جماعت نے فوجی آمر کے اس دین دشمن اقدام کے خلاف نہ کوئی تحریک چلائی، نہ دینی جماعتوں کے ارکان نے پرلیمنٹ سے استعفادیا اور نہ اس فوجی حکومت کو زچ کرنے کے روایتی حربے آزمائے گئے۔

مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 سی میں اب تک یہی درج ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کے جرم کی سزا، موت یا عمر قید اور جرمانہ ہے۔ جبکہ اس دفعہ میں موجود ’’عمر قید اور جرمانہ‘‘ کے الفاظ ختم کروانے کے لیے سینئر وکیل محترم محمد اسماعیل قریشی کی پٹیشن کا فیصلہ کرتے ہوئے وفاقی شرعی عدالت نے اکتوبر 1990ء میں صدر پاکستان کو 30/اپریل 1991ء تک مہلت دی تھی کہ وہ قانون سازی کے ذریعے اس دفعہ سے عمر قید اور جرمانہ کے الفاظ حذف کروائیں۔ فاضل عدالت نے واضح الفاظ میں صدرِ مملکت سے کہا تھا کہ اگر اس مہلت کے اندر یہ ترمیم نہ کی گئی تو اس کے اختتام پر اس عدالت کا فیصلہ از خود قانون بن جائے گا جس کی رو سے اس جرم کی پاداش میں صرف سزائے موت ہی دی جا سکے گی۔ یہ فیصلہ آنے کے فوراً بعد بشپ دانی ایل تسلیم اور وفاق پاکستان نے اس کے خلاف سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ میں اپیلیں دائر کر کے اس پر عمل درآمد کی راہ مسدود کر دی تھی۔ 1991ء میں اس وقت کے وزیراعظم محترم میاں محمد نواز شریف کو جب اس اپیل کی اطلاع ملی تو وہ سخت ناراض ہوئے۔ انہوں نے وزارت قانون کو حکم دیا کہ حکومت کی طرف سے دائر کردہ اپیل فوراً واپس لی جائے۔ مگر بشپ دانی کی دائر کردہ اپیل اپنی جگہ پر موجود رہی۔ اپریل 2009ء میں یہ اپیل سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ کے روبرو سماعت کے لیے پیش ہوئی۔ اس موقع پر فاضل عدالت عظمیٰ سے ڈپٹی اٹارنی جنرل آغاز طارق محمود نے استدعا کی یہ اپیل خارج کر دی جائے کیونکہ مدعی بشپ دانی نے اپنی اپیل کی پیروی نہیں کی، اس نے اپنی اپیل کے حق میں دلائل بھی نہیں دیئے، نیز مصدقہ اطلاعات یہ ہیں کہ بشپ دانی آنجہانی ہو چکے ہیں۔ ان وجوہ کے پیشِ نظر فاضل عدالت عظمیٰ نے وہ

اپیل اپریل 2009ء میں خارج کر دی۔ اس کے نتیجہ میں وفاقی شرعی عدالت کا اکتوبر 1990ء کا فیصلہ بحال ہو گیا۔ چنانچہ اب توہین رسالت مآب (ﷺ) کی سزا سے متعلقہ قانون، مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 سی نہیں ہے جس کا حوالہ احتجاجی جلسوں اور جلوسوں میں دیا جا رہا ہے بلکہ وفاقی شرعی عدالت کا اکتوبر 1990ء میں دیا گیا فیصلہ ہے جس کی روح سے اس جرم کی سزا صرف موت ہے۔ اس فیصلہ میں یہ اضافہ بھی کیا گیا تھا کہ یہ صرف نبی اکرم حضور محمد ﷺ کی توہین بلکہ تمام سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین کی سزا، صرف موت ہے۔ جبکہ دفعہ 295 سی میں صرف نبی آخرالزمان حضرت محمد ﷺ کی توہین بلکہ تمام سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین کی سزا، صرف موت ہے۔ جبکہ دفعہ 295 سی میں صرف نبی آخرالزمان حضرت محمد ﷺ کی اہانت پر سزا مقرر ہے۔

اس طویل پس منظر کے بعد یہ جاننا ضروری ہے اور آسان بھی کہ شریعت کے تابع و موافق توہین رسالت کے جرم کے انسداد کے لیے مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 سی اور اس دفعہ کی تصحیح و تکمیل سے متعلقہ وفاقی شرعی عدالت کے مذکورہ بالا فیصلہ کے باوجود اب تک کسی ایک مجرم کو بھی اس جرم میں سزائے موت کیوں نہیں دی جا سکی۔ نیز یہ معلومات بھی اہم ہوں گی کہ اب تک اس قانون کے تحت کتنے مقدمات پاکستان کے طول و عرض میں دائر ہو چکے ہیں اور یہ بھی کہ ان کا انجام کیا ہوا۔

1984ء میں دفعہ 295 سی مجموعہ تعزیرات پاکستان مجریہ 1860ء میں شامل ہونے کے بعد سے اب تک اس کے تحت 1296 مقدمات قائم ہو چکے ہیں۔ 2011ء تک درج 964 مقدمات میں سے 479 مقدمات خود مسلمانوں کے خلاف ہیں۔ ان ملزم مسلمانوں میں تمام معروف مکاتب فکر کے افراد شامل ہیں۔ جبکہ پاکستان میں بسنے والی تمام غیر مسلم اقلیتوں کے خلاف کل 584 مقدمات قائم ہوئے۔ مرزائیوں، لاہوری قادیانیوں اور احمدی قادیانیوں کے خلاف 340 مقدمات، عیسائیوں کے خلاف 119

ہندوں کے خلاف 14 مقدمات جبکہ سکھوں اور پارسیوں سمیت دیگر اقلیتوں کے خلاف گزشت 62 سالوں کے دوران 21 مقدمات درج کروائے گئے ان اعداد وشمار سے واضح ہوتا ہے کہ اقلیتوں کے ہر فرقہ سے زیادہ اس دفعہ کے تحت خود مسلمانوں کے خلاف مقدمات درج ہوئے۔

دفعہ 295 سی کے تحت درج ہونے والے مقدمہ کی سنگین نوعیت کے پیش نظر اس کی سماعت کا اختیار مجسٹریٹ دفعہ 30 کو بھی نہیں دیا گیا بلکہ براہِ راست ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشنز جج ہی اس مقدمہ کی سماعت کا مجازہ ہوتا ہے۔ان 964 مقدمات میں سے 939 مقدمات ملک بھر میں اسی سطح کی معزز عدالتوں نے خارج کر دیئے کیونکہ مقدمہ درج کروانے کے بعد مدعی غائب ہو گئے یا گواہ پیش نہیں ہوئے یا گواہ منحرف ہو گئے۔ اکثر مقدمات کے چشم دید اور موقعہ کے گواہ موجود نہ تھے نیز مدعی اور مدعیٰ علیہ کے مابین پرانی دشمنی یا جائیداد کا تنازعہ عدالت میں ثابت ہو گیا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے مخالف فریق پر توہین رسالت کا الزام عائد کیا تھا۔ اس سے ملتی جلتی دیگر وجوہ سے دائر ہونے والے توہین رسالت کے 939 مقدمات سماعت کے پہلے مرحلہ ہی میں ختم ہو گئے۔ جھوٹے مقدمات میں اکثر جج صاحبان نے مدعی اور اس کے جھوٹے گواہوں کے خلاف قانونی کارروائیوں کے احکام بھی اپنے فیصلوں میں تحریر کیے۔

اس دفعہ کے تحت درج ہونے والے کل 964 مقدمات میں سے صرف 25 مقدمات میں ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشنز ججز کے فیصلوں کے خلاف متعلقہ صوبوں کی ہائی کورٹس میں اپیلیں دائر کی گئیں کیونکہ ان میں مجرموں کو سزائے موت سنائی گئی تھی یا مدعی کو مجرم کے بری کیے جانے کے خلاف اپیل کرنے کی گنجائش نظر آئی۔ان 25 اپیلوں پر ہائی کورٹس کے فیصلوں کے خلاف محض چند اپیلیں سپریم کورٹ میں دائر کی گئیں۔توہین رسالت کے مقدمات میں ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ میں دائر کی جانے والی اپیلوں پر ملک کی اعلیٰ

عدلیہ کے فیصلوں کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے باوجود ان میں سے ہر ایک پر لکھنا ممکن نہیں کیونکہ یہ فیصلے مجموعی طور پر پانچ سو سے زائد صفحات کو محیط ہیں۔ ان سے درج ذیل فیصلوں پر ایک نظر ڈالنے سے ہی ملک بھر میں توہین رسالت کے 964 مقدمات درج ہونے کے باوجود کسی ایک مقدمہ میں بھی کسی ملزم (مجرم) کو سزائے موت نہ دیئے جاسکنے کی وجہ واضح ہوسکتی ہیں۔

☆☆☆

1۔ مقدمہ (پٹیشن) فوجداری متفرق نمبر B/997، عنوان: محمد احسان اللہ بنام سرکار، لاہور ہائی کورٹ (2006 ماہنامہ لاء ڈائجسٹ) روبرو جناب جسٹس خواجہ محمد شریف، جج لاہو ہائی کروٹ)

فاضل جج صاحب نے اس مقدمہ کے فیصلے میں اس کی جو تفصیل درج کی ہے، اس کے مطابق میاں محمد پرویز اختر نے محمد احسان اللہ کو زدوکوب کر کے اس قدر زخمی کر دیا تھا کہ ان زخموں سے اس کی موت بھی واقع ہوسکتی تھی۔ پولیس اسٹیشن سول لائینز، گجرات نے زخمی ہونے والے اس شخص کی درخواست کے باوجود میاں محمد پرویز اختر کے خلاف ایف آئی آر درج نہ کی، الٹا اس کی درخواست پر محمد احسان اللہ کے خلاف توہین رسالت کی دفعہ 295 سی کے تحت مقدمہ درج کر کے اسے گرفتار کرلیا۔

جناب جسٹس خواجہ محمد شریف نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ اس ایف آئی آر کا مدعی اپنے دعویٰ توہین رسالت کو ثابت کرنے میں قطعی طور پر ناکام رہا ہے۔ نیز وہ خود اس مقدمہ کے اندراج سے فوراً پہلے (اس ایف آئی آر میں نامزد) ملزم کو شدید زخمی کرنے کا مرتکب ہوا ہے۔ جبکہ محمد احسان اللہ نے توہین رسالت کے جرم کے ارتکاب سے واشگاف الفاظ میں عدالت کے روبرو انکار کیا اور اس مقدمہ کی تفتیش کرنے والے ایس پی انوسٹی گیشنز نے بھی اسے اپنی تفتیشی رپورٹ میں معصوم و بے گناہ قرار دیا ہے۔ فاضل جج جسٹس خواجہ محمد شریف نے الزام کی حساسیت کی وجہ سے ذاتی اطمینان کے لیے توہین

رسالت کے اس ملزم سے متعدد تیکھے سوالات کر کے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اس کے ایمان واقرار اور جذب احترام ومحبت کو جانچنے کی کوشش کی۔ کامل اطمینان کے بعد انہوں نے اپنے فیصلہ میں توہین رسالت کے الزام سے ملزم کو بری کرتے ہوئے ایف آئی آر ختم کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی متعلقہ قانونی دفعات کا حوالہ دیتے ہوئے اس ایف آئی آر کے مدعی مقدمہ کے خلاف جھوٹا مقدمہ درج کروانے اور ملزم کو شدید زخمی کرنے کی الگ الگ ایف آئی آرز درج کر کے ہائی کورٹ کو ریکارڈ پیش کرنے کا حکم دیا۔

☆☆☆

2۔ توہین رسالت کے ملزم کی متفرق درخواست برائے ضمانت وتنسیخ ایف آئی آر پر فاضل عدالت عالیہ کا فیصلہ:

مقدمہ بعنوان غفور اسلم (مدعی) بنام سرکار ودیگر (مدعا علیہان)، مقدمہ فوجداری متفرق نمبر 2009، mof/174، 2009 بعدالت جناب جسٹس رانا زاہد محمود جج لاہور ہائی کورٹ، فیصلہ بمورخہ 12 مارچ 2009ء (PCrLj 11082009)

توہین رسالت کے اس مقدمہ کی ایف آئی آر نمبر 145 of 2007 مورخہ 2 جون 2007ء کو پولیس اسٹیشن بی ڈویژن گجرات میں غفور اسلم ودیگر کے خلاف درج ہوئی تھی۔ اس کے مطابق ملزم نے دو ایسی کتابوں کی تعارفی تقریب منعقد کی تھی جن میں توہین رسالت پر مبنی مواد شائع ہوا تھا۔ اس تقریب کے دوران اس نے اور اس کے ایک شریک جرم شخص نے اپنی تقریروں میں بھی توہین رسالت کا ارتکاب کیا تھا۔ ایس پی (انوسٹی گیشنز) کی قیادت میں پالس نے ان کتابوں اور ملزمان کی تقاریر کے مواد کا جائزہ لے کر ایڈیشنل سیشنز جج کی عدالت میں مقرمہ کی سماعت کے دوران رپورٹ پیش کی جس میں ملزمان پُر جرح مکمل کیے جانے کے بعد مقدمہ کے گواہان پر بھی جرح ہو چکی تھی اور فیصلہ آنے ہی والا تھا کہ ملزم غور اسلم نے ہائی کورٹ کے سنگل بنچ پر ضمانت پر رہائی اور ایف آئی

آر خارج کرنے کی درخواست دے دی جو مسترد کر دی گئی۔

جناب جسٹس رانا زاہد محمود نے اپنے فیصلہ میں فریقین کے وکلاء کے دلائل کا تفصیل سے تجزیہ کرنے کے بعد لکھا۔

1۔ ایڈیشنل سیشنز جج صاحب کی عدالت میں یہ مقدمہ آخری مراحل میں ہے۔ تمام شواہد پیش کیے جا چکے ہیں مدعی اور گواہوں پر جرح مکمل ہو چکی ہے۔ اب جلد ہی فیصلہ سنایا جانے والا ہے اس لیے اس مرحلہ پر ملزم کی درخواست ضمانت و تنسیخ آیف آئی آر منظور کر کے ماتحت عدالت کی کارروائی پر اثر انداز ہونا مناسب نہیں۔

2۔ ملزم کے فاضل وکیل نے اس مقدمہ کے اخراج کے لیے جن عدالتی نظائر کا حوالہ دیا ہے، وہ غیر متعلقہ ہے کیونکہ وہ دیوانی نوعیت کی ہیں جبکہ یہ انتہائی حساس نوعیت کا فوجداری مقدمہ ہے۔ اس لیے ان کے دلائل کا اس مقدمہ اور اس اپیل سے کچھ تعلق نہیں۔

ان وجوہ سے جناب جسٹس رانا زاہد محمود نے توہین رسالت کی اس مقدمہ میں گرفتار ملزم کی درخواست ضمانت اور ایف آئی آر منسوخ کرنے کی درخواست مسترد کر دی۔ (تا حال اس مقدمہ کا حتمی فیصلہ نہیں ہوا) تینوں مقدمات میں دیئے گئے فیصلوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری اعلیٰ عدلیہ توہین رسالت کے مقدمات میں مجرموں کو نہ بلا وجہ رہا کر رہی ہے اور نہ ہی ناکافی شواہد کی وجہ سے جرم کے بلاشک وشبہ ثابت ہوئے بغیر سزائے موت دے کر انصاف کا قتل کر رہی ہے۔ عدلیہ کے فیصلوں میں انصاف کا اعلیٰ معیار اور دلائل کی مضبوطی کا احساس ان فیصلوں کا مطالعہ کرنے والے ہر شخص کو ہوتا ہے۔ پاکستانی عوام کو اپنی عدلیہ کے ان فیصلوں اور عدلیہ کی جانب سے انصاف کی فراہمی پر اعتماد کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اب تک توہین رسالت کے 964 واقعات کی ایف آئی آر درج کروا کے عدلیہ کے ذریعہ ملزموں کو سزا دلوانے کی کوشش کی گئی۔ معاشرے کی عمومی غفلت، عوام کی باہمی نفرتیں، فرقہ واریت کے اثرات اور لوگوں کی جائیدادیں ہتھیانے کے عام

رجحانات اگر ان مقدمات میں واضح طور پر نظر نہ آتے اور توہین رسالت کے جرائم کو بلا شک وشبہ ثابت کیا جا سکتا تو 939 ایسے مقدمات ایڈیشنل سیشنز ججز کی عدالتوں سے ہی خارج نہ ہو جاتے۔

یہ پاکستانی معاشرے کے ذمہ دار اہل اسلام کا فرض ہے کہ وہ ذاتی دشمنیاں چکانے کے لیے توہین رسالت کے بے بنیاد مقدمات درج کروانے والوں کی خود حوصلہ شکنی کریں۔ کیونکہ ایسے مقدمات اکثر حالات میں خود مسلمانوں کے خلاف درج کروائے گئے ہیں۔ غیر مسلم اقلیتوں کے خلاف درج مقدمات کی تعداد پر نگاہ ڈالی جائے تو عیسائیوں کے خلاف اب تک صرف 911 مقدمات درج ہوئے ہیں جبکہ کلمہ گو مسلمانوں کے خلاف پر توہین رسالت کی دفعہ 295 سی کے تحت درج کروائے گئے مقدمات کی تعداد 974 ہے۔ ان حالات میں اعلیٰ عدلیہ کیسے آنکھیں بند کر کے ہر ملزم کو بلا جرم ثابت ہوئے سزا موت دے سکتی ہے۔

☆☆☆

3۔ یہ مقدمہ سندھ ہائی کورٹ کراچی میں جناب جسٹس سرمد جلال عثمانی نے سماعت کیا اور فیصلہ دیا جو PLD 2006 Karachi 613 میں شائع ہوا۔ درخواست فوجداری متفرق نمبر 119 of 2005 عنوان: محمد علی و دیگر (مدعیان) بنام قادر خان مندر خیل و دیگر (مدعا علیہان)، تاریخ فیصلہ: 30 جون 2006ء)

عزت مآب جناب جسٹس سرمد جلال عثمانی نے اپنے فیصلہ کے شروع میں مقدمہ کے جو حقائق و واقعات بیان کیے ہیں، ان کے مطابق اس مدعی مقدمہ کو جاپان سے بستر کی چادریں تیار کرنے کا آرڈر، ایک ڈیزائن کے ہمراہ ملا جس کے مطابق اسے جاپانی زبان میں کچھ الفاظ بھی بستر کی چادروں پر چھاپنا تھے۔ ان الفاظ کی بنا پر قادر خان مندوخیل نے اس کے خلاف دفعہ 295 سی کے تحت توہین رسالت کا مقدمہ درج کروا دیا کیونکہ اس

کے مطابق یہ الفاظ ''اللہ'' اور ''محمد'' پڑھے جاتے تھے۔ اس ایف آئی آر میں مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295اے اور 295بی بھی شامل کی گئی تھیں۔ 295سی کے تحت درج مقدمہ صرف ایڈیشنل سیشن جج کو سماعت کرنے کا اختیار رہے جبکہ یہ دیگر دو دفعات کے تحت مقدمہ کی سماعت مجسٹریٹ درجہ اول سماعت کرسکتا ہے۔ اس وجہ سے پہلے تو یہی قضیہ حل طلب تھا کہ یہ مقدمہ کس عدالت کے دائرہ سماعت میں آتا ہے جس میں یہ تینوں دفعات یکجا ہوگئی ہیں۔ ان تکنیکی پہلوؤں کو زیر بحث لانے کے بعد فاضل جج صاحب نے مقدمہ کے میرٹ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور میرٹ پر ہی مقدمہ کا فیصلہ کیا ہے۔ انہوں نے مدعی (درحقیقت ملزم) کی درخواست منظور کرتے ہوئے توہین رسالت کا مقدمہ دیگر دو دفعات سمیت خارج کرنے کا حکم دیتے ہوئے ان دلائل و وجوہ کو اپنے فیصلہ کی بنیاد بنایا ہے:

1۔ مدعی نے اللہ سبحانہٗ تعالیٰ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے غیر متزلزل ایمان واحترام کا قرار کیا ہے اور یہ کہ اس کی قطعاً یہ نیت نہ تھی کہ وہ توہین خدا اور رسول کا مرتکب ہو۔ اس نے جاپانی زبان کے الفاظ بستر کی چادروں پر چھاپے ہیں جو قطعی طور پر ''اللہ'' اور ''محمد'' کے مبارک کلمات نہیں ہیں۔

2۔ دارالافتاء، دارالعلوم کراچی کے مفتی صاحبان نے بھی یہ فتویٰ تحریری طور پر دیا ہے کہ یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہ مقدس نام نہیں لیکن جس شکل کے یہ جاپانی الفاظ ہیں، ان سے سادہ عوام کو مغالطہ ہوسکتا ہے۔ لہٰذا توہین خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جرم واقع نہیں ہوا۔

3۔ مدعی (ملزم) محمد علی نے اقرار کیا ہے کہ اگرچہ مفتی صاحبان کے فتویٰ کے مطابق بھی یہ الفاظ یقینی طور پر وہ نہیں جن کے بستر کی چادروں پر چھاپنے کا اس پر الزام دائر کیا گیا ہے، تاہم وہ توبہ کرتا ہے کہ اگر کسی کو بھی ایسی کوئی غلط فہمی ہو کہ اس نے ایسا کیا ہے۔ اس نے یہ اقرار بھی کیا ہے کہ آئندہ وہ انتہائی احتیاط سے کرے گا تا کہ کسی کو

مغالطہ تک نہ ہوسکے۔

4۔ پولیس کے اعلیٰ افسران نے عدالت میں تفتیشی رپورٹ میں واضح طور پر کہا کہ ملزم پر عائد کیا گیا الزام بے بنیاد اور غلط ہے کیونکہ ملزم کی نہ نیت توہین خدا اور رسول کی تھی اور نہ یہ وہ مقدس نام ہیں جن کا مدعای مقدمہ کو وہم ہوا ہے۔ اس لیے یہ مقدمہ تمام دفعات سمیت خارج کیا جائے۔

5۔ فاضل جج صاحب نے عدالت میں ان چادروں کے نمونے منگوا کر خود بھی ملاحظہ کیے جن کو بطور ثبوت پیش کرتے ہوئے الزام عائد کیا گیا تھا، وہ بھی اس نتیجے پر پہنچے کہ ان جاپانی الفاظ کے بارے قطعی طور پر یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ''اللہ'' اور ''محمد'' کے مبارک کلمات ہیں۔

6۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واضح ارشادات، اصول قانون اور سپریم کورٹ کے فیصلہ کی رو سے ملزم کو شک کا فائدہ دے کر بری کرنا عدالت کا فرض ہے۔ اس اصول کو اسلامی شریعت، قانون اور مہذب دنیا میں تسلیم کیا گیا ہے:

"The benefit, Wherever there is a doubt should be given to the accused because it is better to acquit ten guilty persous than to convict an innocent man"

''ہر گاہ جہاں کہیں شک پایا جائے گا، وہاں فائدہ ملزم کو دیا جائے گا کیونکہ دس مجرموں کو بری کرنا بہتر ہے، اس سے کہ ایک بے گناہ کو سزا دی جائے۔''

7۔ مذکورہ بالا وجوہ سے ملیر (کراچی) کی ایڈیشنل سیشنز کورٹ میں اس مقدمہ کو جاری رکھنا، عدالت کا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ اس لیے ملزم کو توہین خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الزام سے بری کرتے ہوئے اس کے خلاف مقدمہ خارج کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

اعلیٰ عدلیہ کی جانب سے توہین رسالت کے ان مقدموں میں فیصلوں کے مطالعہ سے بھی ہمیں ایسے مقدمات کی حقیقی نوعیت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ آخر اتنے سنگین الزام میں ماخوذ ملزمان کو متعلقہ دفعہ اور وفاقی شرعی عدالت کے اکتوبر 1990ء کے فیصلہ کے مطابق سزائے موت کیوں نہیں دی جاتی۔ جب تفتیش اور مقدمہ کی سماعت کے دوران ثابت ہو جائے کہ الزام غلط ہے اور مغالطہ کی وجہ سے عائد کیا گیا ہے تو اس کی پاداش میں ایک بے گناہ اور معصوم مسلمان کو جناب جسٹس سرمد جلال عثمانی جیسا دین دار جج کیسے سزائے موت دے سکتا ہے۔ جب ایسے حساس نوعیت کے مقدمات میں دوسروں کو پھانسنے کی واضح سواہد ریکارڈ کا حصہ بن چکے ہوں تو اعلیٰ عدالیہ ملزم کو شک کا فائدہ کیوں نہیں دے گی۔ اور کوئی ملزم ثبوت جرم کے بغیر کیونکر سزا پائے گا۔ قصور عدلیہ کا نہیں بلکہ معاشرے میں دیانت کے فقدان کے باعث جھوٹے مقدمات میں دوسروں کو ملوث کر کے سستی شہرت حاصل کرنے کے عام رجحان کی یہ کارفرمائی ہے۔ قرآن حکیم اور حصور رسالت م آب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کی روشنی میں ایسے افراد کو اپنے طرز عمل کی اصلاح کرنی چاہیے۔ اسالم دشمن کے ساتھ بھی دھوکہ وفریب سے منع کرتا ہے مگر یہ جاہ پسند تو اپنے مسلمان بھائیوں سے بھی نہیں ٹلتے۔ یہی وجہ ہے کہ خود مسلمانوں کے خلاف توہین رسالت کے 974 مقدمات اب تک درج کروائے جا چکے ہیں۔ یہ بڑی ہی دل آزاری کی بات ہے۔

پاکستان کی اشرافیہ کے اعلیٰ تعلیم یافتہ حلقے عدم توازن کا شکار ہو کر توہین رسالت کے جرم سے متعلقہ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 592 سی کے بے جا استعمال کی آر لے کر اس دفعہ ہی کی مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔ جبکہ کسی بھی قانون کی کسی بھی دفعہ کا بے جا اور ناجائز استعمال نہ صرف ممکن ہے بلکہ بدقسمتی سے یہ ہمارے معاشرے کا عام چلن بن چکا ہے۔ اس صورت حال میں صرف اس ایک دفعہ کے خاتمے کا مطالبہ کسی اصلاح احوال کے بجائے مزید بگاڑ کا باعث بنے گا۔ یہ مطالبہ ایسے حالات میں اور بھی غیر دانشمندانہ نظر آتا

ہے کہ جب ہمارے ملک کی اعلیٰ علیہ توہین رسالت کی اس دفعہ کے تحت درج ہونے والے انتہائی حساس مقدمات کے بھی پس پردہ عوامل کا کھوج لگا کر بے گناہ افراد کو اس کے بے اطلاقات سے بچانے میں نہایت موثر وفعال کردار ادا کر رہی ہے۔اس دفعہ کی مخالفت کرنے والے کسی ایک مقدمہ کی بھی مثال پیش نہیں کر سکتے جس میں کسی ملزم کو محض اقلیتی فرد ہونے کی وجہ سے اس دفعہ کے تحت سزا دی گئی۔ بدنیتی ،خودغرضی ،سستی شہرت حاصل کرنے یا کسی کی جائیداد ہتھیانے کے لیے جب کبھی کسی مسلمان، قادیانی یا مسیحی کے خلاف اس دفعہ کے تحت دائر کیا گیا مقدمہ اپیل میں اعلیٰ عدلیہ کے سامنے آیا،اس نے نہایت باریک بینی سے مقدمہ کے پس پردہ عوامل کو بے نقاب کیا اور کسی قسم کے امتیاز کے بغیر انصاف کی فراہمی کو یقینی بنایا۔

4۔ یہاں پر ہم ایک ایسا ہی مقدمہ کے حالات ، پس منظر اور اعلیٰ عدلیہ کا فیصلہ کا فیصلہ بطور مثال پیش کر رہے ہیں جسے پڑھ کر قائین جان سکیں گے کہ بے لاگ انصاف فراہم کرنے والی آزاد عدلیہ کی موجودگی میں اس دفعہ کا ناجائز سہارا لے کر کسی بے گناہ کو سزا دلوانا آسان نہیں۔ اس سے یہ بھی جاننے میں مدد ملے گی کہ اس دفعہ کی وجہ سے اقلیتوں کو الٹا تحفظ ملا ہے۔جبکہ توہین رسالت کا جرم اگر بلاشک وشبہ ثابت ہوجائے تو حقیقی مجرم اس عدلیہ کے ہاتھوں سزا پائے بغیر رہ نہیں سکتا۔اس سے مسلمانوں کے تمام طبقوں کے لیے بھی اطمینان کا سامان فراہم ہوتا ہے۔

☆☆☆

توہین رسالت کے اس مقدمہ میں ایوب مسیح کو سزائے موت سنائے جانے کی وجہ سے اسے بین الاقوامی میڈیا میں بھی خوب اچھالا گیا تھا۔سیشنز کورٹ نے سزا سنائی تھی جبکہ ہائی کورٹ نے اسے بحال رکھا۔اس کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی گئی۔اس کا عنوان ہے: ایوب مسیح بنام سرکار۔ اپیل کی سماعت سپریم کورٹ کے تین رکنی بنچ نے کی جس کے فاضل ارکان جناب جسٹس ناظم حسین صدیقی ، جناب جسٹس قاضی محمد فاروق اور جناب جسٹس میاں محمد اجمل تھے۔سماعت مکمل ہونے پر فیصلہ جناب جسٹس قاضی محمد فاروق نے تحریر کیا تھا

جو S CPLD 2002 1084 میں رپورٹ (شائع ہوا، ہم اس کا خلاصہ بیان کرنا کافی سمجھتے ہیں کیونکہ تفصیلی فیصلہ PLD میں دیکھا جا سکتا ہے جو کہ خاصا طویل ہے۔

ایف آئی آر کے مطابق 14/اکتوبر 1996ء کو سہ پہر 3 بجے تھانہ صدر، عارف والا ضلع پاکپتن شریف کی حدود میں نامزد ملزم حکیم ماچھی کے گھر کے سامنے گلی میں بیٹھا ہوا تھا کہ اتفاقیہ طور پر شکایت کنندہ اور اس کے ساتھی وہاں سے گزر رہے تھے کہ ملزم نے عیسائیت کی حمایت اور اسلام کے خلاف باتیں کرنا شروع کر دیں۔ اس نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں بھی نازیبا الفاظ بولے۔ اس نے نہ صرف شکایت کنندہ اور اس کے ساتھیوں کو سلمان رشدی کی کتاب پڑھنے کو کہا بلکہ انہیں اس مقصد سے اپنے ساتھ کراچی چلنے کو بھی کہا تھا، جج صاحب فیصلہ میں لکھتے ہیں کہ مقدمہ کے حقائق وشواہد اور ٹرائل کورٹ میں شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ملزم ایوب مسیح نے شکایت کنندہ اور اس کے ساتھ ان پڑھ مزدوروں کو سلمان رشدی کی (انگریزی) کتاب پڑھنے اور اس غرض سے اس کے ساتھ کراچی چلنے کے لیے کہنے کے سوا کچھ نہیں کہا تھا۔ یہ اس کی انتہائی حماقت تھی مگر صرف سلمان رشدی کی کتاب پڑھنے کے لیے کہنا دفعہ 295 سی کے تحت توہین رسالت کا جرم نہیں بنتا۔ اس نکتہ کو سیشنز کورٹ اور ہائی کورٹ نے نظر انداز کر دیا تھا۔

اس مقدمہ کے اندراج کے پیچھے اصل مقصد ملزم کے والد کے والد عنایت مسیح کے زیر قبضہ 9 مرلے کا احاطہ ہتھیانا تھا۔ یہ مقدمہ کے ریکارڈ سے بھی ثابت ہوتا ہے اور ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل نے بھی حکومت پنجاب کے محکمہ مال کا ریکارڈ پیش کرتے ہوئے عدالت عظمی کو بتایا ہے کہ ملزم کے خلاف توہین رسالت کا پرچہ کٹوانے کے بعد شکایت کنندہ نے استغاثہ کے گواہ نمبر ایک رشید احمد پٹواری کو ساتھ ملا کر اس کے ذریعہ نہ صرف ملزم ایوب مسیح کے والد کے زیر قبضہ احاطہ پر قبضہ کر لیا تھا بلکہ پٹواری مذکور کے ذریعہ احاطہ کا انتقال بھی اپنے نام کروالیا تھا۔ سپریم کورٹ نے اس تمام ریکارڈ کو پوری احتیاط سے ملاحظہ کیا ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ملزم پر عائد کیا گیا توہین رسالت کا الزام بدنیتی پر مبنی ہے۔ مگر سیشنز کورٹ اور ہائی کورٹ نے شکایت کنندہ کی بدنیتی کے عنصر اور اس کے شواہد کو نظر انداز کر دیا تھا۔

عدالت اعظمٰی نے فیصلہ میں لکھا ہے کہ ملزم ایوب مسیح نے ماتحت عدالتوں کے رو برو الزام کی صحت سے انکار کیا تھا۔ اس نے اپنے تفصیلی بیان میں یہ بھی کہا تھا کہ وہ جماعت اول سے دہم تک گورنمنٹ ایم سی ہائی سکول، عارف والا میں پڑھتا رہا۔ یہیں سے اس نے 1986 میں میٹر کا امتحان پاس کیا جس میں دینیات لازمی تھی۔ اس وجہ سے اسے تینوں کلمے سورہ فاتحہ اور سورۃ اخلاص اب تک یاد ہیں۔ اس نے اپنا شہادتی بیان عدالت میں ریکارڈ کرواتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں کے بارے میں انتہائی احترام کے جذبات رکھتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس نے مبینہ الزام کی صحت سے انکار کرتے ہوئے مزید کہا کہ وہ قانون کا پابند شہری ہے اور اس کے خلاف اس سے پہلے کبھی کسی غیر اخلاقی یا کسی مذہب کی توہین یا قانون شکنی کا کوئی مقدمہ قائم نہیں ہوا۔ وہ لوگ عارف والا میں گزشتہ پچاس سالوں سے رہائش پذیر ہیں۔ اس نے بتایا کہ ہمارے چک میں مسیحیوں کے 16,15 گھر ہیں، ہم مسلمانوں کے ساتھ امن وسکون کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ یہاں کبھی کوئی فرقہ وارانہ جھگڑا نہیں ہوا۔ میرے مذہب نے ہمیں دوسرے مذاہب کے احترام کی تعلیم دی ہے۔ ہم عملی طور پر امن پسند لوگ ہیں اور محبت رواداری کی تلقین کرتے ہیں۔ اس نے اپنے شہادتی بیان میں عدالت کو مزید بتایا کہ شکایت کنندہ محمد اکرم نے یہ جھوٹا مقدمہ درج کرانے کے لیے اپنے رشتہ دار ظفر سلیم کا اثر ورسوخ استعمال کیا ہے جو کہ پولیس ملازم ہے۔

اس مقدمہ سے اس کی بدنیتی واضح ہے کہ وہ میرے والد عنایت مسیح کے زیر قبضہ احاطہ پر قبضہ جمانا چاہتا تھا۔ مجھے اس جھوٹے مقدمہ میں گرفتار کروانے کے بعد اس نے

میرے والد کے زیر قبضہ احاطہ پر 26 فروری 1997ء کو قبضہ کر کے استغاثہ کے گواہ نمبر ایک رشید احمد پٹواری کی ملی بھگت سے 31 مئی 1997ء کو اس احاطہ کا انتقال اپنے نام کروالیا تھا۔ شکایت کنندہ نے یہ ساری کارروائی اس وقت کی جبکہ میں اس جھوٹے مقدمہ کی وجہ سے ساہیوال ڈسٹرکٹ جیل میں قید ہو چکا تھا۔ اپیل کے خلاف دلائل دیتے ہوئے ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل نے دستیاب شہادتوں کی بناء پر ٹرائل کورٹ اور ہائی کورٹ کی جانب سے ملزم کو سزائے موت دیئے جانے کے حق میں اپنے دلائل میں کہا کہ توہین رسالت کو جرم ''حد'' نہیں ہے (کہ تزکیۃ الشہود کا تقاضا پورا کیا جاتا ہے) اور یہ زیر بحث فیصلہ قابل استثناء نہیں ہے۔

جبکہ فاضل عدالت کو اپیل کنندہ ایوب مسیح کے فاضل وکیل جناب عابد حسین منٹو کی یہ دلیل متاثر کن محسوس ہوتی ہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے محمد اسماعیل بنام پاکستان (PLD 1991 Federal shariat Court 10) میں اپنے فیصلہ میں طے کر دیا تھا:

"That the offence of blasphemy C was an-envisaged by section 295 offence liable to Hodd and was obligatory in" "Thzkia-tul-shahood view of the observation made in Federal (PLD 1991 "Sanaullah v the stat the, therfore (Shariat Court 186 prosecution evidence on which the two judgments of conviction were based was ot legally admissible having not been tested on the touchstone of Tazkia-tul-Shahood"

ترجمہ: یہ کہ دفعہ 295 سی کے تحت آنے والا توہین رسالت کا جرم، مستوجب حد جرم ہے اور ثناء اللہ بنام سرکار (پی ایل ڈی 1991 وفاقی شرعت عدالت 681) میں

فاضل عدالت نے یہ طے کر دیا تھا کہ حد کے مقدمہ میں تزکیۃ الشہود لازمی شرط ہے۔اس کے نتیجہ میں استغاثہ کی شہادت جس کی بناء پر سزائے موت دینے کے دو فیصلے (ٹرائل کورٹ اور ہائی کورٹ نے) دیئے تھے، قانونی طور پر قابل قبول نہ تھی کیونکہ اس تزکیۃ الشہود کے معیار پر پرکھا ہی نہیں گیا تھا۔

فاضل عدالت اعظمیٰ نے ٹرائل کورٹ، ملتان کے ڈویژن بینچ کی جانب سے ملزم کی دفعہ (2)340 ضابطہ فوجداری کے تحت اپنی بریت کے حق میں حلفیہ بیان دینے سے انکار کو اس کے اعتراف سے تعبیر کرنے سے بھی اتفاق نہیں کیا۔فاضل عدالت نے اپنے فیصلہ میں قرار دیا کہ سپریم کورٹ یہ پہلے ہی امیر بنام فیاض احمد کیس (Sc 787PLD 1991) میں طے کر چکی ہے کہ اس دفعہ کا ملزم پر کوئی اجباری اثر نہیں ہے۔اس دفعہ کا اثر صرف اتنا ہے کہ عدالت ملزم کو حلف پر بیان دینے کے لیے کہہ سکتی ہے کہ کیا وہ ایسا کرنا چاہے گا۔ یہ اس (ملزم) کا اختیار ہے کہ حلف پر بیان دے یا نہ دے۔اگر وہ حلف پر بیان نہ دے تو اس کے انکار کو اس کے خلاف ثبوت جرم کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

Sc(PLD 1993In Munawar Ali v State it was held that adverse inference (251 cannot be drawn if accused declines to make statement in his defence on oath The view was reiterated in Javid v The (SC 679) PIC 1994stat

ترجمہ: منور علی بنام سرکار (پی ایل ڈی 1993ء سپریم کورٹ 251) میں یہ فیصلہ دیا گیا تھا کہ اگر ملزم حلف پر بیان دینے سے انکار کر دے تو اس سے الٹا نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔اسی قانونی نکتہ کو اس عدالت عظمیٰ نے جاوید بنام سرکار (پی ایل ڈی 1994ء سپریم کورٹ 279) میں بھی دہرایا تھا۔

اپیل کنندہ کے وکیل جناب عابد حسین منٹو کی اس دلیل سے بھی عدالت عظمیٰ نے اتفاق کیا کہ وقوعہ دن 3 بجے سہ پہر ہوا تھا۔ مدعی مقدمہ اور اس کے ساتھیوں نے ملزم کو موقع پر ہی دبوچ لیا تھا۔ وہ اسے ٹرالی میں ڈال کر تھانے لے گئے مگر اس کے خلاف توہین رسالت کے الزام میں ایف آئی آر رات 10 بجے درج کروائی حالانکہ جائے وقوعہ سے تھانے کا فاصلہ صرف 8 کلومیٹر تھا۔ ایف آئی آر درج کروانے کے لیے وہ علاقہ کے معززین کو بھی ہمراہ لے گئے، یہ قابل توجہ تاخیر انہیں ملزم کے خلاف اس مقدمہ کی منصوبہ بندی کرنے میں ہوئی۔ یہ تاخیر بھی اس مقدمہ کو بدنیتی پر مبنی ظاہری کرتی ہے مگر ٹرائل کورٹ اور معزز ہائی کورٹ نے اس نکتہ سے صرف نظر کر دیا تھا۔

عدالت عظمیٰ نے اپیل کنندہ کے فاضل وکیل کے اس نکتہ کو بھی درست تسلیم کیا کہ ان کے موکل کو سزائے موت دینے کے لیے ٹرائل کورٹ اور پنجاب ہائی کورٹ، ملتان کے ڈویژن بنچ کے فاضل ارکان نے مقدمہ کے دو گواہان شکایت کنندہ اور محمد ذوالفقار کی شہادت پر اعتماد کیا ہے حالانکہ ان کا مفاد یہ مقدمہ درج کروانے سے ثابت ہو چکا ہے۔ اس وجہ سے ان کی شہادت سزائے موت دینے کے لیے ٹھوس بنیاد نہیں بنتی۔ اس عدالت نے مقدمہ کا سارا ریکارڈ اور شواہد بڑی احتیاط سے ملاحظہ کیے ہیں اور فریقین کے دلائل بڑی توجہ اور اشتیاق سے سنے ہیں۔ ان کی روشنی میں یہ عدالت اس فیصلہ پر پہنچی ہے کہ اپیل کنندہ، مقدمہ کے میرٹ کی بنیاد پر بریت کا حقدار ہے۔ لہٰذا اس بحث کی ضرورت ہی نہیں کہ دفعہ 295 سی کے تحت جرم مستوجب حد ہے۔ اپیل منظور کرتے ہوئے عدالت اس کے جرم اور اس کی پاداش میں دی گئی سزا کو ختم کرتی ہے۔ اگر وہ کسی اور کیس میں ماخوذ نہ ہو تو اسے رہا کر دیا جائے۔

☆☆☆

اس مقدمہ کے حقائق و واقعات اور فریقین کے دلائل کو ہم نے قدرے تفصیل

سے بیان کیا ہے۔ اس سے قارئین ہمارے نظام عدل سے ملزم یا مجرم کو اعلیٰ عدالتوں کی مختلف سطحوں پر اپیل کرنے کا حق دیئے جانے کی حکمت کو بہتر طور پر سمجھ چکے ہوں گے۔ انہیں یہ جاننے کا بھی موقع ملا ہے کہ ٹرائل کورٹ اور بعض اوقات ہائی کورٹ کے جج صاحبان کی قابلیت اور صلاحیت کے باوجود ان کے فیصلوں میں ایسے قانونی نقائص رہ جاتے ہیں جن کی وجہ سے ان کے فیصلے سپریم کورٹ میں جا کر برقرار نہیں رہ سکتے۔ اس مقدمہ میں ان ماتحت عدلتوں نے مقدمہ کے دنراج میں معنی خیز تاخیر، معززین علاقہ کے مقدمہ کے اندراج میں اثر ورسوخ کا استعمال، مقدمہ کے اندراج میں شکایت کنندہ کے رشتہ دار پولیس ملازم کا کردار اور شکایت کنندہ کا ملزم کے والد کے زیر قبضہ احاطہ پر قبضہ اور اپنے نام انتقال کروانے کے علاوہ اس میں مقدمہ میں بنیادی الزام کو مشکوک بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اتنے زیادہ شکوک وشبہات کی موجودگی میں سپریم کورٹ کے لیے ملزم ایوب مسیح کی سزائے موت کو برقرار رکھنا ممکن نہ تھا۔ اس مقدمہ میں حتمی فیصلہ کے مطالعہ سے ہم نے بھی یہ جانا ہے کہ اگر توہین رسالت کے مقدمات کے اندراج کے پیچھے شکایت کرنے والوں کے گھٹیا مادی مفادات کے عنصر یونہی کارفرما رہے گا تو 964 کیا، نوے ہزار ایسے مقدمات بھی درج کروا لیے جائیں تو کسی ایک ملزم کو بھی اس سنگین جرم کی پاداش میں عملی طور پر سزائے موت نہیں دی جا سکے گی۔

ان مقدمات کے فیصلوں کے مطالعہ سے ایک بار پھر یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ گئی ہے کہ مغربی ممالک کے دعویٰ کے برعکس توہین رسالت کا پاکستانی قانون بے گناہ مسلمانوں کی طرح غیر مسلم اقلیتوں کے بھی تحفظ کا ضامن ہے۔ مسیحیوں کے خلاف 119 مقدمات کے مقابلے میں اس دفعہ 295 سی کے تحت مسلمانوں کے خلاف 479 مقدمات کا اندراج اور کسی ایک مقدمہ بھی کسی بھی مذہب کے ماننے والے بے گناہ انسان کو اس دفعہ کے تحت سزائے موت عملی طور پر نہ دی جا سکنا ثابت کرتا ہے کہ پاکستان میں اس دفعہ کا

مذہبی بنیادوں پر امتیازی اطلاق نہیں ہو رہا۔ توہین رسالت کے جرم کے الزام میں درج کروائے گئے مقدمات کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اعلیٰ عدلیہ ایسے مقدمات کے پیچھے کارفرما گھٹیا مقاصد سے پردہ اٹھانے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ اس صلاحیت کو بروئے کار لا کر اس نے بے گناہ انسانوں کو سزائے موت دلوانے کی ہر کوشش ناکام بنادی ہے۔ اگر کسی ملکی قانون کی خلاف ورزی کا الزام بلا شک وشبہ ثابت ہو جائے تو دنیا کے دیگر ممالک کی عدلیہ کی طرح ہماری معزز عدلیہ بھی کسی مجرم کو قرار واقعی سزا دینے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کرے گی۔ یہاں یہ عرض کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ دفعہ 295 سی کے تحت وہین رسالت م آ ب حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جرم نا قابل ضمانت ہے۔ کسی بھی شہری کے خلاف جب اس دفعہ کے تحت ایف آئی آر درج ہو جاتی ہے تو ضابطہ فوجداری کے تحت ولیس اسے فوراً گرفتار کر لیتی ہے۔ وہ ملزم اس وقت تک قید ہی میں رہتا ہے جب تک ہائی کورٹ مقدمہ کے مشکوک پہلوؤں کی بنیاد پر اس کی درخواست ضمانت منظور نہیں کر لیتی یا اعلیٰ عدلیہ اسے الزام سے بری کر کے رہا کرنے کا حکم نہیں دے دیتی۔ اس وجہ سے سینکڑوں ملزمان دس دس سال تک جیلوں میں پڑے حتمی فیصلہ کا انتظار کرتے رہتے ہیں، بعد میں الزام غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ یہ اذیت ناک صورت حال اس سنگین الزام کا سامنا کرنے والے مسلمانوں کی طرح اقلیتوں کو بھی درپیش ہے۔ ایسا ضابطہ فوجداری میں نقائص کے باعث ہو رہا ہے، نہ کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 سی کو ختم کرنے کے لیے غیر ملکی قوتوں کی ہمنوائی کر رہی ہے۔ تاہم کسی بھی بیرونی دباؤ کے باوجود کسی بھی حکومت کے لیے یہ دفعہ ختم کرنا ممکن نہیں۔ اس کی وجوہ ہم شروع میں بیان کر چکے ہیں۔ البتہ اس دفعہ کے لیے ارکان پارلیمنٹ پر زور ڈالنا چاہیے تاکہ ممکنہ طور پر کسی بے گناہ شخص کو حتمی فیصلے سے پہلے دس پندرہ سال کی طویل قید سے بچایا جا سکے۔ یہ اسلام کے بھی نظام عدل کا ضروری تقاضا ہے کیونکہ کسی جرم کے وقوع کے اٹل سواہد کے بغیر کسی شخص کو طویل قید میں رکھنا اسلامی شریعت میں قطعاً جائز نہیں ہے۔

باب: دوم

غازی ممتاز قادری شہید

(سیرت و کردار)

عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داستانِ حیات	والد بشیر اعوان کی زبانی
خودنوشت غازی شہید	ملک ممتاز حسین قادری
ممتاز حسین قادری کی سیرت کی چند جھلکیاں	ملک دلپذیر اعوان
شہید کی جو موت ہے	میاں فاروق مصطفائی

عاشق رسول ﷺ کی داستانِ حیات

والد بشیر اعوان کی زبانی

میرے روزگار کا تعلق تعمیرات سے رہا ہے۔ میں نے ساری زندگی اسی کام سے رزق حلال کمایا۔ پہلے خود مستری کا کام طویل عرصہ کیا، پھر ٹھیکیداری بھی کی۔ میری اپنی گلی کے کئی مکان میرے ہاتھ سے بنے ہیں۔ سی ایم ایچ راولپنڈی کا آپریشن تھیٹر بھی میرے ہاتھ کا بنا ہوا ہے۔ 1978ء میں، میں بحرین چلا گیا۔ بحرین سے جب میں پہلی دفعہ راولپنڈی آیا تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ویسے تو ہمارا آبائی علاقہ اسلام آباد کے موجودہ سیکٹر جی سیون ون کی جگہ پر تھا اور میرے دادا، دادی کی قبریں اب بھی سابق سینیٹر اور مسلم لیگ (ن) کے مرکزی رہنما سید ظفر علی شاہ کے گھر کے قریب واقع ہیں۔ اب ہمارے گاؤں کے زیادہ تر باسی ''اٹھال'' میں مقیم ہیں۔ میں چھٹی کے دوران وہاں ایک فاتحہ خوانی کے لئے گیا تھا۔ رات کو بہت دیر سے جب پیدل اپنے گھر سے تقریباً ایک کلومیٹر ایک ویرانے سے گزر رہا تھا تو مجھے راہ میں سوئے ہوئے ایک بندے کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میں نے اس بندے کو اٹھانے اور جگانے کی کوشش کی کہ اس سے پوچھوں کہ وہ یہاں جنگل میں کیوں سو رہا ہے؟ لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ چند منٹ کی کوشش کے بعد یہ سوچ کر کہ یہ تو مرا پڑا ہے، اگر کوئی اور آدمی اس دوران اچانک آ گیا تو اسے مارنے یا قتل کرنے کا الزام مجھ پر آئے۔ میں نے چلنے کا ارادہ کیا اور واپس مڑا۔ اچانک اس شخص میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے کہا کہ ڈر گئے ہو؟ میں نے منہ اس کی طرف کیا اور کہا کہ ڈرا تو نہیں ہوں، لیکن تم اس ویرانے میں کیوں سو رہے ہو؟ میرے ساتھ میرے گھر چلو،

کھانا بھی کھلاؤں گا۔ اس نے کہا، کیا کھلاؤ گے؟ میں نے جواب دیا کہ دال ساگ ہوگا، خود بھی کھاؤں گا تمہیں بھی کھلا دوں گا۔

اس پر آدمی جو خاصا گول مٹول اور وزنی تھا، اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ ہاں تمہارے گھر کے کمرے میں ایک شیڈ پر تمہارے لئے دال اور ایک روٹی پڑی ہے۔ میں ان کی بات پر بہت حیران ہوا اور مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کوئی ولی یا قلندر ہے۔ میں بھرپور اور طاقتور آدمی تھا۔ میں نے ان کو بانہوں میں اٹھا لیا اور راستے میں دو ایک جگہ رکنے کے بعد انہیں اپنے گھر لے آیا۔ واقعتاً گھر میں دال پکی تھی اور ایک ہی روٹی تھی جو میں نے ان قلندر کو پیش کی۔ انہوں نے اس کے چار ٹکڑے کئے۔ ایک خود کھایا، ایک مجھے دیا اور دو ٹکڑے میرے والدین کو کھلانے کے لئے دیئے اور روانگی کا ارادہ کیا۔ جب میں نے رکنے کا کہا تو بولے کہ ابھی مجھے بہت سفر کرنا ہے۔ کشمیر سے ہوتے ہوئے دہلی جانا ہے اور پھر واپس لاہور داتا صاحب کے دربار پر حاضری دینی ہے۔ جاتے ہوئے کہا کہ میں تمہیں ایک خاص تحفے کی خوشخبری سناتا ہوں جو تمہیں کچھ عرصہ بعد ملے گا۔ میں دم بخود، حیران و پریشان رات کو دو بجے ان کو جاتا دیکھتا رہا۔ سوا، ڈیڑھ سال گزر گیا، اس دوران مجھے کئی بار خیال آیا کہ اس بزرگ کی دال روٹی والی بات تو درست تھی، دوسری بات پتہ نہیں کیا ہے۔

1985ء میں جب ممتاز حسین پیدا ہوا، میں گھر پر ہی تھا۔ اس سے پہلے دیگر اولاد کی پیدائش ہو چکی تھی لیکن اس بیٹے کی پیدائش پر مجھے اس قدر قلبی اور ذہنی سکون ملا کہ میرے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اس مرد قلندر نے جس خوشخبری کی بشارت دی تھی، یہ وہی ہے، محمد ممتاز حسین بچپن میں شرارتی بالکل نہیں تھا۔ میرے دیگر بچوں کے برعکس اس نے کبھی کوئی خاص فرمائش بھی نہیں کی۔ وہ جتنا اپنی ماں سے بے تکلف یا قریب تھا، اتنا ہی میرے قریب تھا۔ بعض اوقات وہ اپنی عمر سے زیادہ بڑی باتیں کرتا تھا۔ میں حیرت زدہ ہو کر سوچتا تھا کہ آئندہ کیا ہوگا؟ بعض اوقات کسی مسئلہ یا گھر میں مشاورت یا کوئی بات ہو

رہی ہوتی تو درمیان میں ممتاز بھی کچھ کہہ دیتا تھا اور آخر میں ہوتا وہی تھا جو وہ کہتا تھا۔ ممتاز جب 6,5 سال کا ہوا تو اسے محلے کے اسکول میں داخل کرادیا۔ تعلیم میں وہ بہت اچھا تھا۔ اس کی تعلیم کے حوالے سے یا کسی شرارت کے بارے میں کبھی اسکول یا محلے سے کوئی شکایت نہیں آئی جبکہ میرے دیگر بچے شرارتی تھے اور ان کی شکایتیں بھی آتی تھیں جس پر ہم انہیں ڈانٹتے بھی تھے لیکن مجھے نہیں یاد کہ ممتاز حسین کو کبھی میں نے زندگی میں ڈانٹا ہو یا اس کی کسی بات سے اختلاف کیا ہو۔

ممتاز حسین تیسری یا چوتھی جماعت میں تھا کہ نعت خوانی کرنے لگا۔ جمعرات کو ''امت'' کے صفحہ اول پر اس کی نعت پڑھتے ہوئے جو تصویر شائع ہوئی، یہ ڈاکٹر محمد نعیم کے گھر پر محفل میلاد کی تقریب تھی، جہاں وہ ہر سال شریک ہوتا تھا۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب ہمارے مہربان اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ میٹرک کے بعد میں نے ممتاز حسین کو سویڈش کالج میں ریڈیو انجینئرنگ کے ڈپلومے کے حصول کے لئے داخل کرادیا۔ تین چار ماہ گزرے تھے کہ ایک دن نظریں جھکائے میرے پاس آیا اور درخواست کرنے کے انداز میں کہا کہ ابوجی! مجھے کالج جاتے اتنا عرصہ گزر گیا، لیکن مجھے اس ڈپلومے کی الف ب کا بھی معلوم نہیں ہوا۔ اگر آپ اجازت دیں تو پولیس میں بھرتیاں آئی ہیں، میں درخواست دے دوں؟ میں نے اجازت دے دی لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اب سرکاری ملازمتیں بغیر سفارش کے نہیں ملتیں۔ اس کا جواب تھا کہ آپ اجازت تو دے دیں، میں نے کہا ٹھیک ہے۔ اس کے تین، چار ماہ بعد اس کا لیٹر آ گیا۔ سارا کام اس نے خود ہی کیا۔

ممتاز حسین دوڑ، تحریری ٹیسٹ اور جسمانی فٹنس میں اول آیا تھا۔ اسے خصوصی اسکواڈ میں ٹریننگ کے لئے بھیج دیا گیا۔ اس کی ابتدائی تنخواہ جو اسے 2008ء میں ملی، بائیس ہزار روپے سے کچھ زائد تھی۔ چائے، سگریٹ، نسوار یا گھر سے باہر کھانے کا اسے کوئی شوق نہ تھا۔ یہاں تک کہ فلم تو دور کی بات، گھر میں دیگر افراد اگر ڈرامہ دیکھ رہے ہوتے تو وہ

اسے فضول اور بے کار کہہ کر دوسری جگہ جا بیٹھتا۔ ڈیوٹی کے بعد اس کا زیادہ تر وقت گھر، مسجد یا کسی محفل نعت میں گزرتا۔ میلاد اور نعت خوانی کی محفلوں کی اسے بہت دعوتیں ملتی تھیں اور ہر ممکن حد تک وہ اس میں شریک ہوتا تھا۔ تمام بھائیوں کا کام بھی بہت شوق سے کرتا تھا۔ سروس کے ڈیڑھ دو سال بعد 2010ء میں اس کی شادی کی تاریخ فائنل ہوئی تو اس نے مجھے کہا کہ ابو جی! اس موقع پر میری بھی دو شرائط ہیں۔ میں نے کہا بتائیں۔ اس نے کہا کہ دلہن کا شادی کے دن کا جوڑا سادہ لباس ہوگا۔ دوسرے یہ کہ گانا بجانا اور دیگر فضول رسمیں نہیں ہوں گی بلکہ اس دن گھر پر محفل میلاد ہوگی۔ میں نے یہ شرائط تسلیم کر لیں۔

کچھ عزیزوں نے مخالفت بھی کی لیکن ہم نے گھر کی چھت پر میلاد کی محفل سجائی اور غازی کی دیگر شرائط کی بھی پابندی ہوئی۔ اب اس کی تنخواہ اٹھائیس ہزار روپے تھی لیکن جس دن تنخواہ لیتا تھا، اس رقم کا کافی حصہ وہ ضرورت مندوں میں تقسیم کر کے گھر آتا تھا۔ اس نے ہمیشہ رزق حلال کو ترجیح دی۔ اس کی سروس کے ابتدائی دنوں کا واقعہ ہے کہ اس کی ڈیوٹی راولپنڈی میں کسی وی آئی پی کے ساتھ تھی۔ پولیس لائن میں جب تمام اہلکار گئے تو انہیں کھانا دیا گیا۔ سب نے کھا لیا لیکن اس نے نہیں کھایا۔ اس کی اعلیٰ افسر کے پاس طلبی ہوئی کہ دیگر سکیورٹی اہلکاروں کے ساتھ مل کر کھانا کیوں نہیں کھایا؟ اس نے کہا کہ سر میری ملازمت کی شرائط میں مجھے کھانا فراہم کرنے کی ذمہ داری حکومت کے ذمہ نہیں ہے۔ میں گھر سے اپنا دوپہر کا کھانا ساتھ لاتا ہوں اور بوقت ضرورت کھا لیتا ہوں۔ اس جواب پر اسے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ وہ ویسے ہی بہت کم کھاتا تھا۔ سبزی دال وغیرہ پسند تھی لیکن میں نے نہیں سنا کہ اس نے کبھی کھانے کے بارے میں گھر میں کوئی فرمائش کی ہو۔ وہ بچپن ہی سے غازی تھا۔ تلاوت اور نعت خوش الحانی سے اور پوری قوت سے پڑھتا تھا۔ بچپن میں دو تین بار دوسری منزل سے نیچے گرا لیکن اللہ نے اسے محفوظ رکھا۔

غازی ممتاز شہید نے جس دن سلمان تاثیر کو قتل کیا، اس دن وہ ساڑھے سات

بجے ڈیوٹی پر گیا۔ اس نے دو ماہ سے اپنی تنخواہ بینک سے نہیں لی تھی۔ اس نے مجھے کہا کہ میں آج جلدی گیارہ، ساڑھے گیارہ بجے تک آ جاؤں گا اور پھر بینک سے رقم لے کر گاؤں جاؤں گا اور وہاں سے گاڑی پر لکڑیاں لے آؤں گا کیونکہ ان دنوں سردی شدید تھی اور گیس کا مسئلہ تھا۔ میں نے اسے منع کر دیا اور کہا کہ لکڑیاں یہاں سے مل جاتی ہیں۔ اس مقصد کے لئے گاؤں جانے کی ضرورت نہیں۔ اس نے کہا جی ٹھیک ہے، لکڑیاں نہیں لاتا۔ ویسے ہی گاؤں چلا جاؤں؟ میں نے اسے اجازت دے دی اور وہ ڈیوٹی پر روانہ ہو گیا۔ مجھے اس دن ہلکا بخار تھا۔ کوئی گیارہ بجے میں گھر سے باہر نکلا۔ کچھ دیر گھر کے قریب سبزی کی دکان پر گپ شپ کی، پھر واپس آ گیا۔ ظہر کی نماز پڑھی اور ڈھائی بجے کمبل لے کر لیٹ گیا۔ چار بجے گھر میں موجود تمام افراد روتے ہوئے میرے پاس آ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ ممتاز نے گورنر کو قتل کر دیا ہے۔ اس کی تصویر اور نام کی پٹی ٹی وی پر چل رہی ہے۔

میں نے جب دیکھا تو اپنا بخار بھول گیا۔ سب سے کہا گھبراؤ نہیں۔ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرم فرمائیں گے۔ سب لوگ وضو کر کے دو دو نفل پڑھو۔ اسی دوران محلے دار اور قرب و جوار کے رہائشی رشتہ دار آ گئے۔ اکثر کا یہی مشورہ تھا کہ فوراً سب لوگ گھر سے نکل جاؤ اور غائب ہو جاؤ لیکن میں نے انکار کر دیا اور بیٹوں سے بھی کہا کہ کسی کو کتنا بھی ضروری کام ہو، اب کوئی گھر سے باہر نہیں جائے گا۔ پانچ ساڑھے پانچ بجے کا وقت ہو گا کہ گھر کے باہر پولیس اور میڈیا والے آ گئے۔ کچھ دیر بعد اس وقت کے آئی جی اسلام آباد بنیامین بھی پہنچ گئے اور مجھے باہر بلا کر کہا کہ ہم گھر کے اندر آ سکتے ہیں؟ میں نے کہا کہ ضرور آئیں، لیکن آپ کے ساتھ کوئی دو افراد آ جائیں۔ وہ خود اندر آئے اور پوچھا کہ ممتاز کا کمرہ کون سا ہے؟ ہم نے نشاندہی کی۔ وہ وہاں ہر چیز کو الٹنے لگے۔ انہیں ہر چیز بے مقصد لگی، لیکن کمرے میں موجود کتابیں لے جانے کا کہا۔ میں نے کہا بے شک لے جائیں، لیکن پھر واپس بھی کرنا۔ اس پر انہوں نے 3,2 کتابیں اٹھا لیں۔ ہم سے چند سوالات کئے اور گھر کے تمام مرد

حضرات کو ساتھ چلنے کا کہا۔ باہر نکلے تو پنجاب پولیس کی گاڑی میں بٹھا کر ہمیں صادق آباد تھانے لے جایا گیا۔ وہاں ہمیں پورا احترام دیا گیا۔ چند گھنٹے بعد تھانے کوہسار لے گئے، وہاں بھی کسی نے توہین آمیز سلوک نہیں کیا۔ کئی اعلیٰ افسران سمیت اس وقت کے وزیر داخلہ رحمن ملک بھی ہمیں تھانے کے ایک کمرے میں دیکھنے آئے۔ کچھ سوالات بھی افسران نے کئے۔ تھانہ کوہسار کے بعد ہمیں کسی اور جگہ لے جایا گیا اور 3,2 دن بعد ہمیں گھر آنے کی اجازت ملی۔

اس دوران ہمارے خاندان، جائیداد اور گاؤں کی پراپرٹی کا تین سو سال تک کا ریکارڈ کھنگالا گیا۔ محلے اور گاؤں میں مختلف لوگ، مختلف روپ میں ہمارے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہے، لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص کرم ہے کہ ہم کسی بھی موقع پر خوفزدہ نہیں ہوئے۔ پولیس کو ممتاز حسین کی واسکٹ سے ایک پرچی ملی تھی، اس کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ اسے کہاں سے ملی تھی؟ ہم نے کہا کہ ہمیں کچھ علم نہیں اور نہ کبھی ممتاز نے اپنے ارادے کا ہم سے اشارتاً بھی ذکر کیا۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ پچھلے دو، تین دنوں سے وہ پہلے سے تھوڑا زیادہ خاموش تھا۔ میں نے پوچھا بھی کہ کیا وجہ ہے؟ دفتر میں کوئی مسئلہ ہے؟ لیکن اس کا جواب تھا کہ کوئی پریشانی نہیں اور نہ دفتر میں کوئی مسئلہ ہے۔ ہمیں تو ٹی وی سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ہوا ہے۔

سلمان تاثیر کے قتل کے بعد بیٹے سے پہلی ملاقات کے حوالے سے ملک محمد بشیر اعوان کا کہنا تھا کہ ''چار جنوری کی رات ممتاز سے پہلی باقاعدہ ملاقات ہوئی تھی۔ اس سے پہلے جب ہمیں تھانہ کوہسار کے ایک کمرے میں بیٹوں کے ساتھ بٹھایا گیا تو دوسرے کمرے سے ممتاز کی نعت پڑھنے کی آواز آرہی تھی اور ہم دل ہی دل میں درود وسلام پڑھ رہے تھے۔ ہم نے پولیس اہلکاروں سے درخواست کی کہ ہمیں ممتاز کی بس ایک جھلک دکھا دیں، لیکن ایسا ممکن نہ ہوسکا۔ البتہ انہوں نے ممتاز کو بتادیا کہ تمہارے والد اور بھائی تمہاری

نعت سن رہے ہیں۔ اس کے بعد جب ممتاز کو لے جایا جا رہا تھا تو ہم نے پشت سے اسے دیکھا۔ اس کے گھنٹہ ڈیڑھ بعد جب کسی دوسرے مقام پر ہمیں لے جایا گیا اور ممتاز سے ملاقات کرائی گئی تو میں نے اپنے بیٹے کو سینے سے لگا کر سبحان اللہ، الحمد اللہ کے الفاظ کہے، جبکہ میرے سب سے بڑے بیٹے سفیر حسین کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس پر ممتاز نے کہا کہ بھائی جان! اگر آپ نے رونا ہے تو آپ سے ملاقات نہیں کروں گا۔ چنانچہ سفیر اپنے آنسو صاف کر کے آگے بڑھا اور دونوں بھائی بغلگیر ہو گئے۔''

ملک محمد بشیر اعوان نے اس موقع پر ایک اور اہم بات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ''غازی ممتاز حسین نے جب سلمان تاثیر کو قتل کیا تو پولیس اس پوری رات اس پر دباؤ ڈالتی رہی کہ وہ یہ خون کسی کے سر ڈال دے اور یہ بیان دے کہ اس نے یہ قتل کسی مذہبی جماعت، گروہ یا کسی عالم دین کے کہنے پر کیا ہے۔ یہ بیان دینے سے اس پر کیس کا وزن کم ہو جائے گا اور کچھ عرصے بعد اس کی رہائی ممکن ہو جائے گی۔ جب ممتاز قادری نے یہ مشورہ قبول نہ کیا تو اس وقت کے آئی جی اسلام آباد بنیامین نے مجھ سے کہا کہ اپنے بیٹے کو آنے والے خطرناک حالات سے آگاہ کریں اور کہیں کہ ہمارا مشورہ مان لے، فائدے میں رہے گا۔ میں نے جواب دیا کہ یہ عمل اسکا ہے، ہم سے اس نے مشورہ کیا تھا نہ کبھی اشارتاً بھی اس طرح کی بات کی۔ ہم نے تو اس واقعہ کو ٹی وی کے ذریعہ سنا۔ اب اگر وہ کہہ رہا ہے کہ اس نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب ایک گستاخ کو قتل کیا ہے تو میں اس پر کیوں دباؤ ڈالوں کہ وہ اس عمل میں کسی اور کو بھی شریک قرار دے؟

چار اور پانچ جنوری کی درمیانی رات آئی جی اسلام آباد بنیامین نے مجھے بلایا۔ اسی دوران چار پولیس اہلکار ممتاز حسین کو اپنے گھیرے میں لے کر اس کمرے میں داخل ہوئے۔ اس موقع پر آئی جی، ممتاز سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ ''ممتاز بیٹا! آپ ہمارے پیٹی بھائی ہو، مجھے احساس ہے کہ تمہاری شادی کو ڈیڑھ سال ہوا ہے۔ تم خوبصورت جوان

ہو، تمہارا چند ماہ کا بیٹا ہے، تمہارے بوڑھے والد ہیں۔ ہماری بات مان لو، اس میں صرف تمہارا ہی نہیں، تمہارے پورے خاندان کا فائدہ ہے، ورنہ کل تمہارے کم سن بیٹے کو کون سنبھالے گا اور تمہارے بوڑھے باپ کا سہارا کون بنے گا؟ جب آئی جی بنیامین کی بات ختم ہوئی تو ممتاز نے کہا سر! مجھے آپ دو سوالوں کا جواب دیں، پھر میں آپ کی بات کا جواب دوں گا۔ آئی جی نے اثبات میں سر ہلایا تو ممتاز نے کہا کہ آپ کے کندھے پر جو اسٹارز ہیں، آپ کی اہلیت اور قابلیت کی وجہ سے ہیں، لیکن یہ آپ کو کس کی مہربانی سے ملے؟ بنیامین صاحب نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے۔ ممتاز نے کہا کہ کیا اللہ پاک انہیں اتار بھی سکتا ہے؟ آئی جی نے کہا کہ بلاشبہ، کیوں نہیں۔ اس پر میرے قابل فخر بیٹے نے کہا کہ وہی اللہ جس نے آپ کو عزت دی اور یہ مقام دیا اور وہ اس مقام سے گرا بھی سکتا ہے، وہی میرے بیٹے اور میرے ابا جی کا نگہبان ہے۔ لیکن قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے میں آپ سے یہ سوال ضرور کروں گا کہ میں سلمان تاثیر کو قتل کرنے کے بعد اس کی ذمہ داری لے رہا تھا تو آپ میرے والد اور بھائیوں کو تکلیف کیوں دے رہے تھے؟ میرے ابا جی کو ملزم کی طرح کیوں بٹھا رکھا ہے؟ اس پر سابق آئی جی بنیامین نے پولیس اہلکاروں کو حکم دیا کہ ممتاز کو لے جائیں، جبکہ مجھ سے کہا کہ آپ بتائیں کہ آپ نے کہا جانا ہے؟ ہماری گاڑی آپ کو چھوڑ آئے گی لیکن اس کی نوبت ہی نہ آئی۔

باہر نکلے تو خاندان کے کافی افراد موجود تھے جو اپنی گاڑیوں میں آئے تھے۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر رات تین بجے ہم مسلم ٹاؤن اپنے گھر آ گئے۔ گھر کا منظر ہی اور تھا۔ باہر گلی میں بھاری تعداد میں پولیس اہلکار موجود تھے جن کا مؤقف تھا کہ وہ ہماری حفاظت کے لئے بیٹھے ہیں۔ اس پر میں نے انہیں تحریری طور پر آگاہ کیا کہ ہمیں آپ کی سکیورٹی کی ضرورت نہیں۔ ہمارا اللہ نگہبان ہے۔ آپ جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد پنجاب پولیس کے 70,60 اہلکار اور افسران ہماری گلی سے چلے گئے۔

کچھ دنوں بعد غازی کے والدان سے ملنے جیل گئے تو کیا دیکھا کہ غازی کے چہرے پر انتہائی رونق ہے۔ والد حیران ہوکر پوچھنے لگے بیٹا! ہم گھر والے پریشان ہیں اور آپ بالکل مطمئن ہیں، ہشاش بشاش ہیں، آخرایسی کیا وجہ ہے؟

غازی فرمانے لگے ابا جان! جب سے گرفتار ہوا ہوں، ہر رات تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باقاعدہ زیارت ہوتی ہے۔ محبوب رب العزت مجھے تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ غم نہ کر تیرا نبی تیرے ساتھ ہے۔

☆ ایک مفتی صاحب جن کا تعلق پنجاب سے ہے، وہ غازی صاحب سے ملنے گئے تو غازی صاحب نے کہا کہ کئی لوگ ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ آپ نے جو تاثیر کو قتل کیا ہے، یہ غلط اقدام تھا۔ آپ کو قانون ہاتھ میں نہیں لینا چاہئے تھا۔ یہ سن کر غازی صاحب فرمانے لگے کہ مفتی صاحب! ساری دنیا اس بات پر اکٹھی ہوجائے اور کہے کہ ممتاز قادری تم نے غلط کام کیا ہے مگر میں یہ کہوں گا کہ میں نے جو کیا صحیح کیا ہے۔

مفتی صاحب پوچھنے لگے کہ غازی صاحب! آپ کے پاس ایسی کون سی ڈگری ہے کہ آپ کا مؤقف اتنا مضبوط ہے؟ یہ سن کر غازی صاحب فرمانے لگے کہ مجھے میرے مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں تشریف لاکر فرماتے ہیں کہ ممتاز حسین تو نے جو کچھ کیا ہے، بالکل صحیح کیا ہے۔

☆ اتوار 28 فروری رات ساڑھے گیارہ بجے اہل خانہ کو یہ کہہ کر جیل لایا گیا کہ ممتاز قادری کی طبیعت اچانک بگڑ گئی ہے لیکن اہل خانہ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ انہیں آخری ملاقات کے لئے لایا گیا ہے۔ اہل خانہ نے ملاقات کے دوران انتہائی ہشاش بشاش دیکھا۔ چہرہ مسکراہٹ سے کھل کھلا رہا تھا۔

آخری ملاقات میں والد کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ دنیا میں لاکھوں کروڑوں باپ ہیں، پر آپ خوش نصیب ہو کہ آپکا بیٹا ناموس رسالت پر قربان ہونے جارہا ہے۔

خاندان والوں کو رونے سے منع کرتے ہوئے وصیت کی کہ میں اللہ کے محبوب ﷺ کی حرمت کے لئے اپنی جان دے رہا ہوں، رونا مت، فخر کرنا کہ یہ سعادت ہمارے خاندان کے فرد کے حصے میں آئی ہے۔

اپنی اہلیہ سے کہا کہ میرے بیٹے محمد علی قادری کو اسلام کا سچا سپاہی بنانا پھر اپنے بیٹے سے ہاتھ ملایا اور وعدہ لیا کہ تحفظ ناموس رسالت کے لئے اپنی جان قربان کر دینا۔ بیٹا کہنے لگا کہ بابا! آپ ہمارے ساتھ گھر چلو۔ غازی کہنے لگے کہ میں فجر کی نماز کے بعد گھر آ جاؤں گا۔ بیٹے کو والد اور بھائی کے سپرد کیا اور کہا کہ گستاخان رسول کے لئے ممتاز قادری پیدا ہوتے رہیں گے۔

جیل کے ذرائع کے مطابق عاشق رسول (ﷺ) کو جب پھانسی گھاٹ لے جایا جا رہا تھا تو اس وقت بھی ممتاز قادری مطمئن تھے اور چہرے پر مسکراہٹ تھی (دنیا گواہ ہے پھانسی کا سن کر قیدی کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں، پھانسی گھاٹ تک گھسیٹ کر لایا جاتا ہے) مگر میرا غازی مسکرا رہا ہے۔ تختہ دار پہنچنے کے دوران راستے میں انہوں نے اپنی پسندیدہ نعت پڑھی ؎

یا رسول اللہ ﷺ تیرے چاہنے والوں کی خیر
سب غلاموں کا بھلا ہو سب کریں طیبہ کی سیر
آفتوں کا رخ بدل دے اور بلائیں ان سے پھیر
دور تھے تو زندگی بے رنگ تھی بے کیف تھی
ان کے کوچے میں گئے تو زندگی اچھی لگی
مہر و ماہ کی روشنی مانا کہ اچھی ہے مگر
سبز گنبد کی مجھے تو روشنی اچھی لگی

ولادت رسول ﷺ کے دن پیر کی نسبت سے ہر پیر کو روزہ رکھنے کا معمول تھا۔

اس وقت روزہ کی حالت میں تھے۔ اہلکاروں سے باتیں کرتے ہوئے غازی ملت نے کہا کہ مجھے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بلا رہے ہیں۔ اب پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملنے کا وقت آ گیا ہے۔ مسکراتے ہوئے کہنے لگے، ان شاءاللہ میں کچھ دیر بعد تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دیدار کروں گا۔ میں خوش نصیب ہوں جو رب العزت نے مجھے یہ شرف عطا فرمایا۔ یہ الفاظ سن کر موجود اہلکار بھی رو پڑے۔

سفید لباس اور براؤن واسکٹ زیب تن کئے پیر کی صبح چار بجے جلدی جلدی تختہ دار کی طرف جانے لگے اور دوڑتے ہوئے پھانسی کے پھندے کو چومتے اور خود اپنے ہاتھوں سے پھندا درودوسلام پڑھتے ہوئے اپنے گلے میں ڈال دیا، جسے دیکھ کر سب حیران رہ گئے اور یوں یہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بارگاہ رسالت میں پہنچ گیا۔ محبوب کے قدموں میں پہنچ گیا۔ اور یہ تاریخ رقم کر گیا کہ:

نماز اچھی، زکوٰۃ اچھی مگر میں باوجود اس کے مسلمان ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں خواجۂ بطحا کی عزت پر، خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

یہ اک جان کیا ہے اگر ہوں کروڑوں
تیرے نام پر سب کو وارہ کروں میں

خود بڑھ کے پی لیا ہے شہادت کا تو نے جام
ممتاز قادری ہو تجھے قوم کا سلام
عشق نبی میں تو نے فدا اپنی جان کی
تاحشر اب کریں گے ترا لوگ احترام
واجب ہے تجھ پہ اپنے مقدر پہ ناز کر
اللہ نے بلند کیا ہے تیرا مقام
لرزے گا تیرے نام سے ہر دشمن رسول
کھائے گا خوف تجھ سے ہر ابلیس کا غلام

اللہ کے نبی پہ جو قربان ہو گئے
لکھا گیا ہے ایسے شہیدوں میں تیرا نام
دونوں جہاں میں جو تجھے رکھے گا سرخرو
عشق نبی میں تو نے کیا ہے کچھ ایسا کام
کہنا ادب سے امت عاصی کا بھی سلام
سینے سے جب لگائیں تجھے رحمت تمام

(ملک ممتاز حسین قادری شہید، شخصیت وسفر آخرت)

(مولانا محمد شہزاد قادری ترابی)

خودنوشت غازی شہید

ملک ممتاز حسین قادری

اسیر ناموس رسالت ﷺ غازی ممتاز حسین قادری کی یاد داشتوں کے اقتباسات اڈیالہ جیل راولپنڈی سے:

1۔ جب میں 7 سال کا تھا تو دعوتِ اسلامی کے بچوں، نوجوانوں اور بوڑھوں کو سفید کپڑے پہنے اور سر پر سبز عمامے شریف سجائے دیکھتا تو مجھے یوں لگتا کہ یہ لوگ آسمان سے اترے کوئی نورانی مخلوق یا پھر فرشتے ہیں جو اتنے ٹھنڈے، میٹھے میٹھے لہجے میں بات کرتے ہیں کہ نہ وقت کا زیاں ہوتا ہے اور نہ ہی وقت کا گمان ہوتا ہے۔

2۔ اور پھر جب 8 سال کی عمر میں مَیں نے بھی سفید کپڑے سلوا کر اور سر پر سبز عمامہ سجا کر محفلوں میں شرکت کرنا شروع کی تو میں اپنے آپ کو بھی اسی مخلوق کا ایک فرد تصور کرنے لگا اور پھر میرے دل و دماغ میں عشق مصطفی ﷺ کے نغمے گونجنا شروع ہو گئے۔

3۔ 10 سال کی عمر میں جو نعت رسول مقبول ﷺ ایک بار سن لیتا وہ مجھے زبانی یاد ہو جاتی جبکہ سکول کا انگریزی سبق مجھے 10-10 دن یاد نہیں ہوتا تھا۔

4۔ سبق یاد نہ ہونے کی صورت میں سکول میں اساتذہ کو انگریزی نظم کے بجائے نعت رسول مقبول ﷺ سنا دیتا تو ہر سزا سے بچ جاتا۔ ہوم ورک نہ کرنے کی صورت میں بھی اگر نعت رسول ﷺ سنا دیتا تو اساتذہ کی ہر سزا سے بچ جاتا۔

5۔ اساتذہ کی اس شفقت نے میری مزید حوصلہ افزائی فرمائی اور میرے دل میں نعت گوئی کا مزید جذبہ اور شوق پیدا کیا۔

6۔ 15 یا 16 سال کی عمر میں جب میرا دعوت اسلامی قبلہ پیر محمد الیاس عطار قادری رضوی دامت برکاتہم العالیہ کے دست مبارک پر بیعت ہوا تو ماں باپ کا بہت ادب کرتا، کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، ہمیشہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتا۔

7۔ فیضان مدینہ کراچی جانے کی بہت خواہش تھی لیکن مالی حالات نے سفر کی اجازت نہ دی، لیکن فیضان مدینہ جانے کی خواہش نے اڈیالہ جیل میں پہنچا کر انوار مدینہ سے سرفراز فرما دیا۔

8۔ یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ دن بہت جلد آنے والا ہے جب نیل کے ساحل سے اٹھنے والی دعوت اسلامی کی یہ صدائے حق کاشغر کے پہاڑوں، میدانوں کو چیرتی ہوئی کوہ قاف کے پہاڑوں اور روئے زمین میں بسنے والے ہر جن وانس کو اسلام کا شیدائی بنا دے گی۔

9۔ نعتیں پڑھنے سے سینہ پانی کی طرح نرم اور گہرا دل درخت کی طرح ہوا بھرا اور دماغ آسمان کی طرح وسیع اور شفاف ہو جاتا ہے۔

10۔ عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، غم مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، شوق مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، درد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، چاہت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصل میں معراج انسانیت ہے۔

11۔ اگر میں دنیا کا سب سے پہلا یا سب سے بڑا عجائب گھر بناتا تو اس میں سب سے پہلے قرآن مجید فرقان حمید کو سجاتا کیونکہ یہ عرش عظیم کے مالک کا روئے زمین والوں کے لئے عظیم اور حسین ترین تحفہ مبارکہ ہے۔ جسے دل سے پیار ہے اس کا بیڑا پار ہے۔

12۔ پیرومرشد کی نظر کرم اور اثر انگیز دعاؤں کی بدولت جیل کی کوٹھری جس کا سائز

6×8 ہے، اکثر ایک وسیع باغیچہ میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ دور دور تک پھول دار اور
پھل دار درخت ہی درخت نظر آتے ہیں۔ آسمان بھی نظر آتا ہے۔ چشمے بھی نظر
آتے ہیں اور پہاڑ بھی اور پرندے بھی سب کچھ نظر آتا ہے اور مل بھی جاتا ہے۔

13۔ جیل کی دیواروں کو اکثر ٹوٹا ہوا شگاف زدہ دیکھتا ہوں اور جیل کی سلاخیں اکثر ہوا یا پانی کی لہروں کی طرح راستہ دیتی رہتی ہیں۔

14۔ وہ تمام عاشقان مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ستاروں کی طرح حرف با حرف نظر آتے ہیں جو ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خاطر اور میری رہائی کے لئے قربانیاں دے رہے ہیں۔

15۔ یہاں مجھ گنہگار پر آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بے شمار کرم ہیں۔ تھوڑا ہوش وحواس گنوا دیتا ہے، قلم ہاتھ سے گر جاتا ہے اور ایک بار پھر جود و کرم کی بارش شروع ہوجاتی ہے۔

16۔ میں بہت زیادہ خوش ہوں آپ سب بھی چلے آ ؤ، سب اکٹھے مدینہ چلتے ہیں۔

17۔ اگر تختہ دار پر لٹکا دیا جاؤں تو میری وصیت ہے کہ مجھے غسل دعوتِ اسلامی کے میٹھے میٹھے پیارے اسلامی بھائی دیں۔

18۔ میرے جنازے کو میرے گھر والے اور اسلامی بھائی کندھا دینے میں پیش پیش ہوں۔

19۔ میری قبر زمین کے برابر ہو اور میرے قد کے برابر ہو۔

20۔ اگر ہو سکے تو جنت البقیع عرب شریف یا پھر جہاں والد گرامی اور زوجہ محترمہ کی خواہش ہو، دفن کیا جائے۔

21۔ بیٹے محمد علی قادری عطاری کو حافظ قرآن اور پھر باعمل عالم بنایا جائے۔ دینی تعلیم کے لئے دعوت اسلامی کے مرکز مدرسۃ المدینہ اور جامعۃ المدینہ کراچی میں داخل کروایا جائے۔

22۔ نماز جنازہ قبلہ پیر و مرشد محمد الیاس عطار قادری دامت برکاتہم العالیہ یا پھر قبلہ پیر حسین الدین شاہ صاحب پڑھائیں۔

23۔ اپنے آپ کو اکثر جیل سے باہر اپنے اہل خانہ اور اسلامی بھائیوں کی محفل میں شریک دیکھتا ہوں۔

24۔ جیل انتظامیہ کا رویہ میرے ساتھ اچھا ہے، کسی سے کوئی شکایت نہیں۔ اللہ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

25۔ روزنامہ اوصاف اور روزنامہ نوائے وقت کے مالکان اور تمام کارکنان سے دل بہت مطمئن اور خوش ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں مزید اسلام کا شیدائی اور پاکستان کا خیر خواہ اور حقیقی پاسدار بنائے۔ آمین ثم آمین۔

26۔ تمام بچوں، بوڑھوں، مردوں اور عورتوں سے التماس ہے کہ مدنی چینل دیکھتے رہیں۔ اس میں اصلاح و برکت کے بہت سے پروگرام ہیں جن سے آپ کی دنیا و آخرت بہتر ہو جائے گی۔ (دلپذیر اعوان)

27۔ ہمیشہ باوضو رہیں۔

ممتاز حسین قادری کی سیرت کی چند جھلکیاں

ملک دلپذیر اعوان

گستاخ رسول کو نیست و نابود کرنے کا درس:

29-9-2010 ٹھیک 4 بجے محمد علی مکا مارو محمد علی زور سے مارو محمد علی ان گستاخوں کو بہت زور سے اور غصے سے مارو جنہوں نے ہمارے نبی پاک، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاکے بنائے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کر رہے ہیں۔

یہ محمد علی کی پیدائش کا پہلا دن تھا اور ابھی وہ نوزائیدہ بچہ صرف 6 گھنٹوں کا تھا کہ اس کا باپ اور میرا بھائی اور امت مسلمہ کا آج کا ہیرو ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محافظ و مجاہد اور بارگاہ رسالت کا منتخب غلام، غازی ممتاز حسین قادری اپنے نوزائیدہ بچے کے دائیں ہاتھ کو بائیں طرف اور بائیں ہاتھ کو دائیں طرف لہرا لہرا کر اسے درس دے رہا تھا کہ گستاخانِ رسول کو نیست و نابود کر دو، انہیں واصل جہنم کر دو۔

میں (دلپذیر) تقریباً 60 فٹ دور داخلی دروازے پر کھڑا یہ عجیب و غریب ماجرا اور جنگ ہوتے ہوئے سن اور دیکھ رہا تھا اور ورطۂ حیرت میں پڑا ہوا تھا۔

اور جب مکا لہراتے ہوئے 6 گھنٹے کے نوزائیدہ بچے محمد علی قادری ولد غازی ممتاز حسین قادری کے چہرے پر غصے کے آثار نظر آنے لگے تو غازی صاحب مسکرانے لگے اور پھر نوزائیدہ کے جوش کو دیکھ کر غازی صاحب کی آواز میں بھی شدت آتی چلی گئی اور بچے کے چہرے کے تاثرات بھی عجب رخ اختیار کرتے چلے گئے۔

اور میں اس عجیب و غریب جنگ کو دیکھ کر کانپ کر رہ گیا۔ میں نے کوشش کی کہ

باپ بیٹے، عاشق اور غلام کے پاس جاؤں۔ مزید نزدیک جاؤں لیکن میرے پاؤں منوں بھاری ہو چکے تھے۔ میں بمشکل سیڑھیاں چڑھ کر کمرے میں داخل ہوا اور پھر مجھے کوئی ہوش نہ رہا اور پھر میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ محمد علی 24-25 سال کا ایک لمبا تڑنگا، خوبرو، مضبوط اور چاک و چوبند جوان تیز تیز کبھی ادھر بھاگ رہا ہے اور کبھی ادھر بھاگ رہا ہے۔ جو بھی اسے روک کر پوچھتا ہے کہ کیا بات ہے کیا ہوا لیکن نہ تو وہ کسی کی سنتا ہے اور نہ ہی کوئی جواب دیتا ہے۔ یہ دیکھ کر میں قریب جاتا ہوں اور بازو سے پکڑ کر یہی سوال دہراتا ہوں کہ جناب قادری صاحب! کیا ماجرا ہے؟ اور پھر میری آنکھ کھل جاتی ہے اور میرے کان میں اذان کی آواز آتی ہے، جو ممتاز حسین قادری اپنے نوزائیدہ محمد علی کو ہاتھوں میں اٹھائے اس کے کان میں دے رہے ہیں۔

غازی صاحب کی ولادت کی بزرگ نے بشارت دی:

ممتاز صاحب کی پیدائش سے تقریباً 2 سال قبل 1983ء میں والد محترم الحاج ملک محمد بشیر کی آنکھ کھلی تو انہوں نے دیکھا کہ کمرے کے جنوبی کونے میں باریش نورانی چہرے والے بزرگ نماز پڑھ رہے ہیں۔ والد صاحب بتاتے ہیں کہ میں حیران و پریشان ہو گیا کہ شدید سردی کی وجہ سے نہ صرف کمرے کا دروازہ بلکہ کھڑکی بھی بند کر کے سویا تھا تو یہ بزرگ کیسے اور کہاں سے اندر تشریف لے آئے؟ میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ان بزرگوں نے سلام پھیرا اور جائے نماز سے اٹھ کر خاموشی سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر جانے لگے۔ بیرونی دروازہ میرے بیڈ کے ساتھ تھا۔ دروازے سے باہر جانے سے پہلے بزرگ رکے اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا بشیر صاحب! جہاں ہم نے نماز پڑھی ہے وہاں ایک اللہ کا ولی اور عاشق رسول ﷺ پیدا ہوگا جو آپ کا نام پاکستان اور پوری دنیا میں روشن کرے گا اور اس کی ایک للکار سے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب چار سو کفر

کے ایوانوں میں زلزلہ طاری ہو جائے گا اور پاکستان کی نہ صرف نظریاتی سرحدیں بلکہ جغرافیائی سرحدوں کو بھی دوام حاصل ہو جائے گا۔ یہ فرمایا اور رخصت ہو گئے۔ میں بستر سے اٹھا اور نماز تہجد کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے وضو کیا اور وہاں ہی جہاں بزرگ نے نماز پڑھی تھی، نماز پڑھنا شروع کر دی، کیونکہ جائے نماز وہاں مستقل بچھی رہتی تھی۔ اس دن صبح بہت جلدی نمودار ہوئی اور میں اس دن کافی ہشاش بشاش تھا۔

کچھ دن تو یہ بات مجھے یاد رہی لیکن پھر میں بھول گیا اور اپنے کام کاج اور مزدوری میں مشغول ہو گیا اور پھر 1985ء کے سال کے پہلے مہینے کے پہلے دن یعنی 1-1-1985 کی صبح ممتاز صاحب کی پیدائش ہوئی اور عجب بات یہ تھی کہ ان کی جائے پیدائش اسی کمرے کا وہی جنوبی کونا تھا جہاں نورانی صورت والے بزرگ نے نماز پڑھی تھی اور جہاں ممتاز صاحب کی ولادت کا ذکر کیا تھا۔ یہ بات یاد آتے ہی میں بہت خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گیا اور بہت زیادہ خوش ہو گیا۔

لیکن عجب بات یہ تھی کہ ممتاز کا رنگ و روپ میرے دوسرے بچوں سے مختلف تھا۔ یعنی میرے دوسرے بچے صاف رنگ کے مالک تھے جبکہ ممتاز کا رنگ دھبا ہوا سانولہ تھا اور بال بھی گھنگھریالے تھے۔ میں یہ تضاد دیکھ کر مزید حیرت میں ڈوب گیا اور اس نوزائیدہ کو اللہ رب العزت اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحفہ جانتے ہوئے خوب مٹھائی تقسیم کی اور ختم قرآن اور میلاد کی محفل کا انعقاد کیا۔

ممتاز نے گھریلو حالات بھی ممتاز کر دیئے:

جوں جوں ممتاز صاحب بڑے ہوتے گئے، گھر کے حالات بہتر سے بہتر ہوتے چلے گئے۔ ممتاز حسین کی پیدائش سے پہلے میرے تمام بچے بے روزگار تھے۔ گھر کا سارا خرچہ مجھ ناتواں کے کندھوں پر تھا۔ میں دیہاڑی دار مزدور تھا۔ سارا دن ریت، سیمنٹ میں

مزدوری کرتا اور 10 بچوں+ممتاز صاحب (11) بچوں کو خون پسینے کی کمائی ہوئی رزق حلال کی روٹی کھلاتا۔

ممتاز صاحب کی پیدائش کے بعد جب اچانک میرے دو بچوں کو محکمہ PTCL میں نوکری ملی تو میری خوشی دیدنی تھی۔ایک تو اکٹھے ہی دو بچوں کو روزگار اور وہ بھی ایک اچھے محکمے PTCL میں جہاں تنخواہ بہت اچھی تھی۔

میرے ناتواں جسم میں ایک نئی جان پڑ گئی۔میں اور زیادہ محنت سے کام کرنے لگا۔ایک ویران،تنگ دست گھرانے میں خوشیوں کے شادیانے بجنے لگے۔ایک دوسرے کو ہنستا ہوا دیکھ کر ہم خوب ہنسنے مسکرانے لگے۔

اور پھر تقریباً دو سال کے وقفے سے دو اور بچوں کو بھی اکٹھے ہی روزگار میسر آ گیا اور اب گھر کے حالات بدلنے شروع ہو گئے۔پہلے سردیوں میں رات کو آٹے والی بوری اوڑھ کر سوتے تھے،اب رضائی آ گئی تھی۔بچوں کو بھی سردیوں میں سردی سے بچانے کے لئے آٹے والی بوریاں سی کر اوپر اوڑھنے کے لئے دی جاتی تھیں لیکن اب رضائیاں آ گئی تھیں۔

پہلے روٹی لکڑی جلا کر پکاتے تھے،اب گیس لگوالی تھی۔سوکھی روٹی کے بجائے اب بچوں کو گھی والے پراٹھے ملنے لگے تھے۔نئے بستر اور کچھ برتن بھی آئے تھے۔چند کرسیاں اور میز بھی خرید لئے گئے تھے۔گھر کی کچی دیواروں اور چھت،جو کہ مٹی کی تھی انہیں پختہ کرنے کا بھی انتظام ہو گیا تھا۔غرض یہ کہ وہ سارے خواب جو ایک غریب محنت کش اپنی اولاد کے متعلق سوچ سکتا ہے،پورے ہونا شروع ہو گئے تھے۔

میرے ان تمام خوابوں کو تعبیر دینے والا وہ کالا سانولہ میرا آخری بچہ ممتاز حسین قادری تھا۔یہ بات شاید میرے علاوہ نہ کوئی جانتا تھا اور نہ ہی سمجھ سکتا تھا۔

تعلیم و تربیت:

دونوں بڑے بچوں سفیر اعوان اور دلپذیر اعوان کی شادی کے بعد ممتاز صاحب کو علاقہ کے ایک اچھے انگلش میڈیم سکول میں داخل کرادیا گیا تھا لیکن کیا خبر تھی کہ وہ تو سر سے پاؤں تک عربی میڈیم ہے۔

پہلی کلاسوں میں ممتاز صاحب خاموش طبع اپنے کام سے کام رکھنے والے بغیر کسی کی مدد کے سکول کے لئے تیار ہو جانا اپنا ہوم ورک بغیر کسی کی مدد کے کر لینا جیسے مشاغل میں تھے۔ جب کلاس پنجم میں پہنچے تو نعتیں پڑھنا شروع کر دیں۔ محافل میں جانا شروع کر دیا۔ جسم اور لباس کو صاف رکھنا شروع کر دیا۔ خاموشی مزید بڑھتی چلی گئی۔

جب ششم میں پہنچے تو قد کاٹھ میں سے اوپر جا رہے تھے اور لحیم شحیم بھی تھے۔ اب سر پر عمامہ شریف باندھنا شروع کر دیا۔ ہر وقت مسکراتے رہتے۔ کسی بات کا برا نہ مناتے۔

دنیائے اہلسنت کی عظیم روحانی شخصیت کا مرید ہونا:

جب دہم میں پہنچے تو امیر دعوت اسلامی جناب مولانا محمد الیاس قادری عطاری رضوی دامت برکاتہم العالیہ کے در پر بیعت ہو گئے اور دوسروں کو بھی امیر دعوت اسلامی سے بیعت ہونے کی ترغیب دینا شروع کر دی جس کی بدولت گھر اور باہر سے بہت سے لوگ امیر دعوت اسلامی کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔

اب وہ دور شروع ہوا کہ انگریزی پڑھائی سے دل اچاٹ ہو گیا۔ زیادہ تر محافل میں شرکت کرتے۔ پڑھائی پر کم توجہ دیتے۔ یہاں تک کہ ایک دن مجھ سے کہا کہ مجھے سکول کے بجائے مدرسہ میں داخل کروا دیں اور اگر ممکن ہو تو مجھے مدرسۃ المدینہ کراچی بھجوا دیں۔

لیکن وقت کی نزاکت اور حالات کے پیش نظر میں نے انہیں تعلیم جاری رکھنے کا کہا اور دیگر بھائیوں نے بھی پڑھائی جاری رکھنے کا کہا۔ بمشکل راضی ہوئے اور پھر میٹرک کرنے کے بعد انہیں سویڈش ٹیکنیکل کالج سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی میں سول مکینیکل میں

داخل کروا دیا گیا۔ پہلا سال تو کالج میں بہت اچھا رہا لیکن دوسرے سال سے شکایتیں آنے لگیں کہ بچہ غیر حاضر رہتا ہے۔ جب پوچھا گیا تو پتہ چلا کہ ممتاز صاحب کالج کے بجائے محافل میں چلے جاتے ہیں جس کی وجہ سے پڑھائی کا نقصان ہو رہا ہے۔ ابھی یہ معاملات چل ہی رہے تھے کہ پنجاب پولیس میں بھرتی کا شیڈول جاری ہوا۔

پولیس میں بھرتی ہونا:

اس وقت ممتاز صاحب 18 سال اور تقریباً 2 ماہ کے ہی تھے کہ راولپنڈی پولیس میں بھرتی ہو گئے۔ بعد میں جب ممتاز صاحب ایک سال کی ٹریننگ کے لئے لاہور چلے گئے تو مجھے تنہائی اور جدائی کا شدید احساس ہوا۔ میں دوسرے بچوں سے چھپ کر اور انہیں بتائے بغیر ممتاز صاحب سے ملنے چلا جاتا اور پھر واپسی پر بیگم اور بچوں کو اس لئے نہ بتاتا کہ وہ ناراض ہوں گے کہ اتنا خرچہ کرنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ ممتاز ایک ماہ کے بعد چھٹی پر آ ہی جاتا ہے۔ بہرحال میں نے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب تک کہ ممتاز صاحب کی ایک سال کی ٹریننگ ختم نہ ہوگئی۔

ٹریننگ سے واپسی پر ممتاز صاحب نے پولیس کے مختلف سٹیشن پر ڈیوٹی کی۔ ہر پولیس آفیسر انہیں بہت پسند کرتا تھا کیونکہ ایک تو یہ وقت کے بہت پابند تھے۔ دوسرا ہمیشہ وردی میں رہتے۔ باادب اور انتہائی ملنسار تھے۔ چوتھا ڈیوٹی اور فرائض میں قطعاً کوتاہی یا چوری نہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ نماز کے اوقات میں جو وقت خرچ ہو جاتا وہ الگ سے ڈیوٹی ادا کر کے اپنا وقت پورا کر دیتے تھے۔ پولیس کے ہر جوان اور آفیسر کی خواہش تھی کہ ممتاز صاحب اس کے ساتھ رہیں لیکن ممتاز صاحب کی خواہش کیا تھی اور وہ کس کے ساتھ رہنا چاہتے تھے، یہ شاید کوئی نہیں جانتا۔ جہاں تک میرے علم میں ہے ان کا حلقۂ احباب بہت کم تھا۔

کمانڈو کورس:

2006ء میں ممتاز صاحب ایلیٹ کورس (کمانڈو کورس) کرنے لاہور چلے

گئے۔ وہاں انہوں نے انتہائی امتیازی صلاحیتوں کے ساتھ کمانڈو کورس مکمل کیا۔ ایک بات جوان کے کمانڈو کورس کے دوران مشہور ہوئی کہ ممتاز صاحب نشانہ باز بہت اچھے تھے۔ یہاں تک کہ چلتے ہوئے اور بھاگتے ہوئے بھی اور آنکھیں بند کر کے بھی صحیح نشانہ لگا سکتے تھے۔ اس خوبی کی بنیاد پر کمانڈو تربیت دینے والے اساتذہ اُن کی بہت قدر کرتے تھے اور آج بھی گاہے بگاہے خیریت پوچھتے رہتے ہیں۔

دوران تربیت کمانڈو کورس کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ کمانڈو کورس کے آخر میں ایک آخری امتحان ہوتا ہے جس میں دو کمانڈو کو فوری طور پر لڑایا جاتا ہے جس میں وہ ایک دوسرے کا بازو بھی توڑ سکتے ہیں اور سر بھی پھوڑ سکتے ہیں۔ ان دو کمانڈو کو اس وقت تک کمانڈو کورس میں پاس نہیں کیا جاتا جب تک کہ دونوں میں سے کسی ایک کا بازو نہ ٹوٹ جائے یا پھر لڑائی کے دوران سر نہ پھٹ جائے، یا پھر دونوں زخمی نہ ہو جائیں۔ بہرحال دونوں میں سے کوئی ایک بھی شدید زخمی ہو جائے تو دونوں کمانڈو کو یہ کہہ کر پاس کر دیا جاتا ہے کہ انہوں نے حقیقی لڑائی لڑی ہے۔ جب ان کا وقت آیا تو جس صبح ان کی لڑائی تھی، رات کو دوسرا کمانڈو ان کے پاس آیا اور ممتاز صاحب سے کہا ممتاز صاحب! مجھے تو ہڈی تڑوانے سے اور سر پھاڑنے سے بہت ڈر لگ رہا ہے کیونکہ کچھ ماہ بعد میری شادی ہے۔ اگر دوران لڑائی آپ نے میرا سر یا بازو توڑ دیا تو میں تو شادی کے قابل نہیں رہوں گا اس لئے اگر آپ مہربانی فرمائیں تو کل صبح کی لڑائی میں آپ مجھے وار کرنے کا موقع دیں۔ میں آپ کا سر یا بازو توڑنے کی بجائے ناک توڑ دوں گا اور یوں ہم دونوں پاس بھی ہو جائیں گے اور آپ کو شدید ضرب بھی نہیں آئے گی اور میری شادی بھی ہو جائے گی۔

ممتاز صاحب نے کہا کہ بھائی شادی تو میری بھی ہو رہی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ تم سے بھی پہلے ہو رہی ہے اس لئے میرا ناک توڑنے کے بجائے اگر مہربانی فرما کر اپنا ناک تڑوا لیں تو ذرہ نوازی ہو گی۔ (واقعی ممتاز صاحب کی شادی تیار تھی۔ دلپذیر اعوان)

یہ سن کر کمانڈو مایوس ہو کر واپس لوٹ گیا۔

صبح اکھاڑے میں جب دونوں کمانڈوز کو چھوڑا گیا تو لڑائی تقریباً 45 منٹ جاری رہی لیکن دونوں کماندوز میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کو کاری ضرب لگانے میں کامیاب نہ ہوا تو استاد نے انہیں 15 منٹ کے بعد مزید 15 منٹ دیئے اور کہا اگر ان 15 منٹوں میں کوئی رزلٹ نہ آیا تو پھر آپ دونوں کی لڑائی دوسرے کمانڈوز سے کرائی جائے گی۔

یہ سن کر دوسرا کمانڈو کچھ گھبرا گیا اور ممتاز صاحب سے ایک بار پھر درخواست کی کہ ممتاز بھائی! مہربانی فرمائیں۔ مجھے موقع دیں۔ اگر میں معذور ہو گیا تو میری شادی بہت لیٹ ہو جائے گی۔ پلیز۔ ممتاز صاحب نے کمانڈو کی بات مان لی اور اسے کہا کہ میں 30 سیکنڈ تک اپنا دفاع نہیں کروں گا، ضرب لگانی ہے لگا لو۔ لیکن اس کے بعد وقت نہیں دوں گا۔

یہ سنتے ہی دوسرے کمانڈو نے ممتاز صاحب کو تشکر بھری نگاہوں سے دیکھا اور پھر ان کے چہرے پر وار کر کے ان کی ناک کی ہڈی توڑ دی۔

استاد نے دونوں کمانڈوز کو پاسنگ سرٹیفکیٹ جاری کر دیا اور ممتاز صاحب کو سٹیچر پر ڈال کر ہسپتال روانہ کر دیا گیا۔

اگلے دن ممتاز صاحب شام کو ہسپتال سے واپس سنٹر آ گئے۔ ان کی ناک پر پلستر ہوا تھا لیکن جب انہوں نے اپنے دوسرے کمانڈو دوست کو بتایا کہ ان کے ناک کی ہڈی محفوظ رہی ہے، ٹوٹی نہیں تو وہ کمانڈو حیران ہو گیا۔ کہنے لگا نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کل ہڈی ٹوٹنے کی آواز آئی تھی جسے سن کر استاد نے چیک بھی کیا تھا اور دونوں کو پاس بھی کر دیا تھا تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کی ہڈی بھی نہ ٹوٹی ہو اور آواز ٹوٹنے کی بھی آئی ہو۔

ممتاز صاحب نے اپنے کمانڈو دوست کو بتایا کہ جب میں ہسپتال پہنچا تو ڈاکٹر نے مجھے چیک کیا تو کہنے لگا کہ ممتاز صاحب! مبارک ہو، آپ کی ہڈی ناک میں ہوا ہونے کی وجہ سے ٹوٹنے سے بچ گئی ہے۔ جب آپ پر وار ہوا تھا اور ناک ٹوٹنے کی آواز آئی تھی تو وہ آواز

ہڈی ٹوٹنے کی نہیں تھی بلکہ آپ کی ناک میں موجود ہوا کی آواز تھی جس کی وجہ سے ناک پر جب چوٹ لگی تو ہوا بھی خارج ہوئی آواز بھی آئی اور ناک بھی پچک گئی۔ جو ظاہری طور پر ایسا لگ رہا تھا کہ آپ کے ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ اگر میں بھی وہاں ہوتا تو میرا بھی پہلا مشاہدہ یہی ہوتا۔ آپ کو مبارک ہو آپ دونوں کمانڈو بروقت اپنی شادی رچا سکتے ہیں۔

شادی کی تیاریاں شروع:

اور پھر کمانڈو کورس سے واپسی پر ہم نے غازی ممتاز صاحب کی شادی کی تیاریاں زور وشور سے شروع کر دیں کیونکہ یہ ہمارے گھرانے کی آخری شادی تھی۔ ہمارے رسم و رواج کے مطابق شادیاں بڑے دھوم دھام سے ہوا کرتی ہیں۔ یہی سوچ کر ہم سب گھر والوں نے ان کی شادی کی تیاریاں بڑی دھوم دھام سے شروع کر دیں۔ مہندی پر دوستوں اور کزنوں کے اصرار پر پوٹھواری شعر وشاعری کا انعقاد کرنا ٹھہرا اور بارات بڑے دھوم دھام سے لے جانے کا پروگرام بنا۔ ولیمہ کا پروگرام بھی کسی بڑے ہوٹل میں کرنا ٹھہرا۔

شادی سادگی سے کی:

لیکن ہم گھر والوں سمیت سب رشتے داروں کے خواب چکنا چور ہو گئے جب غازی ممتاز صاحب نے شادی سے صرف ایک ہفتہ پہلے یہ اعلان کر دیا کہ شادی نہ صرف بہت سادگی سے ہو گی اور مہندی پر کسی قسم کا کوئی ڈسکو یا پوٹھواری پروگرام نہیں ہو گا بلکہ میلاد شریف کی محفل ہو گی اور ولیمہ دو دیگوں سے زیادہ پر مشتمل نہیں ہونا چاہیئے اور بارات بھی صرف زیادہ سے زیادہ 30 افراد پر مشتمل ہونی چاہیئے اور لڑکی والوں سے بھی کہہ دیں وہ بھی ان تمام شرائط پر عمل کریں اور مجھے کسی قسم کے جہیز کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی زیور وغیرہ اور دیگر لوازمات پر رقم خرچ کی جائے گی۔ اگر شادی 20 ہزار روپے میں ہو جائے تو بہت بہتر ہے۔ اگر مجبوری ہو تو مزید 10 ہزار خرچ کیا جائے، زیادہ نہیں اور پھر ان

کی خواہش کے مطابق ہی شادی انجام پائی۔

علاقہ کی جامع مسجد کے خطیب و امام مولانا محمد اشرف صاحب اور عاشقان مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہندی والے دن بڑی شاندار محفل میلاد کا انعقاد کیا جس کی وڈیو موجود ہے۔ شادی کے بعد جب ایک دن میں نے غازی ممتاز صاحب سے پوچھا کہ ممتاز صاحب! میں نے (دل پذیر اعوان) تو آپ کی شادی بڑے دھوم دھام سے کرنے کے لئے اچھے خاصے پیسے بچا کر رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے تو ایک بھی نہیں خرچ ہونے دیا تو غازی ممتاز صاحب بولے:

''دلپذیر بھائی! یاد کریں آپ نے آج سے کئی سال پہلے 1992ء میں جب شادی کی تھی تو صرف 3000 روپے میں شادی کر لی تھی۔ اس وقت آپ نے بھی کوئی دھوم دھام نہ کیا تھا اور نہ ہی کسی قسم کی فضول رسومات کی تھیں اور نہ ہی مہندی وغیرہ اور بارات پر ڈھول باجے کا انتظام کیا تھا۔ آج اگر میں نے آپ کے عمل کو دہرایا ہے تو کیا یہ اچھا نہیں ہے؟''

یہ سن کر میں خاموش ہو گیا کیونکہ جب 1992ء میں میں نے شادی کی تھی تو میرے بھی خیالات غازی ممتاز صاحب جیسے تھے۔

ممتاز صاحب پہلے ہی خاموش طبع تھے لیکن شادی کے بعد مزید خاموش طبع ہوتے چلے گئے۔ پہلے ہی وقت پر گھر آ جاتے تھے، شادی کے بعد بروقت گھر آ جاتے۔ ہماری آنے والی بھابی نہایت خوش اخلاق، نیک سیرت، ہر وقت مسکراتے رہنا اور بڑے چھوٹوں کا بہت ادب واحترام کرنے والی ہیں۔ غازی ممتاز صاحب سے شادی کے بعد وہ بہت خوش وخرم نظر آتی تھیں۔ وہ بھی بہت کم گو واقع ہوئی تھیں۔ میں نے انہیں ٹی وی پر مدنی چینل کے سوا کبھی کوئی اور پروگرام دیکھتے ہوئے نہیں پایا۔ وہ گھر کو صاف ستھرا رکھتی اور ہمارے والدین کا احترام اور بھرپور خدمت کرتیں۔ وہ بہت باہمت اور بہادر خاتون ہیں۔

غازی صاحب کے گھر بیٹے کی ولادت:

شادی کے تقریباً 2سال بعد جب غازی ممتاز صاحب کے گھر 29-10-2010 کو محمد علی قادری کی ولادت ہوئی تو دونوں میاں بیوی کی خوشیاں دیدنی تھیں۔ غازی صاحب نے تمام رشتہ داروں تک مٹھائی پہنچائی اور اس کے علاوہ محلے کا بھی کوئی گھر نہ چھوڑا جہاں محمد علی کی پیدائش کی خوشی میں مٹھائی نہ پہنچائی ہو۔

گستاخ رسول کی وجہ سے غازی صاحب کا اداس رہنا:

جب گورنر سلمان تاثیر نے اپنی فیملی سمیت کوٹ لکھپت جیل میں جا کر ملعونہ آسیہ کی سزا معاف کرنے کا اعلان کیا تو یہ واقعہ تمام غلامان رسول کی طرح ممتاز حسین قادری کے لئے بھی کسی بہت بڑے سانحے سے کم نہ تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ حکمران اگر پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے اقدامات نہیں کر سکتے تو کم از کم غلامانِ رسول کو اذیت دینے کے لئے گستاخانِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو آشیرباد تو نہ دیں۔

تحفظ ناموس رسالت کے پرچم تلے کراچی سے شروع ہونے والا لاکھوں غلامان مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شدید احتجاج جب لاہور سے پشاور پہنچا تو غازی صاحب قدرے کچھ مطمئن نظر آئے لیکن جب علماء کرام اور عاشقان رسول کو گرفتار کیا جانے لگا اور ان پر تشدد کیا جانے لگا تو ایک بار پھر غازی صاحب شدید پریشان نظر آنے لگے۔ علماء کرام اور غلامان رسول کی گرفتاری اور تشدد کے واقعات نے غازی صاحب کو بہت مایوس اور افسردہ کر کے رکھ دیا۔

اس کے بعد ممتاز صاحب نے گھر بار والوں سے ملنا کچھ کم کر دیا۔ اکثر شام کو دیر سے گھر آتے حالانکہ وہ ڈیوٹی کرنے کے بعد سیدھے گھر ہی چلے آتے تھے۔ جب میں نے ممتاز قادری صاحب کے دیر سے گھر آنے کی وجوہات پوچھیں تو مسکرا کر ٹال دیتے۔ میرے بار بار اصرار پر ایک بار صرف اتنا بتایا کہ:

''دلپذیر بھائی! ایک بہت بڑا آدمی توہین رسالت کر رہا ہے۔ علماء حضرات فتوے دے رہے ہیں۔ غلامان مصطفی بے چین اور سخت اذیت میں مبتلا ہیں۔ ریلیاں جلسے جلوس ہو رہے ہیں۔ میں سخت تکلیف میں مبتلا ہوں۔ مجھ سے کچھ کھایا پیا نہیں جا رہا۔ گھر بار اور دوستوں میں دل نہیں لگ رہا۔ محمد علی پر بھی توجہ نہیں دے پا رہا ہوں۔ اسے یرقان ہو گیا ہے۔ آپ اسے کل ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ۔ مجھ میں ہمت نہیں کہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں۔''

میں نے محسوس کیا کہ غازی ممتاز صاحب شدید اذیت میں اپنے دانت پیس رہے تھے اور غم و فکر اور پریشانی سے شدید نڈھال لگتے تھے۔

محمد علی آنے والے دنوں میں شدید بیمار ہو گیا لیکن ممتاز صاحب اپنے اکلوتے بیٹے پر توجہ دینے کی بجائے کسی اور غم میں مبتلا ہو گئے تھے، لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ سلیمان تاثیر گستاخ کی وجہ سے پریشان ہیں۔

میں نے 10-15 دن مسلسل ڈاکٹر کو چیک کروانے اور دوائیاں دلوانے کے بعد محمد علی کو کچھ بہتر پایا تو ممتاز صاحب سے کہا کہ محمد علی تو کچھ بہتر ہو گیا ہے۔ اس کا یرقان ختم ہو گیا ہے لیکن تمہاری بیوی بیمار ہو گئی ہے۔ مہربانی فرمائیں اس پر توجہ دیں، لیکن ممتاز صاحب نے میری بات سنی اَن سنی کر دی۔ گھریلو معاملات سے غازی ممتاز صاحب کی مسلسل بے توجہی کی وجہ سے میں ان سے ناراض ہو گیا۔

28-12-2010 سے 30-12-2010 تک میں ان سے ناراض رہا۔ میں نے ان سے کوئی بات چیت نہیں کی اور نہ ہی ان کے کمرے میں گیا۔ 30-12.2010 کو صبح تقریباً 10 بجے غازی ممتاز صاحب اپنے موٹر سائیکل 125 ہنڈا نمبر 8404 پر جب گھر سے باہر نکلے تو انہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ میں یہ سوچ کر کہ چھوٹے ہیں، پریشان ہیں اور پھر آج ناراضگی کو 3 دن ہونے والے ہیں، چلو بات کر کے دیکھتے ہیں۔

میں نے سلام کیا، جواب دیا۔ میں نے کہا آپ سے ایک کام ہے، بولے حکم؟

میں نے کہا میری دکان کا کچھ سامان لانا ہے، لا دیں گے؟ بولے ''جی ہاں۔'' جب وہ کام کر آئے تو میں نے کہا ''ایک کام اور ہے، کریں گے؟''، بولے: ''جی ہاں،'' جب وہ کام بھی کر آئے تو میں نے کہا یہ بجلی وغیرہ کے بل ہیں، جمع کروا آئیں گے؟ تھوڑی دیر سوچا پھر بولے، دے کر آتا ہوں۔ میں جان بوجھ کر تنگ کر رہا تھا لیکن اس اللہ کے ولی کے ماتھے پر سلوٹ بھی نہ آئی۔ جب تیسری بار واپس آئے تو میں نے کہا آپ کے کپڑے بہت گندے ہو گئے ہیں، اور آپ نے کہیں جانا بھی ہے، تبدیل کر لیں، بولے:

''نہیں! دلپذیر بھائی، ٹھیک ہیں۔ میں ایک ضروری کام کے لئے جانا چاہتا ہوں، اگر اجازت ہو تو۔''

بعد میں پتہ چلا کہ وہ مختلف پولیس آفیسر اور وکلاء حضرات سے یہ پوچھنے کے لئے گئے تھے کہ گورنر کے خلاف کوئی ایف آئی آر کیوں نہیں درج کرا رہا؟ میرے علم کے مطابق غازی صاحب نے چند علماء اور مفتیان کرام سے بھی رابطہ کیا تھا کہ گستاخ رسول کی سزا کیا ہے۔

جب پتہ چلا کہ صدر پاکستان اور گورنر کے خلاف قانون کے مطابق کسی بھی کیس کی رپورٹ درج نہیں ہوتی تو سخت مایوس اور پریشان ہو گئے تھے۔ بولے:

''یہ کیسا قانون ہے کہ اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرات کے کنارے مرنے والے کتے کی موت کو بھی اپنی کوتاہی گردانتے اور یہ حکمران اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کریں تو ان کے خلاف کوئی رپورٹ درج نہیں کی جاتی۔''

اس دوران غازی صاحب نے اپنی جسمانی اور ظاہری حالت بہت خراب کر لی تھی۔ لباس پر توجہ نہیں دیتے تھے۔ کھانے پینے کا ہوش نہیں۔ رات بھر جاگتے رہتے۔ ایک ماہ کے بیٹے کی کوئی خبر نہیں، بیمار بیوی پر کوئی توجہ نہیں۔ ہر وقت افراتفری، بے چینی کا شکار نظر آتے۔ انتہائی بے چین اور مضطرب نظر آتے جیسے کوئی باؤلا ہو گیا ہو۔ جیسے کچھ کھو گیا ہو۔ جیسے سب کچھ چھن گیا ہو۔ جیسے کوئی لٹ گیا ہوں۔ میں بتا نہیں سکتا، بیان نہیں کر سکتا کہ

غازی صاحب کی حالت دیکھ کر میں خود کس قدر پریشان ہو گیا کہ رات بھر میں بھی چین سے نہ سو سکتا تھا کیونکہ نہ کچھ بتاتے تھے اور نہ کچھ نظر آتا تھا کہ ماجرا کیا ہے؟

31-12-2010ء کو جب صبح تقریباً 10 بجے میری ان پر نظر پڑی تو میں حیران و پریشان ہو گیا۔ میں نے بار بار اپنی آنکھیں ملیں پھر بھی یقین نہ آیا کہ یہ غازی ممتاز صاحب ہی ہیں، کیونکہ 31-12-2010ء کی صبح وہ بہت ہشاش بشاش نظر آ رہے تھے۔ سر کے بال کاٹے اور بنے ہوئے تھے۔ ڈاڑھی شریف کا خط بڑے خوبصورت انداز میں ہوا تھا۔ صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں سرمہ ڈالا ہوا تھا۔ سر پر نیا عمامہ سجایا ہوا تھا۔ غرضیکہ بہت ہی خوبصورت مسکراہٹ چہرے پر سجائے چاق و چوبند اور کمانڈو نظر آ رہے تھے۔ جی ہاں چاق و چوبند کمانڈو۔

جب میں نے وجہ پوچھی تو پتہ چلا کہ گھر کے ساتھ ملحقہ پلاٹ میں ناموس رسالت ﷺ کے حوالے سے آج شام ایک کانفرنس کا اہتمام ہے اور کانفرنس کے شرکاء کے حوالے سے اور پروگرام کے حوالے سے غازی ممتاز صاحب کو زیادہ ذمہ داریاں سونپی گئی تھیں جس کی وجہ سے وہ بہت خوش اور مسرور نظر آ رہے تھے۔

ہمارے علاقے بلکہ شہر راولپنڈی کے اکثر میلاد مبارک کے پروگراموں میں غازی ممتاز صاحب کو مدعو کیا جاتا تھا کیونکہ بہت اچھے نعت خواں اور انتہائی ملنسار اور ذمہ دار سمجھے جاتے تھے۔

انعام پانے کی تیاریاں شروع:

31-12-2010ء شام 4 بجے کے قریب میں دروازے کے قریب کھڑا تھا کہ دور سے غازی صاحب آتے نظر آئے، وہ بہت تیز تیز چلتے آ رہے تھے۔ میرے قریب پہنچے تو میں نے پوچھا غازی صاحب! سنائیں، انتظامات ہو رہے ہیں؟ بولے:

''جی ہاں دل پذیر بھائی! میں دودھ لینے گیا ہوا تھا، کیونکہ مقررین کے لئے دودھ تیار کر کے رکھنا ہے۔ وہ تقریر کے دوران دودھ نوش فرمانا پسند کرتے ہیں اور یہ سعادت میں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ دودھ گھر والوں کو دینے جا رہا ہوں کہ بعد نماز عشاء تیار چاہیئے۔''

یہ فرما کر غازی صاحب گھر کے اندر تشریف لے گئے اور میں دروازے پر کھڑا ان کے نصیبوں پر رشک کرنے لگا کہ علماء حضرات سے محبت، عقیدت اور خدمت یہ سب نصیب والوں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

نماز مغرب کے بعد ایک بار پھر غازی ممتاز صاحب سے ملاقات ہوئی تو میں ایک بار پھر حیران رہ گیا۔ ممتاز صاحب نے آج کے پروگرام کے حوالے سے جو لباس زیب تن کیا تھا۔ اس سے پہلے اتنے خوبصورت لباس میں مَیں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ غازی ممتاز صاحب نے صاف ستھرے سفید نئے کپڑے پہن رکھے تھے۔ سر پر خوبصورت کالا عمامہ شریف تھا اور اہم بات یہ کہ لباس کے اوپر کالے تلے والا گون پہن رکھا تھا جو اس سے پہلے انہوں نے کبھی نہ پہنا تھا۔ جو ان پر بہت زیادہ سج رہا تھا۔ میں ان کو رنگ و روپ دیکھ کر رشک کر رہا تھا۔ خاص طور پر زندگی میں اس سے پہلے ممتاز صاحب نے کبھی گون نہیں پہنا تھا۔ لمبے قد، چوڑے سینے کی وجہ سے سفید کپڑوں پر کالا گون، گولڈن تلے کے کام کے ساتھ اس پر بہت سج رہا تھا اور سب سے عجب بات اس دن یعنی 31-12-2010ء کو ان کے چہرہ کا رنگ و روپ تھا۔ چہرہ ملائم، دھلا دھلا، گرد و غبار سے پاک و شفاف، معصوم سا، ایسا روپ تھا کہ میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ بس جی یہ چاہتا تھا کہ جس طرح انسان بے اختیار کسی چھوٹے پیارے، معصوم بچے کو دیکھ کر چوم لیتا ہے، ان کو دیکھ کر بھی جی چاہ رہا تھا کہ ان کی چہرے کی طرف دیکھتا ہی رہوں یا پھر چومتا ہی رہوں اور پھر اس بات کی تصدیق انٹرنیٹ پر ان کی نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے ہوئے دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے اس شام یعنی 31-12-2010 کو ناموس رسالت کانفرنس کے پروگرام

میں انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھی۔

جولوگ میرے ان خیالات کو پرکھنا اور جانچنا چاہتے ہیں، خدارا! وہ انٹرنیٹ پر شباب اسلامی کے تحت ہونے والی ناموس رسالت کانفرنس کی ویڈیو میں ممتاز صاحب کو نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے ہوئے دیکھیں کہ اس عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ کیسا بھلا لگ رہا ہے۔ 31-12-2010 کو بعد از نماز عشاء جب پروگرام شروع ہوا تو سب سے پہلے نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے غازی ممتاز صاحب ہی کو دعوت دی گئی اور پھر جب وہ صادق عاشقِ رسول سٹیج پر نمودار ہوا تو میں ایک بار پھر چکرا گیا کیونکہ میں نے محسوس کیا کہ نہ صرف چہرے کا رنگ وروپ بلکہ چال اور ڈھال اور اٹھنے بیٹھنے کے انداز میں بھی کچھ عجیب سماں تھا۔ ایسے جیسے پھولوں پر کوئی تتلی اڑتی پھرتی ہو۔ میں حیران تھا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ یہ حسن کہاں سے اور کیونکر آیا۔ لیکن مجھے کیا پتہ تھا کہ اوپر آسمانوں پر ممتاز کی تقدیر میں کیا کچھ لکھا جا چکا ہے اور نہ صرف غازی ممتاز صاحب کی تقدیر میں بلکہ تمام عاشقان مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقدیر میں ممتاز لکھا جا رہا تھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ آسمان پر کئے گئے ایک ممتاز فیصلے کے آثار اور اثرات کا نزول ان پر ہو رہا تھا جس سے ہم سب سمیت خود ممتاز صاحب بھی بے خبر تھے۔ میں یہاں ایک اہم واقعہ درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ سلیمان قتل کے کوئی 10 دن بعد میں اپنے گھر کے باہر کھڑا تھا کہ ایک باپردہ خاتون جن کی عمر تقریباً 50 سال کے قریب ہوگی، میرے پاس آئی اور مجھ سے بولی:

''بیٹا! آپ قادری کے کیا لگتے ہیں؟ میں نے کہا جی ماں جی، میں ان کا بھائی ہوں۔ خاتون بولی بیٹا! میں آپ سے کوئی بات کرنا چاہتی ہوں۔ آپ میرے ساتھ میرے گھر تک جا سکتے ہیں؟ میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ انہوں نے مجھ سے کہا:

''بیٹا! میں نے تقریباً ایک ماہ پہلے خواب دیکھا، کیا دیکھتی ہوں کہ میں حاجی چوک

کے پاس کھڑی ہوں (یہ چوک ہمارے گھر سے تقریباً 10 فرلانگ دور ہوگا) تو آسمان سے چار بڑی فوجی ٹائپ کی گاڑیاں اترتی ہیں اور مشرق ومغرب، شمال وجنوب کی سمت میں کھڑی ہوجاتی ہیں۔ان میں کچھ فوجی لوگ بیٹھے ہوتے ہیں۔ پھر کیا دیکھتی ہوں۔ایک اور بڑی گاڑی جو بہت بڑی اور خوب صورت ہوتی ہے، آسمان سے اترتی ہے اور ان چاروں گاڑیوں کے درمیان میں کھڑی ہوجاتی ہوں۔ میں پوچھتی ہوں کہ یہ کون لوگ ہیں جو آسمان سے آرہے ہیں تو مجھے ایک شخص بتاتا ہے کہ ماں جی آپ کو پتہ نہیں۔ یہ درمیان والی گاڑی نبی کریم ﷺ کی ہے اور باقی کی چار گاڑیاں خادموں کی ہیں۔ میں پوچھتی ہوں کہ پھر مجھے سرکار دو عالم ﷺ کو دیکھنے دو،لیکن وہ آدمی مجھے روک دیتا ہے اور کہتا ہے ماں جی! آپ کو پتہ نہیں نبی پاک ﷺ یہاں کیوں تشریف لائے ہیں۔ میں پوچھتی ہوں بیٹا! بتاؤ تو وہ شخص کہتا ہے کہ ماں جی! یہاں ایک بہت بڑا واقعہ ہونے والا ہے اس لئے نبی پاک ﷺ تشریف لائے ہیں اور اس شخص کے ہاتھ کا اشارہ بیٹا آپ کے گھر کی طرف ہی ہوتا ہے۔''

گستاخِ رسول کو واصل جہنم کر دیا:

04-01-2011ء کو جب شام 04:11 (چار بج کر گیارہ منٹ) پر ٹی وی پر خبر چلی کہ ممتاز قادری نامی عاشق رسول ﷺ نے گستاخ رسول سلمان تاثیر کو قتل کر دیا تو میں سمجھ گئی کہ نبی پاک ﷺ نے جس بڑے واقعہ کا ذکر کیا تھا، ہو نہ ہو یہی واقعہ تھا۔

دوسرا خواب:

اسی خاتون محترمہ نے جو کہ سلطان العارفین، سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے نسب سے تھیں، مجھے ایک اور خواب بھی سنایا کہ:

''بیٹا! میں آنکھوں سے معذور ہو چکی تھی، میری بینائی ختم ہو چکی تھی، میں روز دعائیں کرتی، اے اللہ! اپنے حبیب ﷺ کے صدقے مجھ پر رحم فرما اور مجھے اتنی بینائی عطا فرما کہ

میں اکیلی اور بوڑھی عورت اپنے لئے کھانا وغیرہ بنا سکوں یا بازار سے ضروری چیزیں لاسکوں۔“

(نوٹ: اس خاتون محترمہ کے خاوند فوت ہو چکے تھے اور ایک ہی بیٹا تھا جو اپنی اہلیہ کے ساتھ الگ ان سے تقریباً 50 کلومیٹر دور رہتا تھا)۔

بیٹا! ممتاز قادری کے واقعہ سے کچھ عرصہ پہلے میں ایک رات خواب میں دیکھتی ہوں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور مجھے فرماتے ہیں کہ ”کیا مسئلہ ہے؟“ میں عرض کرتی ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری بینائی ختم ہوگئی ہے۔ میں تلاوت قرآن کریم نہیں کرسکتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرتے ہیں، برف کے دو ٹکڑے آتے ہیں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں میں گرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برف کے یہ سفید ٹکڑے مجھے عنایت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں اپنی آنکھوں پر رکھو۔ میں اپنی آنکھوں پر رکھ لیتی ہوں۔ صبح جب میری آنکھ کھلی تو میں فرحت وخوشی سے دیوانی ہوگئی کیونکہ مجھے بہت صاف نظر آ رہا تھا۔ میں اس خوشی میں دیوانی ہو رہی تھی کہ اچانک تقریباً 3 گھنٹوں کے بعد میری نظر پھر واپس چلی گئی۔

میں پریشانی کی حالت میں بازار نکل پڑی تا کہ کچھ سودا صرف لے کر آؤں کہ میں ایک گاڑی سے ٹکرا جاتی ہوں۔ ڈرائیور جو کہ عورت ہوتی ہے، مجھے غصے سے کہتی ہے مائی! کیا اندھی ہو، اتنی بڑی گاڑی تمہیں نظر نہیں آ رہی۔ میں نے جواب دیا بیٹی! میں تو واقعی اندھی ہوں۔ یہ سن کر وہ لڑکی گاڑی سے نیچے اترتی ہے اور مجھے گھر تک چھوڑ جاتی ہے۔ راستہ میں وہ بتاتی ہے کہ ماں جی! میں آنکھوں کی ڈاکٹر ہوں، بہت جلد آپ کا مفت آپریشن کروں گی۔

کچھ دنوں بعد وہ میرے گھر آتی ہے اور مجھے ایک آنکھوں کے بڑے ہسپتال لے جاتی ہے لیکن بڑے ڈاکٹر میرا معائنہ کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ مائی شوگر اور ہارٹ کی مریض ہے۔ اگر آپریشن کیا تو مر جائے گی۔ وہ لیڈی ڈاکٹر مجھے ایک اور ہسپتال لے جاتی ہے۔ وہاں کے ڈاکٹر بھی یہی کہتے ہیں۔ لیڈی ڈاکٹر بہت اصرار کرتی ہے لیکن آنکھوں کا بڑا

ڈاکٹر آپریشن کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

جب مجھے پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر آپریشن سے انکاری ہیں تو میں اس لیڈی ڈاکٹر سے کہتی ہوں مجھے بڑے ڈاکٹر سے ملواؤ۔ میں خود بات کروں گی۔ میں بڑے ڈاکٹر کو اپنا رات کا خواب اور آنکھوں کی بینائی واپس لوٹ آنے کا ماجرا سناتی ہوں۔ ڈاکٹر خواب کے متعلق حلفاً تین بار اقرار لیتا ہے، میں اقرار کر لیتی ہوں۔

ڈاکٹر آپریشن پر راضی ہو جاتا ہے، آپریشن کے بعد جب میری پٹی کھولی تو خدا گواہ ہے کہ میری بینائی پھر لوٹ آتی ہے۔ آج بھی تلاوت قرآن کریم کرتے ہوئے اللہ رب العزت اور اس کے پیارے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی ہوں۔

خاتون کا تیسرا خواب جو بہت اہم ہے:

''بیٹا! 2011-1-4ء کے واقعہ سے کوئی 6 ماہ پہلے دیکھتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں ''فضہ! چلو میرے ساتھ۔ میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک کھلے میدان میں پہنچ جاتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں وہ سامنے جو اونچا پہاڑ ہے، اس پر جو شخص کھڑا ہے، وہ ہمیں بہت اذیت دیتا ہے، گستاخی کرتا ہے۔ ہم اپنے دوست کو بلا رہے ہیں وہ اس گستاخ کو مار دے گا۔

اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ہاتھ میں تلوار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ! آدھے گھنٹے کے اندر اندر اس پہاڑ کو کاٹ دو تاکہ یہ گستاخ نیچے گر کر مر جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تلوار سے اس پہاڑ کو کاٹتے ہیں اور وہ گستاخ منہ کے بل گر کر مر جاتا ہے۔ میری آنکھ کھل جاتی ہے۔''

خاتون مزید فرماتی ہیں:

''بیٹا! جب 2011-4-1ء کو ٹی وی پر میں نے قادری بیٹے کی تصویر دیکھی تو قادری بیٹے کی تصویر اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شکل میں

کچھ فرق نہیں تھا۔ میں روز چھت پر چڑھ کر دائیں بائیں لگی ہوئی قادری بیٹے کی تصویریں دیکھتی ہوں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دوست اور قادری بیٹے کی تصویر اور شکل میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں۔''

یہ خواب سن کر میری ٹانگیں کانپنا شروع ہوگئیں۔ جسم سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی اور میں اور میرا دوست شیخ عبدالستار جو 50 سال کے ہیں اور زندہ و جاوید موجود ہیں، دھڑام سے زمین پر گر جاتے ہیں۔

خاتون نے یہ تینوں خواب ہمیں ایک وقت میں سنائے ہیں۔ جب ہمارے حواس ٹھیک ہوتے ہیں تو ہم لڑکھڑاتے ہوئے ایک دوسرے کا سہارا لیتے ہوئے اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے ہیں اور پھر گھر پہنچ کر مجھے تو اگلے دن تک کوئی ہوش ہی نہ رہا۔

کراچی کے بزرگ کا خواب

3-1-2011 نماز عصر کے بعد بزرگ رو رو کر اللہ سے دعا کرتے ہیں یا اللہ! ہمارے گناہوں، کوتاہیوں اور کمزوریوں کو معاف فرما۔ اے اللہ! گستاخان رسول کے خلاف ہماری دست غیب سے مدد فرما۔ بزرگ کا کہنا ہے کہ رات جب میں سویا تو دیکھتا ہوں کہ:

''پیران پیر حضور غوث الاعظم دستگیر اڑتے ہوئے آ رہے ہیں اور ان کے کندھوں پر ایک بچہ سوار ہے۔ جیسے جیسے پیران پیر قریب آتے جا رہے ہیں بچہ بڑا ہوتا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ غوث اعظم میرے قریب سے اڑتے ہوئے جب گزرتے ہیں تو میں نے کندھوں پر بیٹھے ہوئے نوجوان کو بغور دیکھا۔''

جب صبح میری آنکھ کھلی تو ایسے عجیب و غریب خواب کے متعلق سوچتا رہا لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ 4/جنوری 2011ء نماز عصر کے وقت میں مصلیٰ پر بیٹھا اللہ تعالیٰ سے گستاخ رسول کے خلاف مدد کے لئے التجائیں کر رہا تھا کہ اچانک گھر میں شور بلند ہوا۔ میں نے وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ ممتاز قادری نامی نوجوان نے گستاخ رسول کو قتل کر دیا۔ میں ناقابل بیان

حیرت وخوشی سے سرشار جب ٹی وی روم میں پہنچا تو ٹی وی پر نظر پڑتے ہی چکرا کر زمین پر گر گیا کیونکہ ٹی وی پر جسے قاتل کہا جا رہا تھا، اسے تو میں نے رات غوث پاک کے کندھوں پر سوار دیکھا تھا۔ یہ خواب بزرگ نے اپنے ایک لاہور ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ جج کو سنایا اور انہوں نے اپنے دوست ایک حاضر سروس کرنل صاحب کو اور ان کرنل صاحب نے کراچی کے ہی اپنے ایک دوست محمد حنیف میمن کو سنایا اور وہی میمن صاحب مجھے (دل پذیر اعوان) کو ایک دن اڈیالہ جیل کے باہر پیشی پر ملے اور رو رو کر تمام واقعہ بیان کیا اور مجھ سے درخواست کی کہ میں غازی صاحب کے تمام اہل خانہ کی اپنے گھر دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ خدارا میری دعوت قبول فرمالیں اور پھر میں نے اپنے والد صاحب کی رضامندی سے محمد حنیف میمن صاحب کی دعوت قبول کر لی۔ حنیف میمن راولپنڈی شہر میں موجود ہیں اور اس تحریر کے وقت بھی وہ میرے پاس موجود ہیں۔ ان کے بیٹے راشد میمن جو کہ سارے واقعے کے گواہ ہیں۔

سجاد بھائی اب مختصر کرتا ہوں اور صرف مورخہ 4-1-2011 کا ذکر کر کے بند کرتا ہوں۔ بہت سے واقعات اور معاملات ہیں لیکن معذرت چاہتا ہوں۔ بچوں کے امتحانات شروع ہو گئے ہیں اور کئی دوسرے معاملات ہیں۔ وکلاء اور علماء حضرات سے ملاقاتیں بھی کرنی ہوتی ہیں۔ اختصار پر معذرت خواہ ہوں۔

کھانا پینا چھوڑ دیا:

4-1-2011ء بوقت صبح 8:00 بجے میں اپنے گھر کے صدر دروازے پر کھڑا تھا کہ غازی صاحب گھر سے باہر نکلے۔ وہ بہت تیزی میں تھے۔ موٹر سائیکل باہر گلی میں کھڑا کیا اور پھر تیزی سے گھر کے اندر داخل ہو گئے۔ کمانڈو وردی پہنے ہوئے تھے۔ چہرہ سفید، رنگت سرخ ہو رہی تھی۔ (گزشتہ 3 دن سے ان کے کھانے پینے کی روٹین بھی تقریباً ختم ہو گئی تھی) لیکن اس کے باوجود آج بھی کہ 4-1-2011ء کو وہ انتہائی چاق و چوبند

نظر آ رہے تھے۔ چال میں کمانڈو والی تیزی اور حرکت تھی۔ جسم کا ایک ایک عضو شدید مضطرب و حرکت کرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ پاؤں بہت زور سے زمین پر رکھ کر چل رہے تھے۔ بازو کھلے اور حرکت کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ (جبکہ میرا خیال تھا کہ وہ 31-12-2010ء سے کچھ نہ کھانے پینے اور خاموش رہنے کی وجہ سے لاغر نظر آنا چاہئے تھا) ایسا لگ رہا تھا کہ ان کے اعضاء ان کی مرضی سے حرکت نہیں کر رہے۔ کوئی اور انہیں چلا رہا ہے، کوئی اور انہیں اڑا رہا ہے۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر میں خاموش نہ رہ سکا اور جب وہ واپس گھر سے باہر نکلے تو میں نے روک لیا اور پوچھا کہ ممتاز صاحب خیریت ہے آج بہت جلدی میں ہیں؟ کیا کوئی VIP کال آ گئی ہے؟ بولے ہاں! دلپذیر بھائی۔

VIP نہیں بلکہ VVIP کال ہے، میں نے دفتر ذرا جلدی پہنچنا ہے۔

میں نے جب گھر واپس جا کر گھر والوں سے پوچھا تو پتہ چلا کہ آج رات انہوں نے مدنی چینل بھی نہیں دیکھا اور منہ پھیر کر لیٹے رہے، پتہ نہیں روتے رہے یا جاگتے رہے اور ناشتہ کئے بغیر نکل گئے۔ میں تیزی سے واپس نکلا لیکن مجھے دیر ہو چکی تھی۔ وہ ہوا میں اڑتے ہوئے موٹر سائیکل پر جا رہے تھے۔

میں بھی کچھ پریشان ہو کر اپنی ہارڈ ویئر کی دکان کھولنے اور اس کی صفائی کرنے میں مصروف ہو گیا جو کہ گھر سے ملحقہ ہی ہے۔ 10 بجے تک تو میں صفائی ستھرائی میں مصروف رہا لیکن جب صفائی وغیرہ سے فارغ ہوا تو مجھے ایک بار پھر خیال آ گیا اور ممتاز صاحب بغیر ناشتہ کئے ڈیوٹی پر چلے گئے ہیں۔ اس پریشانی میں دکان جلدی بند کر کے گھر چلا گیا اور 2 ماہ کے شہزادے کو نعت سنانے لگا اور پھر اس کے کان میں اذان دینے کے بعد اسے واپس اس کی ماں کے پاس چھوڑ کر سونے چلا گیا۔ (اذان اس لئے کہ مجھے گھر والوں نے بتایا کہ آج بلکہ گزشتہ 3 یا 4 دنوں سے ممتاز صاحب نے محمد علی کے کان میں اذان نہیں دی۔ وجہ یہ تھی کہ ممتاز صاحب کی عادت تھی کہ ڈیوٹی پر جانے سے پہلے اور واپسی پر وردی اتارنے سے پہلے بیٹے محمد

علی کو ایک دو نعت رسول مقبول ﷺ سناتے اور پھر آخر میں محمد علی کے کان میں اذان دیتے اور پھر وردی اتارتے اور کھانا کھاتے اور آرام کرتے تھے۔ ہمیں کیا پتہ تھا کہ وہ ایک ایسے عظیم الشان مشن پر کام کر رہے تھے کہ جہاں کے لئے حکم ہے کہ (جب تک آپ ﷺ تمہیں اپنی جان و مال اور اولاد سے زیادہ عزیز نہ ہوں، تم مؤمن نہیں ہو سکتے)۔

تقریبا 04:30 بجے شور کی آواز سن کر اوپر والے پورشن سے نیچے آیا تو دیکھا، ہمارے گھر میں کافی عورتیں اور مرد اکٹھے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ مرد مجاہد نے اسلام کا پرچم بلند کر دیا۔ ناموس رسالت ﷺ پر اپنی جان قربان کر دی۔ اپنی جوانی لٹا دی۔

(یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہے لگا دو ڈر کیا...... جیت گئے تو کیا کہنا گر ہارے بھی تو بازی مات نہیں)

میں نے گستاخ رسول کو کیسے قتل کیا ہے:

ٹیلی ویژن پر ممتاز صاحب کی ہنستی مسکراتی تصویر نظر آ رہی تھی اور وہ کہہ رہے تھے کہ گستاخ رسول کی سزا موت ہے۔ اس وقت تک ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ ممتاز صاحب زندہ ہیں یا انہیں شہید کر دیا گیا ہے؟

کچھ لوگ ہمیں مبارکباد دے رہے تھے اور ہمارے کچھ عزیز و اقربا ہمیں تسلیاں اور دلاسے دے رہے تھے۔ میں فوراً والد صاحب کے پاس گیا اور جب میں نے ان کا چہرہ تمتماتے ہوئے دیکھا تو میری جان میں جان آ گئی کیونکہ مجھے ان کی بہت فکر تھی۔ ہم 11 بہن بھائی ہیں اور ممتاز صاحب سب سے چھوٹے بھی کہ ان کا 11 واں نمبر ہے، اسی لئے وہ والد صاحب کی کفالت میں تھے اور ان کے ساتھ ہی رہتے تھے جبکہ ہم باقی بھائی الگ الگ رہتے ہیں۔

ہم ڈیڑھ کنال کی ایک حویلی میں رہتے ہیں جس میں تین بڑے گھر ہیں یعنی

ایک میرے تایا ابو اور ان کے اولادیں، ایک میرے چچا اور ان کی اولادیں۔ اس حویلی میں کل ملا کر 72 افراد رہتے ہیں۔

ہم سب بہت پریشانی کے عالم میں تھے کہ میں نے اپنے اردگرد ایک ٹھنڈی میٹھی ہوا کی لہر محسوس کی اور پھر یوں لگنے لگا کہ جیسے یہ ہوا کی لہر دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں اور اوپر سے نیچے چل رہی ہو اور پھر جب چند لمحوں کے بعد میں نے سر اٹھا کر اوپر آسمان کی طرف دیکھا تو میں کچھ پریشان ہو گیا، آسمان سرخ ہو رہا تھا اور جب میں نے کچھ فاصلے اور غور سے دیکھا تو اس سرخ آسمان میں قوس قزح کے رنگ بھی بکھرے نظر آئے۔ میں پریشانی اور عجیب کیفیت کے عالم میں چھت پر چلا گیا اور پھر جب میں نے دیکھا کہ آسمان کی یہ رنگت صرف ہماری حویلی کے اوپر ہے جبکہ باقی کا آسمان جیسا کا ویسا ہی ہے تو ایک عجیب گومگوں کی کیفیت کا شکار ہو گیا۔ لیکن تقریباً 5 بجے شام میں نے محسوس کیا کہ جیسے آسمان پر ایک سایہ سا ہو گیا ہو کوئی رنگین سی چھتری تن گئی ہو اور ہمیں ہر آفت سے محفوظ کر دیا گیا ہو۔

ایک بات جو نہ صرف میں نے بلکہ تمام بہن بھائیوں نے محسوس کی اور پھر اس کا اظہار بھی کیا کہ سب کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی بہت سے مہربان سائے ہمارے دائیں بائیں حرکت کر رہے ہوں۔ ہماری حفاظت کر رہے ہوں۔ ان سائیوں کا ہمارے آس پاس مسلسل حرکت کرنا ہمارے حوصلوں کو دو چند کر رہا تھا اور وہ سائے جب بھی ہمارے قریب ہو کر گزرتے ہم میں ایک بہت ہی خوشگوار مسحور کن خوشبو بھی آتی۔

جب میں نے اپنی اس کیفیت اور حال و احوال کا ذکر اپنے بہنوئی اور دیگر بھائیوں اور بہنوں وغیرہ سے کیا تو سب کا یہی حال تھا جو میرا تھا، یعنی سب کے دل مضبوط ہو چکے تھے، حوصلے بڑھ چکے تھے۔ پریشانی ختم ہو چکی تھی اور ہم سب کو یہی محسوس ہو رہا تھا کہ ہم اپنی حویلی میں نہیں بلکہ کسی انتہائی مضبوط اور محفوظ قلعے کے مکین ہوں۔ فوراً چائے بنائی گئی، کھانے پکائے گئے۔ آہستہ آہستہ سب کے چہروں اور منہ پر شکر کے الفاظ آنا شروع

ہو گئے ۔ایسی کیفیت اور حال واحوال اس سے پہلے زندگی میں کبھی محسوس نہ ہوا۔

6 بجے شام دروازے پر دستک ہوئی۔ جب باہر نکلا تو ایک SP اور دو پولیس آفیسر اور دو لیڈی آفیسرز کے ساتھ دروازے پر کھڑے تھے۔ SP نے پہلے سلام کیا اور بولا جناب یہ ممتاز صاحب کا گھر ہے؟ میں نے عرض کی جی ہاں۔ وہ بولے ہم اندر آ سکتے ہیں؟ میں نے پوچھا کتنے لوگ؟ بولا صرف تین پولیس آفیسر مرد اور دو لیڈی آفیسرز۔ میں نے اجازت دے دی۔ (کسی کا کتا بھی مرجائے تو پولیس والے دورازہ توڑ کر اندر داخل ہوتے ہیں لیکن یہ میرے اللہ اور پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خصوصی کرم تھا کہ پولیس اجازت لے کر اندر داخل ہوئی)۔

آدھے گھنٹے کی تلاش میں پولیس نے جو چیز اٹھائی، واپس وہیں رکھ دی اور پھر پولیس ہم 5 بھائیوں (1) سفیر اعوان، (2) دلپذیر اعوان، (3) عابد اعوان، (4) فضل رزاق اعوان، (5) محمد سجاد اعوان اور والد محترم ملک محمد بشیر کو لے کر روانہ ہو گئی (خدا گواہ ہے کہ ہمارے پیش نظر یہ تھا کہ میدان کربلا میں جا رہے ہیں یا پھر مکہ مدینہ دونوں جگہیں محترم تھیں۔ جہاں بھی لے جایا جاتا۔ ہمارے حوصلے آسمان کی بلندیوں کو چھو رہے تھے۔ ہمیں صرف دو دن مختلف جگہوں پر زیر حراست رکھا گیا۔ مختلف لوگوں نے مختلف قسم کے کئی سوالات کئے لیکن پولیس یا کسی ایجنسی نے جسمانی تشدد نہیں کیا ہم جلد سے جلد ممتاز بھائی کو دیکھنا چاہتے تھے اور پھر پولیس نے رہا کرنے سے پہلے رات تقریباً 2 بجے غازی صاحب سے ملاقات کرائی۔ ہم جب کمرے میں داخل ہوئے تو غازی صاحب کے دونوں ہاتھ رسیوں سے پیچھے سے بندھے ہوئے تھے اور دونوں ٹانگیں بھی بندھی ہوئی تھیں۔ ایک پولیس آفیسر کمرے میں رکھی واحد کرسی پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ کرسی سے اٹھا اور والد صاحب کے پاؤں پڑ گیا اور کہا مجھے معاف کر دیں میں مجبور ہوں، میں مجبور ہوں۔ ہم تو خود گھبرائے ہوئے تھے۔ ایک ایس پی پولیس افسر کا یہ ماجرا دیکھ کر میں حیران رہ گیاا اور جب ہم نے نظر اٹھا کر غازی صاحب کی طرف دیکھا تو غازی صاحب زیر لب

مسکرا رہے تھے اور پھر غازی صاحب نے آہستہ سے میرے کان میں کہا دلپذیر بھائی! یہ نظارہ تو کچھ بھی نہیں تھا۔ غلامانِ رسول کے قدموں میں بادشاہوں کے تاج الٹے ہیں۔ جب پولیس والے اور دیگر اداروں کے اہلکار ہمیں واپسی کے لئے گاڑی میں بٹھا رہے تھے۔ کئی اوراعلیٰ افسران نے بھی وہی عمل ہمارے ساتھ دہرایا جو ایک ایس پی آفیسر نے کیا تھا، یعنی والد صاحب کے پاؤں پکڑ لئے تھے۔

شہید کی جو موت ہے

میاں فاروق مصطفائی

(عاشق رسول اکرم ﷺ ملک ممتاز حسین قادری شہیدؒ کی حیات و کردار سزائے موت کے محرکات، عوامی ردعمل اور عدالتی و حکومتی فیصلہ کے ہماری قومی زندگی پر اثرات کے تجزیاتی مطالعہ پر مشتمل ایک ایمان افروز تحریر)

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحا کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

(مولانا ظفر علی خان)

عدیم المثال جنازہ:

راولپنڈی کے جس تاریخی لیاقت باغ میں سنہ 1951ء میں پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان کو شہید کیا گیا تھا اور جہاں سنہ 2007ء میں پہلی خاتون وزیراعظم بے نظیر بھٹو کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا تھا، افسوس صد افسوس کہ یکم مارچ سنہ 2016ء کو اسی باغ میں تحفظِ ناموسِ رسالت کے سلسلے میں ایک اور شہید کا جنازہ پڑھنے کے لیے سوگوار گروہ در گروہ اکٹھے ہو رہے تھے۔ اس شہید کا نام ملک ممتاز حسین قادری تھا اور وہ عارضی طور پر گورنر پنجاب کی سیکورٹی پر مامور تھا۔ لیکن جب گورنر نے ایک گستاخ رسول آسیہ کی سزائے موت کے خلاف زبان درازی کی اور تحفظِ ناموسِ رسالت کے قانون کو کالا قانون کہا تو پانچ سال پہلے ممتاز قادری نے اسلام آباد میں پنجاب کے گورنر سلمان تاثیر کو گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ ان پر قتل کا مقدمہ چلا اور عدالت نے انہیں پھانسی کی سزا

سنائی جو 29 فروری 2016ء کو اڈیالہ جیل میں دے دی گئی۔ تاہم عوام کی نظر میں وہ ایسا جانباز تھا جس نے اپنی زندگی رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وحرمت پر قربان کر دی تھی۔

جنازہ کے لیے آنے والوں کی کثرت تعداد کے سامنے لیاقت باغ کی گنجائش جلد ہی ختم ہوگئی۔ پھر مری روڈ پر ایک طرف مرہیٹر چوک تک اور دوسری جانب کمیٹی چوک سے کئی کلومیٹر آگے تک عوام کا جم غفیر پھیل گیا۔ ادھر راجہ بازار کی جانب فوارہ چوک سے صدر تک تمام بازاروں اور گلیوں میں اور مکانوں کی چھتوں پر انسان ہی انسان نظر آتے تھے یہ لوگ جنازہ کے انتظار میں صبح سے جمع ہو رہے تھے اور انتہائی افسردہ تھے۔ بہتوں کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔ اسٹیج سے نعرۂ تکبیر، نعرۂ، رسالت اور حکمرانوں سے نفرت سے اظہار کے آوازے اٹھ رہے تھے۔ ہمیں یہ نعرے اور پرُ جوش تقریریں سنتے سنتے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ نماز جنازہ کا وقت 2 بجے مقرر تھا مگر عوام کے سمندر سے گزرنے میں دشواری کے باعث ابھی تک شہید کا جسد خاکی مسلم ٹاؤن (صادق آباد) سے لیاقت باغ نہیں پہنچا تھا۔ تین بجے گلاب کی پھولوں سے لدی سفید ایمبولینس باغ میں پہنچی۔ لوگ فرط عقیدت سے بے تابانہ اسے ہاتھ لگا رہے تھے اور چوم بھی رہے تھے۔ یہاں تک کہ چند کلومیٹر کا فاصلہ کئی گھنٹوں میں طے ہوا۔ ہجوم کی کثرت میں ایمولینس مشکل سے نظر آتی تھی۔ بلاشبہ پاکستان کی تاریخ میں یہ سب سے بڑا تعزیتی اجتماع تھا۔ شہید نے وصیت کی تھی کہ ان کی آخری نماز امیر اہل سنت مولانا محمد الیاس قادری پڑھائیں۔ اگر وہ کراچی سے بوجوہ تشریف نہ لاسکیں تو جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی کے مہتمم استاد الاساتذہ مولانا سید حسین الدین شاہ امامت فرمائیں۔ لہٰذا پندرہ سولہ لاکھ اہل اسلام نے شاہ صاحب کی امامت میں نمازِ جنازہ ادا کی۔

بہر حال! اس سانحہ کی اشک بار فضا میں دو انتہائی مثبت اور اطمینان بخش پہلو سامنے آئے۔ ایک تو اس جنازہ میں تمام مسالک کے ماننے والوں اور ان کے علمائے کرام

کی شمولیت تھی جو عام طور پر ہمارے معاشرے میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ دوسرے انسانوں کے اس سمندر کا پرامن رہنا تھا۔ اگر وہ لوگ مشتعل ہو جاتے تو راولپنڈی اور اسلام آباد کے جڑواں شہروں میں قیامت آ جاتی۔ اس میں اسٹیج پر موجود علما کی بار بار اپیلوں کا بھی ضرور کچھ حصہ ہوگا۔ بہر کیف نمازِ جنازہ پڑھنے کے بعد یہ عظیم اجتماع اتنے پُر امن طریقے سے اپنے اپنے علاقوں کی طرف لوٹ گیا کہ راولپنڈی کے کسی بازار میں کوئی بلب یا گملہ تک ٹوٹنے کا نشان بھی دیکھا نہ گیا۔ انتہائی غم و غصے کے باوجود ان عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پُرامن اجتماع کی ایسی تاریخ رقم کر دی ہے جس کی ایسی مثال ہمارے ہاں ملنا نہایت دشوار ہے۔ ہزار تحسین و آفرین ان محبانِ وطن کے لیے جنھوں نے شدت جذبات میں صبر و تہذیب کا دامن تھامے رکھا اور پیارے پاکستان کی عزت و املاک پر حرف نہ آنے دیا۔ اُن کا یہ طرز عمل اس پیغام کا ثبوت تھا کہ عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پرامن لوگ ہیں اور ممتاز حسین قادری کی طرح اپنے اپنے دین اور پیغمبر اسلام کے خلاف اٹھنے والی آوازوں کا منہ تو بند کرنے پر مجبور ہوتے ہیں مگر ملک دشمن تخریب کاروں اور دہشتگردوں کے ساتھی نہیں بنتے۔ انہیں اپنا عقیدہ بھی پیارا ہے اور یہ وطن اور اس کے باسی بھی پیارے ہیں۔

اس واقعہ شہادت سے ملک بھر کی فضا کئی دنوں سے سوگوار ہے اور اس سے وابستہ متعدد سوالات عوام کی باتوں اور ذہنوں میں گردش کر رہے ہیں۔ نہ ایوان ہائے اقتدار سے ان کا جواب مل رہا ہے اور نہ فضول موضوعات پر شب و روز دماغ چاٹنے والا میڈیا ان پر روشنی ڈال رہا ہے۔ ان سب نے اسے قصداً پسِ پشت ڈال رکھا ہے مگر پھوڑے کو چھپانے سے اس کی ٹیسیں کم نہ ہوں گی۔ کروڑوں پاکستانی پوچھتے ہیں کہ:

1۔ توہین رسالت کی مرتکب مجرمہ آسیہ مسیح کی حمایت میں زبان درازی کرنے اور قانون تحفظ ناموس رسالت کو کالا قانون تک کہنے والے گورنر کو کیوں نہ کسی نے روکا ٹوکا؟ اس کے پیچھے پیچھے مغرب زدہ این جی اوز اور شیری رحمن جیسی بیسیوں کھلنے والی گستاخ

زبانوں کو کیوں لانم نہ دی گئی۔ یہ گستاخ لوگ اہل ایمان کے سینے زخمیکر رہے تھے لیکن وفاقی حکومت اور سیاسی رہنماؤں نے چپ سادھ رکھی تھی۔ کیا ان کا فرض نہ تھا وہ حالات کو خراب ہونے سے بچائیں؟ مگر ایسا نہ کیا گیا۔ یہاں تک کہ ایک قانون کے محافظ کو مجبور ہو کر ایمان کی حفاظت کے لیے ملک کے مروجہ قانون تحفظ ناموسِ رسالت کی موجودگی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی جان پر کھیل کر انتہائی قدم اٹھانا پڑا۔

2۔ کس سامری نے ملک کے نام نہاد آزاد میڈیا کی بولتی بند کر رکھی ہے؟ اظہار حقیقت کے نام پر مفاد پرست اینکر پرسن، چینل مالکان، پرنٹ میڈیا اور پیٹ پرست دانشور چوبیس گھنٹے ہماری مذہبی اور معاشرتی اقدار کے بخیے ادھیڑ کر ''روشن خیالی'' اور ''جمہوریت'' کا درس دیتے ہیں مگر اتنے بڑے ملک گیر اثرات کے حامل سانحہ کے پس پشت عوامل پر کیوں نہیں بولتے، لاکھوں کا یہ اجتماع کیسے ہوا؟ اور کروڑوں پاکستانیوں کے جذبات رنج وغم پر ہی سب کیوں اندھے، بہرے اور گونگے ہو گئے ہیں؟ ان کے منافقانہ کردار کو دیکھنے کے بعد اب ان کی لچھے دار جھوٹی کہانیوں اور تجزیوں کا کوئی اعتبار کرے گا؟ اور حقیقی اطلاع رسانی کی عدم موجودگی میں پاکستانی معاشرے کی رہنمائی اور یکجائی کیسے ہوگی؟ کیا اس خلا میں موقع پرست حسبِ خواہش انہیں گمراہ کرنے میں کامیاب نہ ہو جائیں گے۔

3۔ کسی چور یا ڈاکو کو مارنے والے شہری کو ''حفاظتِ خود اختیاری'' کا حقدار سمجھا جاتا ہے تو اپنے دین و ایمان اور آخرت کی حفاظت کے لیے مجبور ہو کر گستاخِ رسول کو اس کے انجام تک پہنچانے والے کو یہ رعایت کیوں نہیں دی گئی؟

4۔ ہمارے حکمران اپنے غیر ملکی آقاؤں کی خوشنودی کے لیے شاتمانِ رسول کو تو راتوں رات بیرونِ ملک بھیج دیتے ہیں۔ پاکستانیوں کو دن دہاڑے قتل کرنے والے ریمنڈ ڈیوس جیسے قاتل کو اسلامی قانون قصاص و دیت کا سہارا لے کر رہا کر دیتے ہیں اور مقتولین کے وارثوں کو خون بہا بھی خود ادا کرتے ہیں۔ اس طرح کئی وڈیروں اور بااثر

لوگوں نے اس قانون کا غلط فائدہ اٹھایا ہے۔ظلم کی انتہا یہ ہے کہ قائداعظمؒ کے پاکستان کو دولخت کرانے والے اقتدار کے حریص جنرل یحییٰ خان کا مواخذہ نہ ہوا اور اسے قومی پرچم میں لپیٹ کر دفنایا گیا۔ اور اب آئین پاکستان سے غداری کرنے والے جنرل پرویز مشرف کو بھی سپریم کورٹ کے ایما پر علاج کے بہانے دبئی بھیج دیا گیا ہے۔ یہاں نہ کسی عدالت کی رگِ انصاف پھڑکتی ہے اور نہ وزیراعظم اور صدر کی۔ کیا ایسے بااثر لوگ خدا نخواستہ اس خداداد ملک کے وجود سے بھی بالاتر ہیں؟ ستم ظریفی دیکھیں کہ کروڑوں عاشقان مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آرزوؤں کے مرکز اور دعاؤں کے حامل ملک ممتاز حسین قادری کے لیے ان حکمرانوں کے پاس کوئی گنجائش نہیں۔ یہاں تک کہ اس کے وارثوں کی رحم کی درخواست بھی ردی کی ٹوکری میں ڈال دی گئی۔ یہ بھی سُنا ہے کہ وزیراعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے کچھ علمائے اہل سنت کو یقین دلایا تھا کہ ممتاز حسین قادری کو پھانسی نہیں دی جائے گی۔ لیکن ان کا یہ وعدہ بھی محض فریب ثابت ہوا۔ نہ جانے کس کی خوشنودی کے لیے حکومتی پارٹی اپنے وعدے سے پھر گئی۔ ایسے فرماں رواؤں کی زبان پر اب کون اعتبار کرے گا؟ دیکھتے ہیں کہ اس بھاری اکثریت کی دعویدار (مسلم لیگی؟) حکومت زخم خوردہ ووٹر آئندہ الیکشن میں اسے دن کو تارے دکھائیں گے یا نہیں؟

5۔ اپیل در اپیل کے نام پر گستاخ رسول آسیہ کا مقدمہ اور چند ایسے ہی دیگر مقدمات عدالتوں میں لٹک رہے ہیں۔ انہیں سزائے موت سنائے ہوئے برسوں بیت گئے لیکن انہیں پھانسی دینے کی جرأت نہ ہوئی۔ کسی نہ کسی بہانے وہ سب لوگ جیل خانوں میں محفوظ بیٹھے ہیں۔ آخر ممتاز حسین قادری کے سلسلے میں کیا عجلت تھی کہ انہیں بغیر کسی اعلان کے پھانسی چڑھا دیا گیا؟ پھانسی سے ایک ہفتہ پہلے ڈیتھ وارنٹ جاری کرنے کا قانونی تقاضہ بھی کیوں نہ پورا کیا گیا؟ کیا اکیسویں صدی کے پاکستان میں ہزاروں سال پرانی یہ رومن کہاوت آج بھی زندہ و کارفرما ہے کہ ’’قانون مکڑی کے جالے کی طرح ہوتا ہے۔ کمزور اس

میں الجھ کر جان کھو بیٹھتے ہیں مگر طاقتور اسے توڑ کر نکل جاتے ہیں''؟

6۔ کیا یہ ظالمانہ نظام قانون اسی طرح جاری رہے گا؟ پاکستان کے کروڑوں لوگوں کے زخم زخم قلب وجگر کے باوجود حکمرانی کے مزے لوٹنے والے کیا جمہوریت کی علمبرداری کا کریڈٹ بھی لیتے رہیں گے؟ پتہ نہیں یہ کون سے جمہور کے نمائندہ ہیں؟ فوجی ڈکٹیٹر اور جعلی جمہوری حاکم ستر (70 سالوں سے باری باری قوم کی گردن پر سوار ہیں۔ یہاں کبھی ملی اقدار اور عوامی امنگوں کی مظہر وترجمان حکومت وریاست قائم ہوگی کہ نہیں؟ اور جن مقاصد عالیہ کے لیے ہمارے بزرگوں نے لاکھوں قربانیاں دے کر یہ وطن عزیز حاصل کیا تھا، ان کے حصول کا امکان کیا ہے؟

7۔ کچھ اس طرح کی افواہیں بھی پھیلائی گئی ہیں کہ اجلت میں راتوں رات پھانسی دینے کی وجہ سیاسی حکومت پر فوجی دباؤ تھا۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں ہے۔ روزنامہ امت کراچی رحیدرآباد کی ہفتہ 5 مارچ 2016ء کی اشاعت میں وجیہہ احمد صدیقی کی رپورٹ کا عنوان ہے ''سابق اعلیٰ فوجی افسران ممتاز قادری کی پھانسی پر برہم''۔ اس میں انہوں نے جن افسروں کے بیانات رپورٹ کئے ہیں، ان میں جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ، لیفٹیننٹ جنرل (ر) امجد شعیب، بریگیڈیئر (ر) آصف ہارون اور بریگیڈیئر (ر) سید نذیر مہمد بھی شامل ہیں۔ ان کے نزدیک حکومت نے آئین پاکستان کی منشا کے مطابق جمہوریت کو قرآن وسنت کی بنیادوں پر قائم نہیں کیا بلکہ ''لبرل اور روشن خیال'' وزیراعظم کے دور میں درسگاہوں کے نصاب سے بھی قرآن وحدیث کی تعلیمات کو نکال دیا ہے۔ ممتاز حسین قادری کی پھانسی بھی اسی منفی سوچ اور بیرونی آقاؤں کی خوشنودی کے حصول کی خواہش کا شاخسانہ ہے۔ صدر مملکت اسے عمر قید میں تبدیل کر سکتے تھے ممتاز قادری اس رعایت اس لئے مستحق تھے کیونکہ انہوں نے اپنے ایمان کا دفاع کیا تھا...... سلیمان تاثیر خود بھی اپنے قتل کا ذمہ دار تھا کیونکہ اس کا رویہ توہین آمیز اور تضحیک آمیز تھا وہ اس سیکولر گروپ کا ہیرو تھا جس کی خواہش

پاکستان کو اسلامی شناخت سے محروم کرنا ہے۔ جس روشن خیالی کے نام پر جنرل پرویز مشرف کی حکومت سیکولرازم پھیلا رہی تھی اسی ایجنڈا پر نواز شریف حکومت عمل پیرا ہے۔ امریکہ نے جاوید غامدی کو بھی یہ ذمہ داری دے رکھی کہ بیرون ملک بیٹھ کر اسلام کی ایسی تشریح کریں جو مسلمان نوجوانوں میں جہاد اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کو کم کر دے......'' ان سنیئر سابق فوجی افسروں کے خیالات و تاثرات سے ہم حاضر سروس افسروں کی سوچ کا انداز کر سکتے ہیں کیونکہ وہ کھلم کھلا اپنے رائے کا اظہار نہیں کرتے۔ مذکورہ افسروں کی نظر میں اتنے بڑے اندوہ ناک سانحہ پر پرُ امن رہنے والے عوام کی طرف سے حکومت کے نام یہ پیغام دیا گیا ہے کہ وہ اس ملک میں نظامِ مصطفی کا نفاذ چاہتے ہیں۔ ان افسروں نے یہ تشویشناک سوال بھی اٹھایا ہے کہ ہمارے فوجی، پولیس، رینجرز اور دیگر سکیورٹی کے سپاہی جب پریڈ کرتے ہیں تو اللہ اکبر، اللہ ھو اور نعرہ رسالت لگاتے ہیں۔ اور انہی کے ایک ساتھی کو جو نعرہ رسالت لگاتا تھا، پھانسی کی سزا مل گئی تو ان پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟''

بہر کیف! یہ دلدوز واقعہ تو ہو چکا، اہل درد اس پر ماتم کرتے رہیں گے اور مدتوں تک اس کی کسک حریم جاں میں سہتے رہیں گے۔ فی الحال صاحبانِ فکر و نظر کو غور کرنا چاہیئے کہ اپنی جان پر کھیل جانے والے غازی ممتاز حسین قادری کی دلربا شخصیت کس ماحول میں پروان چڑھی، اپنی مختصر سی حیات مستعار میں کون سی منزلوں سے گذرتی ہوئی عشق کی بلندی تک پہنچی اور یہ کہتی ہوئی واصل بحق ہوئی کہ ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(مرزا غالب)

علاوہ ازیں وہ کیا عوامل تھے جو اس سانحہ کا سبب بنے؟ اور اِس شہادت عظمیٰ کے ہماری دینی اور معاشرتی زندگی پر کیا اثرات ہو سکتے ہیں ورنہ ماضی کے بہت سے واقعات

کی طرح یہ واقعہ بھی حیرتوں کی نذر ہو جائے گا کہ ۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

(علامہ اقبال)

خاندان اور بچپن:

ممتاز حسین قادری راولپنڈی کے محلہ مسلم ٹاؤن، صادق آباد میں یکم جنوری 1985ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد مکرم کا نام ملک محمد بشیر ہے اور وہ اعوان قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے چھ بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں ممتاز حسین سب بھائیوں سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے ماں باپ کی محبت وشفقت کا محور تھے۔ ان کا ننھیالی خاندان اٹھال نامی گاؤں میں آباد ہے جو اسلام آباد کے مضافاتی علاقہ بھارہ کہو کے قریب سملی ڈیم روڈ پر واقع ہے اور وہیں پر اب انہیں دفن کیا گیا ہے۔ ددھیالی خاندان اسلام آباد بسنے سے پہلے اس کے موجودہ سیکٹر 7-4/F کی جگہ آباد تھا جہاں سے انہیں راولپنڈی شہر میں شفٹ ہونا پڑا۔ چونکہ والد صاحب پیشے کے لحاظ سے عمارتی مزدور تے لہٰذا ایک بڑے کنبے کی کفالت مشکل سے کر پاتے تھے۔ تاہم انہوں نے اپنی اولاد کو رزق حلال سے پالا۔ انہوں نے خود مجھے (راقم فاروق مصطفائی کو) بتایا کہ رزق حلال کمانے کے لیے ساری زندگی انہوں نے روزانہ صبح سے شام تک محنت کی ہے اور بعض اوقات انہیں سخت گرمی اور سردی کے دنوں میں پندرہ سولہ گھنٹے تک کام کرنا پڑا ہے۔ محنت کے ساتھ ساتھ سادگی اور اللہ پر توکل ان کے لیے سہارا بنے رہے۔ یوں حلال روزی میں خدا تعالیٰ نے ایسی برکت ڈالی کہ کبھی تنگدستی اور مالی پریشانی کا احساس نہیں ہوا۔ ان کی جفاکشی کی ایک ساتھی ان کے پاس تیس چالیس سال پرانی سائیکل ہے جو آج بھی ان کے زیر استعمال ہے۔ غازی قادری کا بچپن دوسرے

بچوں کی طرح کھیل کود میں گذرا۔ شروع میں ان کا مزاج کچھ تیز تھا۔ شاید اس لئے کہ وہ بھی بچپنے کی معصوم شرارتوں اور شوخیوں کے دلدادہ تھے پتنگیں اڑانے اور کرکٹ کھیلنے کے شوقین تھے۔ نہایت ذہین اور ہوشیار تھے۔ البتہ بارہ سال کی عمر کے بعد ان کے مزاج میں تیزی سے تبدیلی آئی اور وہ بڑے نرم خو اور معتدل ہو گئے۔ ان کے سب سے بڑے بھائی ملک محمد سفیر کے مطابق ممتاز حسین کی نمایاں ترین خوبی ان کی جھوٹ سے سخت نفرت اور ہر حالت میں سچی بات کے اظہار و اصرار کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

تعلیم و ملازمت:

ممتاز حسین نے میٹرک اپنے محلہ کے ایک انگلش میڈیم اسکول میں پڑھا جس کا نام عائشہ لاثانی ہائی اسکول ہے۔ پھر وہ الیکٹرانکس میں تین سال ڈپلومہ کورس کرنے کے لیے سویڈش ٹیکنیکل کالج، شمس آباد راولپنڈی میں داخل ہوئے۔ چند ماہ وہاں پڑھائی کی مگر وہ تعلیمی لائن انہیں پسند نہ آئی۔ انہیں پاکستان اور اس کی فوج سے بہت محبت تھی۔ لہٰذا وہ چاہتے تھے کہ پاکستان آرمی میں شامل ہو کر ملکی سرحدوں کا دفاع کریں جس کا انہیں موقع نہ ملا۔ پھر 2003ء میں انہوں نے پنجاب پولیس میں ملازمت کر لی جہاں دو سالہ ٹریننگ کے دوران رائفل شوٹنگ اور دیگر تمام مقابلوں میں نمایاں پوزیشن حاصل کرتے رہے۔ سرکاری ملازمت کے سارے عرصہ میں ان کے ساتھیوں اور افسروں کو ان سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ انہوں نے اپنی ڈیوٹی ہمیشہ محنت اور دیانت سے ادا کی۔

حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بہاریں

ذوق وشوق سے نعت شریف پڑھنا انہیں بچپن سے مرغوب تھا۔ وہ اسکول میں صبح کی اسمبلی میں اور محلے کی مسجد میں نعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سناتے رہے۔ ان کا یہ شوق حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ڈھلتا گیا اور جب صرف بارہ سال کی عمر میں دعوت اسلامی کے امیر

مولانا محمد الیاس قادری کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کر کے سلسلۂ عالیہ قادریہ کا سالک بنے تو منفرد و ممتاز مدح سراء مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلویؒ سے بھی نسبت قائم ہو گئی اور ان کا جذبہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نو وارد قادری میں سرایت کرنے لگا۔ کلام رضا جب ممتاز قادری کی زبان پہ جاری ہوا تو ان کی روح میں اتر گیا۔ چونکہ وہ رضائے مصطفی کے متلاشی تھے لہٰذا ان کے شب و روز اسی رنگ میں ڈھلتے گئے یہاں تک کہ ان کا مقصد حیات ہی آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و غلامی ٹھہرا۔ یعنی ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اُوست

اگر بہ اُو نرسیدی، تمام بولہبی ست

(علامہ اقبال)

(ترجمہ: محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و غلامی ہی روح دین ہے۔ (اگر وہ اختیار نہ کی تیری مسلمانی نہیں، بلکہ بولہبی (بے دینی) ہے)

آویزش قدیم و جدید:

اگر چہ ہر معاشرہ قدیم و جدید نظریات کا مجموعہ ہوتا ہے جہاں کچھ لوگ اپنی قدیم سماجی روایات سے منسلک رہتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں اور کچھ روایت سے منہ موڑ کر نئے سے نئے اسلوب حیات کے متلاشی ہوتے ہیں۔ دونوں طبقوں میں اعتدال رہے تو کسی کی زندگی بھی دو بھر نہیں ہوتی۔ لیکن جب مقتدر طبقہ اپنے نظریات دوسرے طبقہ پر ٹھونسنے لگے تو انتشار و مخالفت اور نفرت و تصادم رونما ہوتے ہیں اور وہ سوسائٹی تباہی سے دوچار ہو جاتی ہے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ کلمہ طیبہ کے نام پر حاصل کئے گئے وطن میں زیادہ تر مغربی تہذیب سے مغلوب و متاثر لوگوں کی حکومت رہی ہے۔ یہ لوگ اپنی دینی تعلیمات سے بیگانہ اور ثقافتی اقدار سے بیزار طبقہ کا حصہ ہیں۔ ان کے لیے ناؤ نوش کی محفلیں، ڈانس

پارٹیاں اور مادر پدر آزاد ماحول حاصل زیست ہے۔ مغربی افکار و نظریات کی جگالی اور ان کی زبان و عادات کی نقالی یہ طبقہ ترقی کی معراج سمجھتا ہے۔ پنجاب کا مقتول گورنر سلیمان تاثیر اسی طبقہ کا فعال نمائندہ تھا جو شاہب و شراب کا رسیا تھا اور اسلامی اقدار و روایات سے بغاوت کو روشن خیالی گردانتا تھا۔ شاید وہ بدنصیب بھی اپنی جرمن ماں کی تعلیم و تربیت کا نمونہ بن گیا تھا ورنہ اس کا باپ ڈاکٹر محمد دین تاثیر تو 1929ء میں غازی علم الدین شہیدؒ کا جسد خاکی علامہ محمد اقبالؒ اور دیگر زعما ملت کے ساتھ وصول کرنے، اس کی تجہیز و تدفین کرنے اور سوگ منانے والوں میں شامل تھا۔ غازی علم الدینؒ کو ایک گستاخ رسول کو قتل کرنے کی پاداش میں انگریز حکومت نے میانوالی جیلی میں پھانسی دی تھی۔ لاکھوں سوگوار مسلمانوں کے ساتھ ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے بھی ان کی نماز جنازہ پڑھی اور انہیں لاہور کے قبرستان میانی صاحب میں دفن کیا۔

حالات کی ستم ظریفی دیکھیے کہ "بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے جس ناموس رسالت کے تحفظ کے جذبہ سے سرشار ہو کر ڈاکٹر تاثیر سرگرم عمل رہا، اس کا بیٹا سلمان تاثیر اسی کی خاطر بنائے گے قانون کی مخالفت میں زبان درازی کا مرتکب ہوا اور گستاخ رسول آسیہ کی رہائی کے لیے اسے کالا قانون قرار دیتا رہا۔ اسی سے مذہب بیزار طبقہ کو شہ ملی اور اس کی گستاخ زبانیں تہذیب و شرافت اور احترام نبوت کی حدود پار کرنے لگیں۔ جب کسی بھی قومی سطح کے حکمران، عدالت اور سیاست دان نے ان طبقے کا منہ بند نہ کیا تو عام مسلمان انگاروں پر لوٹ گئے۔ آخر ان کی دینی حمیت، محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور غیرت پاکستان کا غیر اعلانیہ نمائندہ بن کر ملک ممتاز حسین قادری آگے بڑھا اور جس گورنر پنجاب سلمان تاثیر کا وہ حفاظتی گارڈ تھا اسے گولیوں سے بھون ڈالا۔ یہ واقعہ جنوری 2011ء کو اسلام آباد میں پیش آیا۔ غازی ممتاز قادری کو تو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا لیکن زہر اگلتی زبانوں کو ضرور تالے لگ گئے اور انہیں پیغام مل گیا ہے۔

گو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ

آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

(علامہ اقبال)

ہر آزادی دین و معاشرت کی حدود و قیود کی پابند ہے باپ کی داڑھی نوچنے والے آزادی پسند ہوں یا دینی مسلمات کی بے حرمتی کرنے والے گستاخ، انہیں طعن وتعزیر کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جیل اور پھانسی:

غازی ممتاز حسین قادری کے بڑے بھائی ملک محمد سفیر نے بتایا کہ غازی ممتاز حسین نے اڈیالہ جیل راولپنڈی میں پانچ سال سے زائد عرصہ گزارا۔ گھر کے افراد بیسیوں مرتبہ ان سے ملاقات کرنے گئے۔ ہم نے انہیں کبھی آزردہ خاطر نہ دیکھا۔ ہمیشہ مطمئن اور مسرور پایا۔ خدا جانے انہیں کیسی طمانیت قلب اور سکینت میسر تھی کہ ہمیں کہتے تھے" میں یہاں گھر سے زیادہ خوش ہوں۔" جیل جانے کے بعد ہی اللہ کریم نے انہیں اکلوتا بچہ عطا فرمایا جس کا نام انہوں نے محمد علی رضا رکھا۔ مقدمہ چلتا رہا، پھانسی کی سزا بھی سنادی گئی مگر وہ کبھی مغموم نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ اپنی بیوی اور پیارے بیٹے سے مل کر بھی پریشانی کی بات نہیں کی۔ وہ صدر پاکستان سے رحم کی اپیل کے لیے بھی آمادہ نہ تھے۔ بمشکل ماں باپ کے اصرار پر مانے۔ تاہم صدر پاکستان سے معافی نہیں انصاف مانگا۔ جیل میں ان کا وقت تلاوتِ قرآن پاک، ذکر الٰہی، درود شریف ونعت خوانی اور دینی کتابیں پڑھنے میں بسر ہوا۔ ملاقات کے مواقع پر بھی وہ سب سے پہلے تلاوت ونعت پڑھتے اور ختم شریف کی محفل کا اہتمام کرتے۔ اس کے بعد گھر والوں سے باتیں کرتے۔ ذاتی استعمال کے لیے کتابوں کے علاوہ شاید ہی کبھی سامان منگوایا ہو۔ البتہ قیدی ساتھیوں کی ضرویات پوری کرنے کی

خاطر دس بیس ہزار روپے لے لیتے تھے۔قلبی یکسوئی، ذہانت اور یادداشت کا یہ عالم تھا کہ صرف ایک مرتبہ پڑھنے کے بعد سینکڑوں صفحات پر مشتمل کتاب کے کسی بھی مضمون یا واقعہ کی جزئیات تک بیان کر دیتے تھے۔

میرے بار بار تقاضہ کرنے پر ملک سفیر نے ذرا ہچکچاتے ہوئے چند ایسی باتوں کا مختصر ساذکر کیا جنہیں روحانی زندگی سے ناآشنا قارئین مشکل سے مانیں گے۔بہر حال! جیل کے سیکورٹی گارڈ مدثر نے انہیں بتایا کہ ایک رات کے پچھلے پہر گارڈوں کو بڑے گیٹ کی بُرجی پر آسمان سے اترتا ہوا نور دکھائی دیا۔ جسے کوئی خطرہ سمجھ کر وہ گھبرا گئے اور سیٹیاں بجاتے ہوئے ادھر ادھر بھاگے کہ صورت حال کی حقیقت معلوم کر سکیں۔اس پر انہیں اندازہ ہوا کہ یہ آسمانی روشنی غازی ممتاز حسین کی کوٹھری پر اتری ہے۔صبح ان سے معلوم کیا تو بس مسکرا دیئے اور خاموش رہنے کی تلقین کرنے لگے۔ یہ کیفیت بعد میں بھی نظر آئی خصوصاً 2016-01-29 کی صبح کو جب انہیں پھانسی گھاٹ پر لے جایا گیا اور ان کی سوئے خلد پرواز کے آخری لمحات تھے۔اس تیز روشنی کی یکدم آمد پر سارا عملہ سہم گیا۔غازی ممتاز حسین نے تختے پر کھڑے ہو کر پھانسی کے پھندے کو چوما اور اسے خود گلے میں ڈالا۔ بلند آواز سے عملے کو کہا کہ جب میں ’’اللہ اکبر‘‘ اور ’’لبیک یارسول اللہ‘‘ کا نعرہ لگالوں تو پھر لیور کو دبانا۔سچ ہے کہ ؎

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اِس جان کی تو کوئی بات نہیں

(فیض احمد فیض)

جب پھانسی کا عمل مکمل ہوا اور منہ سے سیاہ نقاب اتارا گیا تو ایک متبسم گلاب سا چہرہ سب کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ عملے کے کچھ افراد حیرانی سے سکتہ میں آ گئے اور کچھ آنسو بہانے لگے۔اس سے پہلے ان کے ہاتھوں کئی مجرم مصلوب ہو چکے تھے جن کے چہروں کی رنگت تو کیا بدلی ہیئت تک بدوضع ہو گئی تھی۔لیکن یہاں تو معاملہ ہی برعکس تھا۔عموماً مصلوب

آدمی کی موت واقع ہوجانے کی تصدیق کرتے ہوئے ڈاکٹر کو تیس پینتیس منٹ لگتے ہیں مگر اس کشتۂ محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لاش تختۂ دار سے اتارنے کے پانچ سات منٹ بعد ہی حیرتوں میں گم ڈاکٹروں نے موت کی تصدیق کر دی۔ اللہ جانے کون کون سے نورانی ہستیاں اس روز پھانسی گھاٹ پر تشریف فرما ہوئیں اور اس عاشق مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شاداں وفرحاں روح مبارک کو اپنے جوت میں لے کر جنت کی طرف پرواز کر گئیں۔ اللہ کریم اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس جاں نثار کی شہادت قبول فرما کر اسے اعلیٰ علیین میں بلند مقام عطا فرمائے اور لواحقین اور ہم جیسے عقیدت مندوں کو بھی شہید کے صدقے اپنی رحمتوں سے نوازے (آمین)۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

شہید کے برادر بزرگ کے مطابق جب ان کے گھر والے آخری ملاقات پر ان سے ملے تو ان کا چہرہ گلرنگ تھا اور کسی اندرونی احساس مسرت سے تمتما رہا تھا۔ کہنے لگے کہ میں نہ کہتا تھا ''رحم کی اپیل نہ کریں دیکھیں وہ مسترد ہوگئی ہے تو میں مطمئن ہوں جیسے مجھے میری منزل مل گئی ہو''۔ ساری دنیا نے انٹرنیٹ پر ان کی میت کی تصویریں ملاحظہ کی ہوں گی کہ جیسے ایک شاداب چہرے مُہرے والا نوجوان سبز عمامہ اور سفید کپڑے پہن کر محض آنکھیں موند کر لیٹا ہوا ہے۔ شاید تھوڑی ہی دیر میں وہ اٹھ کر کھڑا ہو جائے گا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ میت کو گھر لا کر غسل اور کفن دے کر رکھا تو ان کی ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی اور انہوں نے بھی آنکھیں کھول کر ہمیں دیکھا۔ جب انہیں لکڑی کے تابوت میں لٹا کر اسے بند کر دیا تو ٹینچ بھاٹہ راولپنڈی کے کامران نے تابوت کے شیشے کے اوپر سے تصویر اتاری اور وہاں موجود کئی افراد کو دکھائی کہ اس میں ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔

ان کے بھائی کا یہ بھی کہنا ہے کہ جس بوڑھے باپ کا اکتیس برس کا جوان رعنا فرزند داغ مفارقت دے گیا ہو اس کی تو شدت غم سے کمر دوہری ہوجاتی ہے پر ہمارے والد محترم سترہ دنوں سے مطمئن اور صابر وشاکر ہو کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ حیرت ہے کہ ہم نے

ان کی نہ آہ وبکا سنی اور نہ ان کی آنسو دیکھے ہیں۔ کسی حد تک ایسی ہی فضا سارے گھر کی ہے جو سوگوار نہیں۔ اگر چہ سب لوگ چپ چپ سے ہیں لیکن کسی طمانیت کے سائے تلے ہیں۔ ہمارے سان گمان میں بھی نہ تھا کہ لوگ دور دراز سے سفر کر کے ہمارے بھائی کے جنازہ میں شریک ہوں گے بلکہ بیرونی ملکوں سے بھی آئیں گے۔ مچھر کالونی کراچی کے سولہ سترہ سالہ دونو جوانوں نے مجھے بتایا کہ وہ شہادت کی خبر سن کر رو رہے تھے اور نماز جنازہ میں نہ پہنچ سکنے پر افسوس کر رہے تھے۔ ایک صاحب دل نے انہیں ائیر ٹکٹ خرید کر دس ہزار روپوں کے ساتھ دے دیئے تا کہ ان کی یہ آرزو پوری ہو جائے۔ اسی طرح سارے پاکستان سے لوگ تکلیف دہ سفر کر کے بھی جنازے میں شامل ہوئے۔ آخر میں ملک صاحب نے کہا کہ ہم غیر معروف لوگوں کو چھوٹے بھائی کی شہادت عظمیٰ نے دنیا میں قابل عزت بنا دیا ہے۔ بفضل خدا ہم آخرت بھی بھی ایسی ہی عزت ونجات کے حصول کے لیے پرُ امید ہیں۔''

طنبورہ چہ سراید؟

ایک فارسی کہاوت ہے کہ من چہ سرایم وطنبورۂ من چہ می سراید؟ یعنی میں کیا گنگنا تا ہوں اور میرا طنبورہ کیا گا رہا ہے؟ غازی ممتاز حسین قادری کی شہادت پر بھی یہی معمہ درپیش ہے۔ حکومت وعدالت اور ریاست پاکستان سمجھتی ہے کہ اس نے قانون کے مطابق ایک قاتل کو موت کی سزا دی ہے۔ جبکہ کروڑوں مسلمان اُسے ایک عاشق مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ناموس رسول خدا کے جانباز محافظ کا عدالتی قتل قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہماری عدالتیں سامراجی نظام قانون کی وراث ہیں جو انگوٹھا چھاپ طریقے سے کام کر رہی ہیں۔ ان کی گرفت سے ہاتھی آزاد ہیں مگر خرگوش محصور ومصلوب کیے جاتی ہیں۔ دوسری طرف حکمران ہیں جو شکم پروری اور قومی دولت کی خورد برد کی حد تک تو آزاد ہیں لیکن ذہنی طور پر مغربی تہذیب سے متاثر اور ان کی حکومتی طاقت کے سامنے غلام محض۔ نہ ان کی پالیسیاں

اپنی ہیں نہ عمل درآمد کے فیصلے۔ یہاں پتھر مقید ہیں اور کتے آزاد۔حکومت وقت اورعوام وطن میں سے حق پر کون ہے؟ یہ جاننے کے لیے تاریخ اسلام کا یہ واقعہ مددگار ہوسکتا ہے کہ عباسی خلفاء کے دور میں فلسفۂ یونان کا عمل دخل دربارِخلافت تک جا پہنچا۔فلسفیانہ مباحث کی زد میں اسلام کی بنیادی عقائد بھی لا کھڑے کیئے تو فرقۂ معتزلہ نے فروغ پایا جس کی مخالفت میں امام احمد بن حنبلؒ نے آواز بلند کی۔ خلیفہ وقت نے انہیں گرفتار کرایا اور اپنے دربار میں بلا کر معتزلی عقائد کی تائید پر مجبور کیا۔امام صاحب کے انکار پر انہیں برسر دربار کوڑے مارے گئے۔تھوڑے تھوڑے دنوں کے وقفے سے کئی مرتبہ یہ عمل دہرایا گیا مگر امام صاحب نے سرنڈر نہ کیا۔امام صاحب نے ایک دن خلیفہ اوراس کے حواریوں کو زمانے نے دیکھا کہ خلیفہ کے جنازے میں درباریوں کی محدود سی تعداد شامل تھی لیکن امام احمد حنبل کے جنازے میں لاکھوں لوگ شریک ہوئے۔

گورنر سلمان تاثیر اوراس کے ملکی اور غیر ملکی بہی خواہوں اور گورنر کے ایک عام حفاظتی گارڈ کے درمیان حق کا فیصلہ بھی ان دونوں کے جنازوں نے کر دیا ہے۔سلیمان تاثیر کا جنازہ پڑھانے کے لیے کوئی معروف عالم تیار نہ ہوا۔آخر سو پچاس افراد کی جماعت کسی مجہول سیاسی کارکن نے کرادی۔اس کے برعکس اس کے قاتل کے جنازہ میں پندرہ سولہ لاکھ پاکستانی مسلمانوں اور ہزاروں نامور علماء ومشائخ نے شرکت کی۔

تاہم یہ عدیم المثال جنازہ بھی کچھ لوگوں کے ذہنی الجھنوں کو ختم نہیں کر سکا۔ان میں گورنر کی ہندوستانی بیوی سے جنم لینے والا اسی کا فرزند آتش تاثیر بھی ہے۔اس نے 13 مارچ 2016ء کے نیویارک ٹائمز میں اپنے مضمون ''میرے باپ کے قاتل کا جنازہ'' میں اس بات پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ پاکستانی ریاست نے آتش تاثیر کی توقع اور خدشات کے برعکس اس کے باپ کو قتل کرنے والے کو پھانسی کی سزا دے دی ہے۔لیکن وہ باپ کے قاتل ممتاز حسین قادری کے جنازے میں لاکھوں کی تعداد دیکھ کر اس سے بھی بڑھ کر

ششدر رہ گیا ہے کہ ایک عام پولیس گارڈ کی محبت میں اتنے لوگ گھروں سے نکل آئے ہیں یا وہ اس کے باپ سے نفرت کے اظہار کے لیے نکلے ہیں؟ اگر چہ اس نے قیاس کے گھوڑے دوڑاتے ہوئے کئی اور سوالات بھی اٹھائے ہیں لیکن سر دست یہ عاجز فاروق مصطفائی اپنی ناچیز سمجھ کے مطابق آتش تاثیر سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ بجنسہٖ نہ ممتاز حسین قادری کسے کسی ذاتی تعلق یا پیار نے لاکھوں لوگوں کو لیاقت باغ راولپنڈی میں بلایا تھا اور ف نہ ہی اس کے والد سلیمان تاثیر سے ان کی کوئی ذاتی دشمنی یا نفرت اس آمد کا سبب تھی۔ بلکہ اس کے پیچھے مقصود کائنات، رحمت عالم، حضور اکرم، حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ذات گرامی تھی جن سے اظہار محبت کے لیے پاکستان کے کونے کونے سے ان کے غلام کھنچے چلے آئے۔ وہی محبوب عالی جاہ محبت و نفرت کے جذبات کا سبب و معیار اور کسوٹی ٹھہرے۔ لہٰذا آتش کے والد کی کائنات کے دولہا ﷺ سے بیزاری دیکھ کر اہل پاکستان کو نہ اس کے قتل سے ہمدردی ہوئی نہ انہوں نے اس کے جنازے میں شرکت کی۔ اس کے برعکس آقائے دو جہاں ﷺ کی عزت و ناموس پر اپنی جان فدا کر دینے والے ممتاز حسین قادری کروڑوں پاکستانیوں کے دل میں بس گئے اور ان کی نگاہوں میں ہیرو بن گئے۔ لہٰذا ممتاز قادری کے جنازے میں شمولیت کی خاطر لاکھوں مسلمان راولپنڈی اُمڈ آئے حالانکہ گورنر کی ''مظلومیت'' کا ڈھول سارا سرکاری اور غیر سرکاری میڈیا پیٹ رہا تھا مگر قادری کی شہادت پر ان سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ اس منظر میں کون کہاں کھڑا ہے؟ ہر ایک اپنے بارے میں بھی فیصلہ کر سکتا ہے۔ ؎

ہر شخص اپنی سیرت و کردار دیکھ لے
آئینہ بن کے سب کے مقابل حضور ﷺ ہیں

پسِ شہادت امکانات:

اس عدیم المثال جنازے میں کتنے لاکھ محبانِ رسول نے شرکت کا شرف حاصل کیا؟ اس میں تو کم و بیش کی بحث ہو سکتی ہے لیکن یہ امر تمام لوگوں نے تسلیم کیا ہے کہ ممتاز حسین

قادری شہید کا جنازہ پاکستان کی تاریخ کا نہ صرف سب سے بڑا جنازہ تھا بلکہ وہ محض ہجوم مرد ماں نہ تھا، سچے اور پرُ جوش جذبوں سے معمور مسلمانوں کا اجتماع تھا۔ پھر جس ماحول میں یہ واقعہ شہادت رونما ہوا، اس پر اہلِ وطن مغموم و پریشان ہیں۔ البتہ ایک چھوٹی سی مغرب پرست، مادر پدر آزاد مگر نہایت بااثر نام نہاد روشن خیال اقلیت اپنی جگہ مطمئن و مسرور بھی ہے کہ حکمرانوں نے مذہب کے متوالوں کو دنداں شکن جواب دیا ہے اور اب ان لوگوں کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا ہے۔ لہٰذا مستقبل میں امکانی نقشہ حالات کچھ اس طرح کا ہو سکتا ہے۔

1۔ مغرب پرست اور مذہب بیزار طبقہ تحفظ ناموس رسالت کے قانون خصوصاً اس کی شق نمبر 95C- 2 کو منسوخ کرانے یا بے اثر بنانے کی بھرپور کوشش کرے گا اور اپنے غیر ملکی آقاؤں سے بھی دباؤ ڈلوائے گا۔ ان کے اپنے حوصلے بھی بڑھ جائیں گے اور انہیں بیرونی میڈیا اور دیگر وسائل کی سپورٹ بھی ملے گی۔

2۔ پاکستانی حکمران بھی اپنی روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا ثبوت پیش کرنے کے لیے تنسیخ و تبدیلی قانون کے لیے آمادہ ہو سکتے ہیں۔ تاہم اس واقعہ شہادت سے ان کے بارے میں عوام کی بیزاری بتاتی ہے کہ آئندہ الیکشن میں لاکھوں دلفگار انہیں ووٹ نہیں دیں گے۔ عین ممکن ہے کہ عوامی سپورٹ سے محرومی کے خوف میں آئندہ یہ کوئی ایسا مزید انتہائی اقدام اٹھانے سے گریز کریں۔ پھر بھی فدائیان، رسول ﷺ ان سے دور رہنے کو ہی ترجیح دیں گے۔ تاہم انہیں چاہیے کہ چوکنا رہیں اور حکومت کو کھل کھیلنے کا موقع نہ دیں۔

3۔ یہ حقیقت ہے کہ۔

''شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے'' کے مصداق ممتاز حسین قادری کی شہادت بھی اتحاد امت کا باعث بنی۔ ان کے جنازہ میں تمام مسالک کے لوگ شامل تھے۔ جو حب رسول اکرم ﷺ میں ہی شریک نماز ہوئے تھے۔ خدا کرے کہ یہ جذبہ پروان چڑھے اور امت میں اتفاق و اتحاد کی فضا قائم کرنے کا موجب ہو۔ ہمارا ایمان ہے کہ

سارے مسالک کے ماننے والے حضور پاک ﷺ کی ذات اقدس کو اپنا محور ومرکز بنا کر ہی ملت واحدہ کی صورت میں ڈھل سکتے ہیں۔ دینی رہنماؤں نے عقیدت ومحبت کی موجودہ فضا میں اتحاد کی کوششوں سے کام کرلیا تو وہ ملک وملت کی تقدیر سنوار سکتے ہیں۔

4۔ مذکورہ بالا اتحادی کوششوں کو رُو بہ عمل لانے کا فریضہ سب سے زیادہ علماء ومشائخ اہل سنت پر عائد ہوتا ہے۔ اگر انہوں نے غازی ممتاز حسین قادری کے مقدمہ کے دوران اپنی بے حسی، بے عملی اور بے اثری کا اذیت ناک مظاہرہ نہ کیا ہوتا تو شاید یہ واقعہ دردواندوہ پیش نہ آتا۔ مگر افسوس کہ کچھ حکومت کی ناراضگی کے خوف سے دُبکے رہے۔ کئی لقمہ تر کی فراہمی میں لگے رہے اور کچھ گوشۂ عافیت میں چھپے رہے کہ کون اپنا آرام خراب کرے۔ عشق مصطفی ﷺ اور غلامی رسول ﷺ کے درس بس عوام کے لیے ہیں جو غازی علم الدین اور غازی ممتاز حسین بن کر نکلتے ہیں اور اپنے آقا ومولا ﷺ کی عزت، شان اور آن پر قربان ہو کر رتبہ شہادت پا لیتے ہیں۔ اکابرین خود مال دنیا کا اکٹھا کرتے ہیں، محل بناتے ہیں، پجیرو گاڑیاں خریدتے ہیں، عقیدت مندوں سے ووٹ لے کر اسمبلیوں کے ارکان اور وزیر بنتے ہیں، البتہ عوام کے لیے موقع بہ موقع دعا فرماتے رہتے ہیں۔ اگر انہوں نے آئندہ بھی لوگوں کو اسی طرح مایوس کیا تو ان کے حلقہ ہائے اثر ورسوخ ختم ہو جائیں گے اور خدانخواستہ یہ مایوس لوگ دین سے ہی دور ہو جائیں گے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ جب بھی ایک...... زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن...... آئیں گے تو عوام پر اس کا اثر یاس وگریز کی صورت میں پڑے گا۔

5۔ معذرت کے ساتھ ساتھ عرض ہے کہ شاید ہمارے کئی رہنما بزعم خویش یہ سمجھتے ہیں کہ وہی اس مسلک حق کے محافظ وترجمان ہیں۔ مگر ان کی یہ سوچ غیر حقیقی ہے۔ اللہ کے دین کی حقانیت کے اظہار وترویج کے لیے کوئی شخص ناگزیر نہیں۔ غازی عبدالقیوم شہید، غازی علم الدین شہید اور غازی ممتاز حسین قادری شہید جیسے تمام جاں نثارانِ مصطفی ﷺ

''لبیک یا رسول اللہ'' کا نعرہ بلند کرتے ہوئے سولی چڑھ گئے۔ ان کی شہادت چار دھنگ عالم میں ہمارے عقیدے کی حقانیت کا اعلان کے لیے کافی ہے۔ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، یہ اعزاز صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کو ہی نصیب ہوا ہے۔

6۔ آج حالات کا تقاضہ ہے کہ فروغ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبہ کو تحریک کی صورت دی جائے اور اس سے حاصل کردہ قوت کو تعلیم وطن اور اتحاد امت کے لیے استعمال کیا جائے۔ لیکن جنازہ کے موقع پر اور اس کے بعد بھی ایسی بساند آ رہی ہے کہ کچھ لوگ شہید کی لحد پر سیاست کرنا چاہتے ہیں۔ بعض کوتاہ اندیش اور مفاد پرست عناصر لوگوں کو ورغلا رہے ہیں اور اپنی لیڈری چمکانے کے چکر میں بزرگوں کی بے حرمتی کر رہے ہیں۔ ان سے دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ احترام ومحبت کی روش اختیار کریں اور اکابر کی تائید وحمایت سے رہنمائی کی منزل تک پہنچیں تاکہ پاکستان میں مصطفائی معاشرہ قائم کرنے اور نظم حکومت کو مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کے کام میں پیش رفت ہو۔

اس سلسلے میں وہ دونوں گرامی قدر شخصیات جنہوں کے وصیت کے مطابق نماز جنازہ پڑھائی تھی، رہنمائی کے لیے نہایت موزوں ہیں۔ ان کے علاوہ میاں عبدالخالق پیر صاحب پر چونڈی شریف، پیر سید منور حسین جماعتی شجادہ نشین علی پور سیدہ، محترم مظہر سعید کاظمی، سید ریاض حسین شاہ، شاہ تراب الحق قادری اور مفتی منیب الرحمن چیئرمین رویت ہلال کمیٹی پاکستان، جیسے بزرگوں سے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے غازی ممتاز حسین قادری شہیدؒ کی قربانی کا بھی یہی سبق ہے کہ ہم سب اس مقصد کے لیے کام کریں جس کے لیے وہ اپنی متاع حیات لوٹا گئے اور ملت پاکستان کو آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچا گئے۔

صلۂ شہید کیا ہے، سب وتابِ جاودانہ

(ماہنامہ مصطفائی نیوز کراچی، مارچ، اپریل 2016ء)

باب: سوم

گرفتاری سے شہادت تک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یمن کے سب سے بڑے دارالافتاء کا سلمان تاثیر کے کفر اور ممتاز قادری کی بریت میں فتویٰ

اردو ترجمہ: محمد مہربان باروی، دمشق، شام

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین، سیدنا محمد المبعوث رحمۃ للعالمین، علی آلہ وصحبہ وتابعیھم الی یوم الدین۔ امابعد

استفتاء کے شق اوّل کا جواب:

ہمیں شہر تریم حضر موت، یمن کے دارالافتاء میں محمد محبوب الرسول القادری کا پاکستان کے شہر لاہور سے استفتاء موصول ہوا اور ہمارے دارالافتاء کی مجلس کا اجلاس بمورخہ 13 ربیع الثانی 1433ھ کو منعقد ہوا جس میں استفتاء میں وارد ہونے والے تمام پہلوؤں کا بخوب غور و فکر اور بحث و مباحثہ سے جائزہ لیا گیا اور ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اس سوال میں جیسا کہ کہا گیا ہے اگر واقعی ہی ایسا ہے تو سلمان تاثیر ان اقوال کی رو سے مرتد اسلام ہے اور اس پر تمام مرتدین کے احکام نافذ کئے جائیں گے جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

سب سے پہلے توبہ کی ترغیب دی جائے گی جو کہ واجب ہے اور اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو فبہا ورنہ کفراً قتل کر دیا جائے گا اور پھر نہ ہی اس کو غسل دیا جائے گا اور نہ یہ اس کی نماز

جنازہ پڑھائی جائے گی اور نہ ہی اسے کفن دیا جائے گا اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے قبرستان میں مدفون کیا جائے گا۔ اس کی تمام زوجات کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور ان میں سے جو غیر مدخولہ ہیں، ان پر فوری طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اور اس کے مسلمان نہ ہونے کی صورت میں اس کی تمام مدخولہ زوجات پہ عدت گزارنے کے بعد طلاق بائنہ واقع ہو گی۔

اور نہ ہی وہ کسی کے ترکہ کا وارث بن سکتا ہے اور نہ ہی اس کے ترکہ کا کوئی وارث بنے گا، اس کی تمام مال و جائیداد پہ اس کا تعلق ختم ہو جائے گا یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائے، کیونکہ ارتداد کفر کی سب سے بدترین قسم ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ''

(البقرۃ:۲/۲۱۸)

ترجمہ: ''اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے پھر کافر ہو کر مرے تو ان لوگوں کا کیا اکارت گیا دنیا میں اور آخرت میں اور وہ دوزخ والے ہیں، انہیں اس میں ہمیشہ رہنا۔''

حضرت علامہ محمد بن سالم بن حفیظ رحمۃ اللہ علیہ سے جب اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کی کہ اس شخص کو کہا: ''او مسخرے خوش آمدید'' جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد مصطفی میں تعظیماً کھڑا ہوا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا تذکرہ ہوتا ہے تو آپ نے ایک مفصل جواب دیا اور متعدد دلائل سے اپنے مؤقف کی تائید کی جیسا کہ آپ کے فتاوٰی میں ہے اور آپ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اس کا بھلا کرے۔''

اس شخص کے مذکورہ قول کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں:

اولاً یہ کہ اس نے یہ قول حقارت کی نظر سے آپ کی بارگاہ میں کہا جو کہ تمام مخلوقات سے افضل اور خاتم الانبیاء والرسل ہیں۔ صلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ وصحبہٖ وسلم

ثانیاً اس نے اس اپنے مذکورہ قول سے ان حضرات کو اپنی طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں تعظیماً کھڑے ہوئے تھے۔

پہلی صورت:

پہلی صورت میں اس کا دین اسلامی سے خارج ہونے میں کوئی شک نہیں۔

"والعیاذ باللہ من ذلک"

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یا کسی بھی نبی مرسل صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کی توہین کفر ہے بالاجماع۔

قاضی عیاض کی کتاب الشفاء میں ہے جس کے لفظ کچھ یوں ہیں:

"من اضاف الی نبینا صلی اللہ علیہ وسلم تعمد الکذب فیما بلغہ واخبربہ، او شک فی صدقہ، او سبہ، او قال انہ لم یبلغ، او استخف بہ، او باحد من الانبیاء او ازری علیہم، او اٰذاھم او قتل نبیاًاو حاربہ فھو کافر باجماع۔انتھی

"جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ یا خبر کو جھٹلایا، یا اس میں شک وشبہ کیا، یا برا بھلا کہا، یا یہ کہا کہ آپ نے دین کے پیغام میں کوتاہی کی، یا آپ سمیت کسی بھی نبی کو حقیر جانا، یا عیب نکالا، یا کسی بھی طریقہ سے تکلیف دی، یا ان سے جنگ وقتال کیا یا ان میں سے کسی کو قتل کیا وہ بالاجماع کافر ہے۔" (کتاب الشفاء ۲/۶۰۸، طبع ۲، دارالفیحاء)

اور یوں ہی ہمارے ائمہ کی بہت سی دیگر کتب میں وارد ہوا ہے جیسا کہ حضرت علامہ ابن حجر الھیتمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کتاب الاعلام فی قواطع الاسلام اور حضرت علامہ الحبیب عبداللہ بن حسین بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سلم التوفیق اور اس کی شرح میں ہے جو کہ حضرت علامہ محمد سعید بابصیل رحمۃ اللہ علیہ کی ہے و دیگر بہت سی کتب میں ہے۔

علامہ ابن حجر الہیثمی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب التحفہ میں کتاب الردۃ کے شروع میں ماتن کی عبارت کے بعد فرماتے ہیں:

''ھی قطع الاسلام بنیته، او قول کفر، او فعل، سواء قاله استھزاء، سورتھا کان یقول له قُص اظافرک فانه سنته فقال لا افعله وان کان سنته''

''مرتد ہونے کی بہت سی صورتیں ہیں، قطع اسلام کی نیت کرنا، کفریہ اقوال و افعال کا سرزد ہونا اگرچہ وہ ہنسی مذاق میں کیوں نہ ہو، مثال کے طور پر اگر اسے کہا گیا بھائی ناخن تراش لو سنت ہے، اس نے جواباً کہا میں نہیں تراشوں گا سنت ہے تو کیا ہوا۔''

اور پھر ماتن کے قول کے بعد فرمایا:

''وَکذّب رسولاً او نبیًا او نقصه بای منقص کان صغر اسمه مریدًا تحقیره انتھی''

''کسی رسول یا نبی کو جھٹلانا یا ان میں کسی قسم کی کمی نکالنا جیسا کہ نام کی تصغیر نکالنا ہے حقارت کی نیت سے۔'' (ج ۹ /ص ۸۱۔ ۸۷)

اور ایسے ہی علامہ رملی نے نہایہ میں فرمایا ہے۔

دوسری صورت:

اور اگر اس شخص کی نیت: ''او مسخرے خوش آمدید'' سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں تعظیماً کھڑے ہونے والے حضرات پر طعن و تشنیع کرنا تھا تو اس کی دو وجوہات ہوسکتی ہیں:

پہلی یہ کہ وہ تعظیماً مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں کھڑے ہوئے اس لئے وہ انہیں نشانہ بنا رہا ہے تو یہ قسم اول ہی کی ایک صورت ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کرنا سنت ہے اور سنت رسول دراصل کتاب اللہ کی طرح وحی ہی ہے لہٰذا سنت کو حقیر جاننا کفر ہے۔ والعیاذ باللہ، جیسا کہ علامہ ابن الہیثمی کی کتاب التحفہ سے صراحت گزری۔

اور حضرت علامہ الخطیب الشربینی کی کتاب المغنی میں باب الردۃ میں ہے:

''او استخف بسنته کما لو قیل له کان النبی و اذا اکل لعق اصابعه الثلاثة، فقال لیس هذا بادب او قیل له قلم اظفارک فانه سنته فقال لا افعال و ان کان سنته و قصد الاستهزاء بذلک... انتهی''

(جلد ۴/ص ۴۲۹)

''مرتد ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حقیر جانا، مثال کے طور پر اگر اسے کہا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کھانا تناول فرما لیتے تو اپنی تین انگلیاں مبارک چاٹ لیا کرتے تھے، تو اس نے جواباً کہا یہ تو غیر مہذب فعل ہے، یا جب اسے کہا گیا بھائی ناخن تراش لو سنت ہے، اس نے سنت کو حقیر جانتے ہوئے جواب دیا، میں نہیں تراشوں گا، سنت ہے تو کیا ہوا۔''

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الاعلام میں فرماتے ہیں:

''ولم یتعرض الشیخان ولا غیرهما فیما رایت للراجع فی المسالة الاولی اعنی قوله کان، ای النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طویل الاظفار، والذی یظهر انه ان قال ذلک احتقاراً له و استهزاء به او علی جهته النقص الیه کفر، و الا فلا، ویعزر التعزیر الشدید... انتهی''

''شیخان نے پہلے مسئلہ میں ترجیح ذکر نہیں کی جہاں تک میری معلومات ہیں، میری مراد اس شخص کا قول: (کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لمبے ناخنوں والے تھے) اور مجھے یہ لگتا ہے کہ اگر اس نے حقارت یا طعن و تشنیع کے ارادہ سے کہا تو کافر ہے ورنہ نہیں مگر اسے سخت تعزیر دی جائے گی۔''

ایک اور جگہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''لو قال جواباً لمن قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا اکل لحسن اصابعه

هذا غیر ادب کفرٌ و قد یوجه بان هذا انکارًا السنته لعق الاصابع و رغبته عنها فیاتی فیه مامر فیمن قیل له قص اظافرک فقال لا افعل رغبته عن السنته

''اگر کسی شخص کے سامنے کہا گیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا تناول فرمالیتے تو اپنی انگلیاں مبارک چاٹ لیا کرتے تھے تو اس نے جواباً کہا کہ یہ غیر مہذب فعل ہے تو ایسا کہنا کفر ہے، تو اسکے مذکورہ قول کو سنت سے روگردانی پہ محمول کیا جائے گا جیسا کہ کسی کو کہا گیا: بھائی اپنے ناخن تراش لو، اس نے جواباً کہا کہ یہ غیر مہذب فعل ہے تو ایسا کہنا کفر ہے، تو اس کے مذکورہ قول کو سنت سے روگردانی پہ محمول کیا جائے گا جیسا کہ کسی کو کہا گیا: بھائی اپنے ناخن تراش لو اس نے سنت سے اعراض کرتے ہوئے جواباً کہا میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔''

اور پھر علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

''او قیل له: کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یحب القرع او الخل فقال لم ارهما او لا اربینهما شیئًا، فلا کفرٌ اِن اراد الاخبار عن طبعه او اطلق بخلاف مالو اراد بعدم محبته لهما لکونه یحب ذلک لان ارادة ذلک فیها استهزاء به و احتقار له انتهی''

''یا کسی شخص کو یہ کہا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کدو یا سرکہ پسند فرماتے تھے، تو اس نے جواباً کہا: مجھے تو کچھ ایسا نہیں لگتا، یا کہا: کہ مجھے تو ان میں کچھ خاص نظر نہیں آیا تو اگر اس نے اپنی طبیعت کی کیفیت بتائی یا ویسے مطلقاً کہا تو کفر نہیں ہوگا اور اگر اس کی مراد یہ تھی کہ میں ان دونوں کو اس لئے پسند نہیں کرتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں پسند فرمایا کرتے تھے تو ارادہ استہزاء وطعن کی وجہ سے کافر ٹھہرا۔''

اور علامہ بابصیل رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب اسعاد الرفیق شرح سلم التوفیق میں کتاب الاعلام سے نقل کر کے فرماتے ہیں:

''قال فی الشفاء: من سب نبیناً و یلحق به فی جمیع ما ذکر غیره من

الانبیاء المتفق علی نبوتھم، او عابدہ، او الحق بہ نقصاً فی نفسہ او نسبہ او دینہ او خصلتہ من خصالہ، او عرَّض بہ او سبھہ بشیء علی طریق السب، او التصغیر لشانہ او لعنتہ، او دعا علیہ، او تمنی لہ مضرۃ، او نسب الیہ ما لا یلیق منصبہ علی طریق الذم، او غیرہ بشیء مما جری علیہ من البلاء المحنتہ، کان کافرًا بالاجماع کما حکاہ جماعتہ، و حکایتہ، ابن حزم الخلاف فیہ لا معول علیھا، ساء صدر منہ جمیع ذلک او بعضہ فیقتل و لا تقبل توبتہ عن اکثر العلماء و علیہ جماعتہ من اصحابنا، بل ادعی فیہ الشیخ ابو بکر الفارسی الاجماع، انتھی ''

''شفا میں ہے: جس نے ہمارے نبی یا دیگر انبیاء سے کسی بھی نبی جن کی نبوت پہ اتفاق پایا جاتا ہے صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کو برا بھلا کہا، یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس یا نسب پاک یا دین یا عادات مبارکہ میں عیب ونقص نکالا، یا اشارۃ نکتہ چینی کی، یا کسی ناموزوں چیز سے تشبیہ دی بطور طعن وتشنیع، یا آپ کی شان میں کمی کا اظہار کیا، یا لعن وطعن کیا، یا بددعا دی، یا آپ کے لئے تکلیف دہ چیز کی خواہش کی، یا آپ کی طرف بطور ذم کچھ ایسا منسوب کیا جو آپ کی شان اقدس کے لائق نہیں، یا جو آپ پہ تکلیف ومصائب وامتحان آئے ان کا عار دلایا تو بالاجماع کافر ہوا۔ جیسا کہ کثیر علماء سے منقول ہے، اور جو ابن حزم سے اس کے خلاف منقول ہوا، اس کا کچھ اعتبار نہیں اور اگرچہ مذکورہ تمام افعال کا کسی سے صدور ہوا یا بعض کا، اور ایسے شخص کی جمہور علماء کے نزدیک توبہ بھی قبول نہیں اور یہی ہمارے علماء کا مفتیٰ بہ موقف ہے بلکہ الشیخ الفارسی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔''

اور اسی کتاب اِسعاد الرفیق میں متن سلم التوفیق سے نقل ہے:

''وحاصل اکثر العبارات التی ذکر ھا ذانک الامام (یعنی بھما القاضی عیاض فی الشفاء و ابن حجر فی الاعلام) یرجع الی ان کل عقد ای

اعتقاد، او فعل او قول موصوف کل واحد منها بکونه یدل علی استھانته ممن صدر منه، او استخفاف باالله سجانه و تعالی او بشی ء من کتبه، او باحد من الانبیاء او ملائکته الجمع علیھم او بشی ء من شعائرہ او معالم دینه، او احکامه، او وعدہ او وعیدہ کفر، خبر ان ۔ ای ان قصد قائل ذلک الاستخاف او الاستھزاء بذلک، او معصیته محرمته شدیدۃ التحریم ان لم یقصد ذالک''

''ہم نے جو عبارت قاضی عیاض کی الشفا سے اور ابن حجر کی اعلام سے نقل کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر عقیدہ وقول وفعل جو حقارت کی نیت سے صادر ہو، اللہ تعالیٰ یا اس کی کتب یا اس کے کسی نبی یا فرشتہ جو متفق علیہم ہیں، یا اس کے شعائر یا اس کے دین کی نشانیوں یا اس کے احکام وعدو وعید سے تو یہ کفر ہے اور اگر اس کا ارادہ حقارت نہیں تھا تو شدید حرام اور سخت گناہ ہے۔''

ہم نے علامہ محمد ابن سالم بن حفیظ رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوٰی سے عبارت نقل کی جو یہاں پہ اختتام کو پہنچی، جس سے استفتاء کے شق اول کا جواب واضح ہوا جو سلمان تاثیر کے متعلق تھا۔

استفتاء کے شق ثانی کا جواب:

جہاں تک استفتاء کے دوسری شق کا تعلق ہے جو ممتاز قادری کے متعلق ہے کہ جب اسے مقامی علماء کے فتاوٰی سے آگاہی ہوئی کہ سلمان تاثیر مباح الدم ہے اور اسے پاکستان کے قانون کی رو سے پھانسی دلوانے میں بہت سی رکاوٹیں درپیش تھیں جیسا کہ سوال میں ذکر کیا گیا ہے تو اسے قتل کر دیا تو اس کے جواب میں ہم وہ عبارات نقل کرتے ہیں جو شافعی اور بہت سے دیگر علماء نے دوسرے مذاہب سے نقل کی ہیں جس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

علامہ ابن حجر الہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التحفہ میں فرمایا ہے:

''ولا یتولاہ ای حد الردۃ الا الامام او نائبہ فان افتات علیہ احد عزر -انتھی''(جلد۹ /ص۱۱۶)

''حد جاری کرنے کا حق صرف وقت کے امام یا اس کے نائب کو ہے اور اگر کوئی اور اس کام کو بغیر اجازت سرانجام دیتا ہے تو اسے تعزیر دی جائے گی۔''

مذہب حنفی کے علماء نے فرمایا جیسا کہ الھدایہ شرح بدایہ المبتدی میں ہے:

''و اذا ارتد المسلم عن الاسلام و العیاذ باللہ عرض علیہ الاسلام، فان کانت لہ شبھۃ کشفت عنہ، کانہ عساہ اعترتہ شبھۃ فتزاح، وفیہ دفع شرہ باحسن الامرین الا ان العرض علی ما قالوا غیر واجب، لان الدعوۃ بلغتہ، قال ویُحبس ثلاثہ ایام فان اسلم و الا قتل و فی الجامع الصغیر المرتد یعرض علیہ السلام حرًا کان او عبدًا فان ابی قتل، انتھی'' (جلد۴،ص ۳۳۰،۳۳۱)

''اگر کوئی شخص اسلام سے مرتد ہوتا ہے والعیاذ باللہ تو اس پر اسلام پیش کیا جائے، ہوسکتا ہے اسے کوئی شبہ لاحق ہو اور اس سے اس کے شکوک وشبہات دور ہوجائیں کیونکہ قتل کی مصیبت سے یہ زیادہ بہتر ہے، مگر ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ اس پر پھر سے اسلام پیش کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ تبلیغ اسلام اسے پہلے پہنچ چکی ہے اور ماتن نے فرمایا ہے کہ: اسے تین دن تک جیل میں بند کردیا جائے۔ اگر وہ اسلام لائے تو فبہا ورنہ اسے قتل کردیا جائے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الجامع الصغیر میں ہے: مرتد پہ اسلام پیش کیا جائے گا وہ آزاد ہو یا غلام، اگر وہ مسلمان ہونے سے انکار کرتا ہے تو اسے قتل کردیا جائے گا۔''

اور پھر صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

''فان قتلہ قاتل قبل عرض الاسلام علیہ کرہ ولا شیء علی القاتل و

معنی الکراھیتہ ھھمنا ترک المستحب و انتفاء الضمان لان الکفر مبیح للقتل و العرض بعد بلوغ الدعوۃ غیر واجب-انتھی"

(جلد ۴، صفحہ ۲۳۲)

"اگر اس مرتد کو اسلام پیش کرنے سے قبل کوئی اور قتل کر دیتا ہے تو اس کا یہ فعل مکروہ ہے اور یہاں کراہت سے مراد مستحب کا ترک کرنا مگر اس پہ کسی قسم کا تاوان نہیں ہے، کیونکہ کفر خون معاف ہونے کا سبب ہے اور جب ایک دفعہ تبلیغ اسلام پہنچ چکی پھر سے اسلام پیش کرنا واجب نہیں ہے۔"

الاختیار التعلیل المختار میں ہے:

"قتلہ قاتل قبل العرض لا شیء علیہ، کانہ مستحق للقتل بالکفر فلا ضمان علیہ، و یکرہ لہ ذلک لما فیہ من ترک العرض المستحب، وولما فیہ من الافتیات علی الاما" (جلد ۴، ص ۸۹، ۹۰)

"اسلام پیش کرنے سے قبل کوئی اور اسے قتل کر دیتا ہے تو اس قاتل پہ کچھ نہیں، کیونکہ مرتد کفر کی وجہ سے قتل کا ہی مستحق تھا، لہٰذا اس پہ کسی قسم کا تاوان نہیں مگر اس کا یہ فعل مکروہ ہے کیونکہ اس پہ اسلام پیش کرنا مستحب تھا جسے ترک کر دیا گیا نیز اسے امام وقت کی اجازت کے بغیر یہ فعل انجام دیا گیا۔"

حاشیہ الشلبی علی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

"قال فی الھدایتہ: فان قتلہ قاتل قبل عرض الاسلام علیہ قال الکمال: او قطع عضوًا منہ کرہ ذلک و لا شیء علی القاتلں لان الکفر مبیح، و کل جنایتہ علی المرتد ھدر، انتھی- و فی الشرح الطحاوی اذا فعل ذلک ای القتل او القطع بغیر اذن الامام اُدِّب انتھی- قال قاضی خان و ردۃ الرجل تبطل عصمتہ نفسہ حتی لو قتلہ القاتل بغیر امر القاضی عمدًا او خطأً او بغیر امر السلطان او

اتلف عضوًا من اعضائه لا شیء علیه-انتھی"

"جب علامہ مرغینانی نے کتاب الہدایہ میں فرمایا: اسلام پیش کرنے سے قبل کوئی اوراسے قتل کردیتا ہےتو......اس پہ امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یا کسی نے مرتد کا کوئی عضو کاٹ ڈالا تو اس کا یہ فعل مکروہ ہے مگر اس پہ کسی قسم کا تاوان نہیں ہے کیونکہ کفر خود ہی خون معاف ہونے کا سبب ہے اور ہر قابل سزا جرم مرتد پہ کیا جانے والا معاف ہے اور شرح الطحاوی میں ہے: اگر کسی نے مرتد کو قتل کردیا یا اس کا کوئی عضو بغیر امام وقت کی اجازت کے کاٹ ڈالا تو اس پر تعزیر ہے۔امام قاضی خان فرماتے ہیں: آدمی کے مرتد ہونے سے اس کا خون معاف ہوجاتا ہے یہاں تک کہ اگر اسے کوئی قاضی یا حاکم وقت کی اجازت کے بغیر جان بوجھ کر غلطی سے قتل یا اس کا کوئی عضو کاٹ دیتا ہےتو اس پر کسی قسم کا تاوان نہیں۔"

اوراب حنبلی مذہب کے علماء کا مؤقف کتاب متن الاقناع سے نقل کرتے ہیں:

"ولا یقتله الا الامام او نائبه حرًا کان المرتد او عبدًا فان قتله غیره بلا اذنه اساء و عزر ولم یضمن سواء قتله قبل الاستتابته او بعدها-انتھی"

"مرتد کو امام وقت یا اس کا نائب ہی قتل کرسکتا ہے، وہ آزاد ہو یا غلام اور پھر فرماتے ہیں اگر اسے کوئی اور توبہ کی ترغیب سے قبل یا بعد بلا اجازت قتل کردیتا ہےتو اسے تعزیر دی جائے گی مگر اس پہ کسی قسم کا تاوان نہیں ہے۔"

حنبلی فقیہ منصور بن یونس البھوتی اپنی کتاب شرح کشاف القناع میں فرماتے ہیں:

"وان قتله ای المرتدَ غیره ای غیر الامام و نائبه بلا اذنه اساء و عزر، لا فتیاته علی الامام او نائبه، ولم یضمن القاتل المرتد، لانه محل غیر معصوم سواء قتله قبل الاستتابته او بعدها، لانه مهدر الدم فی الجملته، وردته مبیحته لدمه، و هی موجودة قبل الاستتابته کما هی موجودة بعدها-انتھی"

”اگر کوئی اور شخص امام وقت یا اس کے نائب کی اجازت کے بغیر قتل کر دیتا ہے تو ایسا کرنا غلط ہے لہٰذا اسے تعزیر دی جائے گی۔ امام وقت یا اس کے نائب کی اجازت کے بغیر سرانجام دینے کی وجہ سے، مگر اس قاتل پہ کسی قسم کا تاوان نہیں ہے کیونکہ وہ کفر کی وجہ سے مبیح الدم ہو چکا تھا لہٰذا اس کا خون رائیگاں جائے گا کیونکہ ارتداد خون معاف ہونے کا سبب ہے، اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ اسے ترغیب توبہ سے قبل یا بعد قتل کیا گیا۔“

آج 20 ربیع الثانی 1433ھ بموافق 13 مارچ 2012ء کو شہر تریم حضرموت یمن کے دارالافتاء کے تمام اعضاء مفتیان کرام جس متفقہ فیصلے پہ پہنچے مرقوم ہوا اور ایسا ہی ہمارے علماء کرام سے منقول ہے۔

ہم تمام مفتیان کرام اس فتویٰ پر دستخط کرتے ہیں۔

(۱) حضرت علامہ مفتی علی المشہور بن محمد سالم بن حفیظ

(۲) حضرت علامہ مفتی محمد علی الخطیب

(۳) حضرت علامہ مفتی محمد بن علی بن فرج باعوضان

مجلس الافتاء الجمہوریہ الیمنیۃ کا اسٹیمپ

گرفتاری کے بعد کاٹی گئی ایف آئی آر

ادھر تھانہ کوہسار میں سلمان تاثیر کے بیٹے شہر یار تاثیر کی مدعیت میں مقدمہ کی ایف آئی آر درج ہوئی جس کا نمبر 6 ہے۔

FIR کا متن:

ابتدائی اطلاع رپورٹ نسبت جرم قابل دست اندازی پولیس رپورٹ شدہ زیر دفعہ 154 مجموعہ ضابطہ فوجداری

تھانہ کوہسار ضلع اسلام آباد و مورخہ 4/1/2011 ساڑھے چار بجے

استغاثہ مرتبہ و مرسلہ حاکم خان

کوہسار مارکیٹ پارکنگ سیکٹر F-6/3 بفاصلہ 2 کلومیٹر بجانب شمال مشرق از تھانہ حسب آمد استغاثہ مقدمہ درج رجسٹرڈ ہوا۔

بخدمت جناب ایس ایچ او صاحب تھانہ کوہسار اسلام آباد

میں شہر یار علی تاثیر ولد سلمان تاثیر ہوں۔ مجھے اطلاع موصول ہوئی کہ مورخہ 4 جنوری 2011 تقریباً 4:15 بجے سہ پہر میرے والد تاثیر گورنر صاحب جب ایک ریسٹورنٹ واقع کوہسار مارکیٹ اسلام آباد سے کھانا کھا کر باہر نکل رہے تھے تو ان کے ایک سرکاری محافظ ملک ممتاز قادری ایلیٹ فورس نے ان پر اپنے سرکاری اسلحہ سے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی جس کے نتیجے میں وہ شدید مضروب ہو گئے۔ ان کو عملہ پولیس اور ملازمین نے پولی کلینک اسلام آباد پہنچایا جہاں پر ڈاکٹروں نے ان کی وفات کی تصدیق کر دی۔ وجہ عناد یہ ہے کہ میرے والد کا اہم قومی امور پر مخصوص نقطہ نظر تھا جس کی وجہ سے مختلف مذہبی اور

سیاسی گروہ ان کے خلاف شدید مخاصمانہ پراپیگنڈا کر رہے تھے اور ان کو قتل کی دھمکیاں بھی دی جا رہی تھیں۔ میرے والد کو ملزم مذکور بالا نے سیاسی اور مذہبی گروہوں کے ایما و انگیخت معاونت و سازش سے...... پر قتل کر دیا ہے، دعویدار ہوں، کارروائی کی جائے۔

درخواست گزار شہر یار علی تاثیر ولد سلمان تاثیر 4/1/11 کارروائی پولیس سائل نے تحریری درخواست برموقع اس وقت پیش کی جب میں بمع محمد ارشد ASI، قمر زمان SI، صفدر شاہین ASI، تنویر احمد ASI اور دیگر ملازمان اطلاع وقوعہ پا کر برموقع پہنچے۔ نعش ازاں مقتول سلمان تاثیر کا فرد صورت حال مرتب کر کے تکمیل کارروائی کی ضابطہ زیر حفاظت زیر نگرانی محمد ارشد SI۔ محمد زمان SI برائے پوسٹ مارٹم پولیس کلینک ہسپتال بھجوائی جا رہی ہے۔ تحریر مضمون درخواست و حالات واقعات سے سردست صورت جرم 302/109 ت پ۔ 7ATA پائی جا کر میری درخواست بشکل استغاثہ بغرض اندراج کر کے نمبر مقدمہ سے آگاہی بخشی جائے۔ میں موقع پر مصروف تفتیش ہوں۔ دستخط بحروف انگریزی حاکم خان انسپکٹر SHO تھانہ کوہسار اسلام آباد از موقع کوہسار مارکیٹ سیکٹر 6/3 بوقت 5/10 بجے شام مورخہ 4/01/2011 از تھانہ۔ حسب آمد استغاثہ رپورٹ ابتدائی...... مجرم مذکور مرتب ہوئی۔ بعد تکمیل ریکارڈ نفرل FIR جا بجا مجاز افسران کو بذریعہ سپیشل رپورٹ مرسل ہوں گی۔ اصل استغاثہ مع نقل FIR بدست آرندہ کنسٹیبل عقب فرسند SHO صاحب بمراد تفتیش ارسال ہے۔

افتخار علی (ASI) محرر تھانہ کوہسار   زیر دفعہ 164 قلمبند کیا جاتا ہے۔

دستخط و نشانِ انگوٹھا ممتاز قادری صاحب   دستخط و مہر جج صاحب

10-01-2011 بیان ازاں ملک محمد ممتاز قادری ولد ملک محمد بشیر قوم اعوان کانسٹیبل نمبر 6990 مقدمہ نمبر 06 مورخہ 2011-01-04 بجرم 109/302 ت پ ATA-7 تھانہ کوہسار اسلام آباد سکنہ مکان نمبر 501-BV مسلم ٹاؤن، راولپنڈی۔

بیانِ حلفی

میں مورخہ 01-01-1985ء کوراولپنڈی (صادق آباد) میں پیدا ہوا۔ میں میٹرک پاس ہوں اور پولیس میں (پنجاب کانسٹیبلری روات) 2002 میں بھرتی ہوا اس کے بعد مختلف جگہوں پر ڈیوٹی کی۔ 2005ء میں کچھ دنوں کے لئے سپیشل برانچ میں رہا۔ اس کے بعد 2007-8ء میں ایلیٹ سکول لاہور میں کورس کیا۔ اس کے بعد مختلف جگہوں پر سکیورٹی ڈیوٹی بشمول VIP سکیورٹی سرانجام دی۔

31-12-2010ء کو تحفظِ ناموسِ رسالت اور شانِ اہل بیت کانفرنس کے عنوان کے تحت میرے گھر کے پاس مسلم ٹاؤن میں اجتماع ہوا۔ اس اجتماع کا پس منظر ملک میں جاری قانون ناموس رسالت میں مجوزہ ترمیم اور بعض افراد جن میں بالخصوص صدر آصف علی زرداری اور گورنر پنجاب سلمان تاثیر کی طرف سے مجوزہ ترمیم و بیانات و طرزِ عمل تھا۔ میرا تعلق ویسے بھی دعوت اسلامی نامی تنظیم سے ہے جو کہ تبلیغ قرآن وسنت کی عالمگیر غیر سیاسی تنظیم تحریک ہے جس کے سربراہ مولانا الیاس عطار قادری صاحب ہیں۔

31-12-2010ء کو ہونے والے جلسے میں انتہائی پراثر اور جذباتی تقاریر عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر کی گئیں۔ بالخصوص ملک امتیاز حسین شاہ کاظمی اور علامہ محمد حنیف قریشی قادری کی تقریر جذبات...... عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں ڈوب کرانتہا تھی۔

بیان کے دوران مفتی محمد حنیف قریشی قادری صاحب عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں آپے سے باہر ہو گئے اور ان کا عمامہ گر گیا، بال بکھر گئے اور مائیک گر گیا اور اجتماع پر رقت

آمیز مناظر چھا گئے اور سب رونے لگ گئے۔ میں بھی جذبات اور عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں رونے لگا۔ غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے واقعات بیان کئے تو عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سن کر اور شدت جذبات سے میرا دل بھی رو پڑا۔ میں نے گورنر پنجاب سلمان تاثیر کو واجب القتل جانتے ہوئے عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جذبات کو دل میں بیدار ہوتے ہوئے محسوس کر لیا۔ اسی وقت ارادہ کیا کہ سلمان تاثیر کو ضرور گستاخی شانِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وجہ سے قتل کروں گا کیونکہ اس نے ناموسِ رسالت کے قانون کو ''کالا قانون'' کہا تھا اور گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسیہ بی بی کی حمایت و معاونت کر رہا تھا۔ گورنر سلمان تاثیر کے ساتھ میں اس سے قبل تقریباً 5،4 مرتبہ ESCORT ڈیوٹی کر چکا ہوں۔

01-01-2010ء اور 02-01-2010ء کو میری ڈیوٹی DHQ راولپنڈی پر لگی تھی۔ 03-01-2010ء کو CPO آفس راولپنڈی پر ڈیوٹی کی۔ 04-01-2010ء کو صبح آفس (ایلیٹ) پہنچا اور چٹھ یعنی ڈیوٹی آرڈر دیکھے تو میری ڈیوٹی 6th Road پر لگی ہوئی تھی جبکہ میرے کچھ ساتھیوں کی ڈیوٹی گورنر پنجاب کے ساتھ اسلام آباد میں لگی ہوئی تھی۔ میرے دل میں فوراً خیال آیا کہ آج موقع مل سکتا ہے۔ میں نے اسی وقت محرر سے بات کی کہ مجھے گورنر سلمان تاثیر کے ساتھ Escort Duty کے ساتھ بھیج دو تا کہ اسلام آباد گھوم پھر آؤں۔ محرر عمر فاروق نے میری بات مان لی، چونکہ جن ملازمین کی گورنر پنجاب کے ساتھ ڈیوٹی لگی تھی، ان میں دو لیٹ ہو گئے تھے۔ ویسے بھی میں پہلے گورنر کے ساتھ ڈیوٹی کرتا رہا تھا اور دیگر VIP ڈیوٹی جیسے CM پنجاب کے ساتھ ڈیوٹی کرنے جاتا رہتا تھا۔ ڈیوٹی میں نام آنے کے بعد میں نے ایلیٹ کی کوٹ سے SMG حاصل کی بمع دو عدد میگزین جس میں ہر ایک میں 30 گولیاں تھیں۔ جب باقی لوگ اسلحہ لینے میں مصروف تھے اور گاڑی ڈیزل کے لئے گئی ہوئی تھی تو میں نے موقع دیکھ

کر چیمبر لوڈ کر لیا۔ پھر راستے میں اسلام آباد آتے ہوئے میں نے ایک چٹ لکھ کر اپنے پرس میں ڈالی جس پر ''گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سزا موت ہے، اے کاش اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مجھے اس مقصد کے لئے قبول کر لیں، آمین'' تحریر کیا۔ پونے 10 بجے صبح ہم گورنر کے گھر 3/F-6 میں پہنچے اور پہلے سے موجود شفٹ کو بدلی کیا۔ پھر تقریباً آدھے پونے گھنٹے کے بعد گورنر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر مختلف جگہوں پر گئے جن میں قمر زمان قائرہ سے بھی ملے۔ اس دوران بھی خیال آیا کہ اس کو ماردوں۔ ویسے مجھے کچھ کنفرم نہیں تھا کہ کس سے ملنے گیا ہے مگر میں اس وقت اس لئے نہیں مار سکا کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ گورنر کس گاڑی میں کس جگہ موجود ہے اور گاڑیاں بلٹ پروف بھی ہوتی ہیں لہٰذا موقع کا انتظار کرنا بہتر سمجھا۔ اس دوران گن کو میں نے سیفٹی لاک پر رکھا، تا کہ کوئی حادثاتی فائر نہ ہو۔

دوپہر کو تقریباً 3:30 بجے واپس گورنر کے گھر 3/F-6 پہنچنے کے بعد ہم اپنی Escort گاڑی میں ہوا بھروانے کے لئے قریبی پٹرول پمپ پر پہنچ گئے۔ واپسی پر ندیم آصف ASI نے گاڑی کو کوہسار مارکیٹ آنے کا پیغام دیا اور ہم کوہسار مارکیٹ آ گئے۔

کوہسار مارکیٹ پہنچ کر گورنر کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔ جب گورنر اپنے دوست کے ساتھ نکلا تو تقریباً 4 بج چکے تھے۔ میں نے دل میں سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ موقع دیا ہے۔ سب ایلیٹ کے لڑکے گاڑیوں میں بیٹھ کر الرٹ ہو گئے۔ میں آہستہ آہستہ گورنر کے آپریٹر ندیم آصف جو کہ گورنر کے کافی قریب الرٹ کھڑا تھا، کی طرف بڑھا اور دل میں سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ مجھے دیکھ لے اور کہے کہ تم گاڑی میں باقی گارڈز کے ساتھ بیٹھ جاؤ اور ڈیوٹی کرو، ادھر کیا کر رہے ہو؟ یہ بھی خدشہ تھا کہ کہیں میری گاڑی میں موجود ڈرائیور اور لڑکے مجھے آتے دیکھ کر واپس آنے کے لئے آواز نہ دے دیں مگر پھر دل میں سوچا کہ اللہ تعالیٰ مدد کرے گا لہٰذا میں بالکل قریب پہنچ گیا تو ندیم آصف نے مجھے دیکھا تھا مگر اس وقت سب کا دھیان گورنر کی طرف تھا اور گورنر بالکل قریب آ چکا تھا۔

میں نے بھی ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ مزید یہ کہ جب گورنر سڑک پر آیا تو میرا اور اس کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ 4،5 فٹ تھا اور میں بالکل اس کی پشت پر تھا۔ خیال آیا کہ اس کے سامنے سے جا کر ماردوں، پھر سوچا کہ تمام گارڈز مجھ پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ مرنے کا تو خوف نہ تھا مگر خدشہ تھا کہ نشانہ ٹھیک نہ لگے اور کہیں وہ بچ نہ جائے، لہٰذا فوراً فیصلہ کیا کہ اس کو پیچھے سے ہی ماروں گا کیونکہ SMG پہلے سے ہی بریسٹ پر تھی لہٰذا میں نے ٹریگر دبا دیا اور پورا بریسٹ تین سے چار سیکنڈ میں گورنر پر فائر کر دیا۔ اس کے بعد سناٹا چھا گیا اور ندیم آصف ASI نے مجھ پر اپنا ریوالور/ پسٹل تان لیا اور باقی گارڈز بھی میرے اردگرد کھڑے ہو گئے۔ میں نے اپنی گن ہوا میں کھڑی کر دی اور آر پر یٹر ندیم آصف ASI سے کہا کہ رائفل لے لو اور میں بھاگ نہیں رہا، فائر مت کرو۔ میری تو تم لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اتنے میں باقی ایلیٹ کے جوانوں نے مجھے زمین پر لٹا دیا اور ایک نے میرے پیٹ پر پاؤں رکھ دیا اور باقیوں نے میرے تسمے نکال کر ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور الٹا باندھ کر لٹا دیا اور بعد میں مجھے اسلام آباد پولیس کے حوالے کر دیا۔ میں یہ بھی بتانا چاہوں گا کہ اسلام آباد پولیس نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے اور کوئی بے عزتی یا تشدد نہ کیا ہے۔ میں نے جو کچھ بھی کیا، اپنے جذبے کے تحت کیا اور اس بارے میں نہ تو کوئی ہمراز بنایا اور نہ ہی کوئی اور شامل ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میری قربانی کو قبول فرمائیں۔ مجھے کوئی افسوس نہ ہے بلکہ میں خوش ہوں کہ اب گستاخان رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کافی عرصہ اپنے مذموم عزائم سے باز رہیں گے۔

میری نظر میں سلمان تاثیر گستاخِ رسول تھا اور واجب القتل تھا۔ میری معمول کی ڈیوٹی میں، میں نے ایسے لوگوں کے ساتھ بھی ڈیوٹی کی ہے جس پر توہین رسالت کے الزامات و مقدمات تھے، مگر میں نے یہ سوچا کہ کیا پتہ کہ یہ الزام غلط ہو اور ان میں سے کچھ کو

روزہ کی حالت میں دیکھا اور اپنے آپ کو روزہ دار کہتے ہوئے پایا۔ اس لئے کبھی بھی ان کو قتل کرنا درست نہ سمجھا۔ ویسے بھی جب تک کسی اہم شخصیت جو کہ گستاخ ہو، کو اگر نہ مارا جائے تو مسئلہ کا حل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سلمان تاثیر کو قتل کر کے میں نے اپنا فرض پورا کیا ہے۔ زندگی اور موت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور موت تو ایک دن ویسے بھی آنی ہے تو پھر ناموس رسالت پر جان قربان ہو جائے تو کیا کہنا......سن کو پڑھ کر درست تسلیم کیا۔

دستخط ونشانِ انگوٹھا ممتاز قادری صاحب   دستخط ومہر جج صاحب

سرٹیفکیٹ: 10-1-2011 تصدیق کی جاتی ہے کہ بیان بالا ملک محمد ممتاز قادری بمقدمہ نمبر 11/6 مورخہ 04-01-2011 بجرم 109/302 ت پ ATA-7 تھانہ کوہسار اسلام آباد بغیر کسی دباؤ/خون ولالچ/دھمکی کے زیر دفعہ 164 بطور ملزم قلمبند کر دیا ہے۔ بیان لکھنے سے قبل بیان کنندہ کو باور کر دیا گیا ہے کہ از روئے قانون کے وہ بیان دینے کا پابند نہ ہے اور بیان کسی بھی عدالت میں بطور ثبوت/شہادت استعمال ہو سکتا ہے۔ مختلف استفسارات سے اطمینان کیا گیا کہ مذکورہ نے بیان بلا جبر واکراہ اپنی آزاد مرضی سے دیا ہے۔ بیان علیحدگی میں تحریر کیا گیا ہے۔ تحریر کرنے سے قبل سوچنے کا مناسب وقت دیا گیا ہے جس طرح بیان کنندہ نے بیان قلمبند کروایا، لفظ بہ لفظ تحریر ہوا۔ لکھنے کے بعد بیان کنندہ کو پڑھ کر سنایا گیا جس نے سن کر درست تسلیم کیا اور اپنے دستخط اور نشان انگوٹھا ثبت کر دیا۔ بیان کنندہ کی شناخت حاکم خان انسپکٹر SHO تھانہ کوہسار نے کی ہے۔ جملہ کارروائی 13 صفحات پر مشتمل ہے، جو میری دستخطی ہے اور مہر عدالت ثبت ہے۔

بیان کی تصدیق اور نقل ایک عدد تفتیشی حاکم خان کے حوالے کی گئی۔ اصل ہذا بخدمت جناب ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج اسلام آباد مرسل ہوئی۔

دستخط ومہر جج صاحب

عدالت میں پیشیاں

غازی ممتاز حسین قادری کی عدالت میں پہلی پیشی

اسلام آباد پولیس نے ممتاز حسین قادری صاحب کو حسب ضابطہ و قانون اسلام آباد مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا۔ عدالت نے غازی صاحب کو ایک دن کے راہداری ریمانڈ پر اسلام آباد پولیس کے حوالے کر دیا۔

غازی صاحب کو اسلام آباد عدالت میں پیش کرنے پر دنیا نے ایک عجیب منظر دیکھا جس سے کفر کے باطل ایوانوں میں مزید زلزلے بپا ہو گئے اور امریکہ سے بیان آنے لگ گئے کہ ہم سمجھے تھے کہ ہم نے پاکستانی معاشرے سے اسلامی جذبہ کو کم کر دیا ہے جبکہ ہمیں بڑی مایوسی ہوئی ہے۔ ہوا کچھ یوں کہ غازی صاحب کو جب عدالت میں پیش کیا گیا تو اس دوران عاشقان مصطفی وکلاء نے غازی صاحب کی بکتر بند گاڑی پر اتنی گل پاشی کی کہ گاڑی گلاب کے سرخ پھولوں سے سرخ ہو گئی۔ ان کے گلے میں ہار ڈالے گئے اور تین سو سے زائد وکلاء نے انہیں ہاتھوں پر اٹھا لیا اور اس دوران غازی صاحب نے بکتر بند گاڑی سے باہر نکل کر ''نعرۂ رسالت'' یا رسول اللہ بلند کیا۔ وکلاء کی طرف سے غازی صاحب کے اس استقبال نے کفر کی آنکھیں کھول دیں لیکن شاید اب بھی وہ اسے انتہا پسندی کہیں گے مگر ان سے گلہ ہی کیا ہے؟ انہیں کیا معلوم عشق رسالت کی آگ کی تڑپ کیا ہے؟ وکلاء نے درود و سلام کے ورد اور جذباتی نعروں کی گونج میں ممتاز حسین قادری کو عدالت میں پیش کیا۔ اس دوران وکلاء نے ان کے سر پر پولیس کی طرف سے ڈالے گئے ٹوپ کو اتار کر پھینک دیا۔

عدالت میں دوسری پیشی

بروز جمعرات 6 جنوری غازی صاحب کوراولپنڈی دہشت گردی عدالت نمبر ii کے جج محمد اکرم اعوان کی عدالت میں پیش کیا جانا تھا۔ اسلام آباد کچہری کے رویے کے باعث چیف کمشنر اسلام آباد نے دہشت گردی کے جج محمد اکرم اعوان کی عدالت کو ایک دن کے لئے اسلام آباد طلب کیا۔ راولپنڈی بار کے وکلاء جن کی قیادت بار کے صدر جناب ملک وحید انجم کررہے تھے، نے کمشنر کے اس مطالبے کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا اور متعلقہ جج کو متنبہ کیا کہ وہ اس غیر قانونی اقدام کے اٹھانے سے گریز کریں، چنانچہ وکلاء کے دباؤ پر عدالت کے جج نے اسلام آباد جانے سے انکار کر دیا۔ اسلام آباد پولیس و انتظامیہ نے مجبوراً غازی صاحب کو شام 4 بجے راولپنڈی میں محمد اکرم اعوان صاحب کی عدالت میں پیش کر دیا۔ میڈیا نے عوام کو گمراہ کرنے کے لئے متضاد خبریں نشر کیں تا کہ لوگ راولپنڈی میں عدالت کے باہر جمع نہ ہوسکیں۔ اس کے باوجود عاشقان مصطفیٰ کا جم غفیر عدالت کے باہر جمع ہوگیا۔ پولیس کی طرف سے انتہائی سخت انتظامات کئے گئے تھے۔ بحمدہ تعالیٰ غازی صاحب کی اس پیشی پر شباب اسلامی کے سینکڑوں کارکن موجود تھے۔ مرکزی سر پرست اعلیٰ جناب صاحبزادہ سید حبیب الحق شاہ کاظمی، مرکزی رہنما سید وضاحت حسین شاہ اور راقم فقیر دن 11 بجے سے لے کر شام 5 بجے تک شباب اسلامی کے کارکنان کے ہمراہ موجود رہے۔ اس پیشی کے موقع پر جامعہ رضویہ ضیاء العلوم کے طلباء کی ایک بڑی تعداد بھی موجود رہی اور دیگر شہریوں کے علاوہ سنی تحریک کے کارکنان بھی طاہر اقبال چشتی صاحب کی قیادت میں موجود رہے۔

سارا دن کارکنان، غازی تیرے جان نثار، بے شمار بے شمار...... آقا تیرے نام کی خاطر، دل بھی حاضر جان بھی حاضر...... سیدی مرشدی، یا نبی یا نبی...... کے نعرے

لگاتے رہے۔

غازی صاحب کو شام 4 بجے جب عدالت میں پیش کیا گیا تو وہ منظر دیدنی تھا۔ سینکڑوں وکلاء نے پولیس کی بکتر بند گاڑی کو گھیر لیا اور غازی صاحب کو گاڑی سے نکالا گیا۔ ان کے سر پر ڈالے گئے سیاہ کپڑے کے ٹوپ کو وکلاء نے زبردستی اتار پھینکا اور ''غازی تیرے جرأت کو، سلام ہو، سلام ہو'' کے نعرے لگاتے، انہیں چومتے اور گل پاشی کرتے ہوئے غازی صاحب کو کمرۂ عدالت میں لے جایا گیا۔

غازی صاحب کی طرف سے ملک وحید انجم اور دیگر وکلاء پیش ہوئے۔ وکلاء نے عدالت سے غازی صاحب سے الگ کمرے میں ملاقات کا وقت مانگا چنانچہ عدالت نے غازی صاحب کو وکلاء کے ساتھ علیحدگی میں بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ اس دوران غازی صاحب نے شکایت کی کہ انہیں دو دنوں سے بھوکا پیاسا رکھا گیا ہے اور سونے نہیں دیا گیا اور بجلی کے جھٹکے بھی لگائے گئے ہیں اور بری طرح تشدد بھی کیا گیا ہے۔ وکلاء کی درخواست پر عدالت نے غازی صاحب کے میڈیکل چیک اَپ کا حکم دیا کہغازی صاحب کو راولپنڈی کے کسی ہسپتال میں پیش کیا جائے اور میڈیکل رپورٹ پیش کی جائے۔ وکلاء نے وفاقی ہسپتالوں پر وفاقی حکومت کی اثر اندازی کے باعث، وفاقی ہسپتالوں میں میڈیکل کروانے پر تحفظات کا اظہار کیا تھا۔

عدالت میں اسلام آباد پولیس نے دس دن کے جسمانی ریمانڈ کی استدعا کی جس پر عدالت کے جج محمد اکرم اعوان نے پانچ دن کا جسمانی ریمانڈ دے دیا۔ شام پانچ بجے غازی صاحب کو اسلام آباد پولیس کے حوالے کیا گیا۔

عدالت میں غازی صاحب کی تیسری اور چوتھی پیشی

10 جنوری 2011ء کو ملک ممتاز حسین قادری کو اسلام آباد جوڈیشنل مجسٹریٹ کی

عدالت میں پیش کیا گیا جہاں ان کا اعترافی بیان (164) حاصل کیا گیا۔اعترافی بیان میں غازی صاحب نے گورنر کو قتل کرنے کا اعتراف کیا اور واضح کہا کہ میں نے گورنر کو ذاتی رنجش کی بنا پر قتل نہیں کیا بلکہ اس کی گستاخی کے باعث اسے واصل جہنم کیا ہے۔(غازی صاحب کا اعترافی بیان پہلے نقل ہو چکا ہے)غازی صاحب کو پانچ روز کے لئے جسمانی ریمانڈ پر اسلام آباد پولیس کے حوالے کیا گیا تھا۔11 جنوری کو آپ کو دہشت گردی کی عدالت کے جج ملک اکرم اعوان کی عدالت میں پیش کیا جانا تھا تاہم انتظامیہ نے 11 جنوری کو عوام کی طرف سے کسی بھی دباؤ سے بچنے کے لئے 10 جنوری کو ہی غازی صاحب کو انسداد دہشت گردی کی عدالت میں پیش کر دیا اور پولیس کی طرف سے یہ مؤقف اختیار کیا گیا کہ ہماری تفتیش مکمل ہو چکی ہے لہٰذا ہم نے ملزم کو ایک دن قبل ہی عدالت میں پیش کر دیا ہے۔پولیس کی طرف سے غازی صاحب کی میڈیکل رپورٹ بھی پیش کی گئی۔عدالت نے غازی صاحب کو جیل بھیجنے کے احکامات جاری کئے اور مقدمے کی سماعت 24 جنوری تک ملتوی کر دی۔

غازی صاحب کی عدالت میں پانچویں پیشی

24 جنوری غازی صاحب کی پیشی کی تاریخ مقرر تھی۔کمشنر اسلام آباد کی اپیل پر ان کے کیس کو اڈیالہ جیل منتقل کر دیا گیا۔اس تاریخ کی پیشی پر استغاثہ کی طرف سے وکیل کے عدالت میں حاضر نہ ہونے کے باعث سماعت کو یکم فروری تک ملتوی کر دیا گیا۔

غازی صاحب کی چھٹی پیشی اور راقم کا شرف ملاقات

عدالت نے ہمارے کیس کی سماعت کو اڈیالہ جیل منتقل کیا۔آج کی تاریخ میں غازی صاحب کی پیشی بھی تھی لہٰذا جب ہم لوگ اڈیالہ جیل میں کمرۂ عدالت میں پہنچے وہیں پر غازی ناموس رسالت جناب ملک ممتاز قادری صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔عدالتی کارروائی شروع ہونے میں تھوڑی سی تاخیر تھی اس لئے ہمیں عدالتی کمرے میں بٹھایا گیا۔

وہ لمحہ میرے لئے انتہائی خوش کن تھا جب میں غازی صاحب کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ہماری ملاقات ہوئی جس میں، میں نے ان کا حال دریافت کیا تو اس شخص کو عزم وہمت کا پہاڑ پایا۔

میں نے مزید کریدا تو غازی صاحب نے کرم نوازیوں کی بابت مجھے بتایا کہ 29 تاریخ کو مجھے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی زیارت نصیب ہوئی ہے اور وہ اس طرح کہ آغاز میں وہ امام احمد رضا ہوتے ہیں اور کچھ دیر کے بعد وہ قبلہ پیر سید حسین الدین صاحب کی صورت میں بدل جاتے ہیں۔ اس پر میں نے مزید کریدا تو غازی صاحب نے اشارۃً بتایا کہ گزشتہ جمعے کے دن وہ کرم نوازی مجھ پر ہوئی ہے کہ جس کے بعد اگر ساری دنیا مجھے غلط کہے تو بھی میں ماننے کو تیار نہیں ہوں اس لئے کہ اگر میں نے کچھ غلط کیا ہوتا تو آقائے دوجہاں کی طرف سے مجھ پر اتنی کرم نوازی کبھی نہ ہوتی۔

اس کے بعد ہم نے فرمائش کی کہ ہمیں وہ نعت سنائیں جو آپ نے تھانہ کوہسار میں پڑھی تھی، چنانچہ غازی صاحب نے مسکراتے ہوئے بڑی محبت کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے چاہنے والوں کی خیر
خسروی اچھی لگی نہ سروری اچھی لگی
ہم فقیروں کو مدینے کی گلی اچھی لگی
دور تھے تو زندگی بے رنگ تھی بے کیف تھی
ان کے کوچے میں گئے تو زندگی اچھی لگی
مہر و ماہ کی روشنی مانا کہ اچھی ہے مگر
ہم کو کوئے مصطفی کی روشنی اچھی لگی
تیری خاطر سانپ سے ڈسوا لیا صدیق نے
عاشقوں کو ان کی طرز عاشقی اچھی لگی

ہم لوگ وہاں سوائے محبت کے آنسوؤں کے غازی صاحب کو کوئی اور تحفہ پیش نہ

کر سکتے تھے اس لئے کہ جیل کے اندر جانے سے پہلے ہم سے سب کچھ جمع کر لیا گیا تھا۔ ہم نے جیل حکام کے رویے کے متعلق سوال کیا تو جواب میں غازی صاحب نے مثبت رائے کا اظہار کیا۔

اس دوران عدالت کی طرف سے کمرۂ عدالت میں طلب کر لیا گیا ہم وہاں پہنچے تو ہماری طرف سے غازی صاحب کے وکیل ملک رفیق صاحب، راجہ شجاع الرحمن، راجہ طارق دھمیال، سید حبیب الحق شاہ صاحب، سید واجد حسین گیلانی عدالت میں پیش ہوئے جبکہ استغاثہ کی طرف سے وکیل سیف الملوک پیش نہ ہوا۔

چنانچہ ڈی ایس پی لیگل نے اپنے سابقہ مؤقف کو پھر دہرایا جس پر ہمارے وکلاء نے ضمانت واپس لے لی اور عدالت نے فیصلہ دیا کہ اگر اس کیس میں مفتی حنیف قریشی اور سید امتیاز حسین شاہ کاظمی کی ضرورت پڑے تو عدالت کی اجازت کے بغیر انہیں گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ پولیس نے ہمیں کلیئر قرار دے دیا۔ اس سلسلے میں حضرت علامہ مفتی منیب الرحمن صاحب چیئرمین رویت ہلال کمیٹی اور صاحبزادہ فضل کریم صاحب MNA نے بھرپور کوششیں کیں۔ اللہ ہر دو حضرات کو اجر عطا فرمائے۔

دوسری طرف ممتاز قادری صاحب پر آج کی تاریخ میں فرد جرم عائد کئے جانے کا امکان تھا تاہم چالان مکمل نہ ہونے کے باعث چار فروری تک اس کارروائی کو مؤخر کر دیا گیا۔ کیونکہ چالان میں استغاثہ کے چالیس گواہوں کی فہرست پیش کی گئی جن میں 36 گواہوں کے بیان چالان کے ساتھ لف تھے جبکہ چار گواہوں کے بیان شامل نہ تھے۔ اس پر عدالت نے کارروائی کو چودہ فروری تک مؤخر کر کے عدالت کو ختم کر دیا۔ ادھر کمرہ عدالت میں ہی غازی صاحب نے راقم کو اپنی انگوٹھی اتار کر عنایت فرمائی۔ اس تحفے پر ملنے والی خوشی کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ الحمدللہ! یہ تحفہ راقم کے لئے حرز جاں سے کم نہیں ہے۔ کمرہ عدالت سے باہر نکلتے ہوئے ہم آخری مرتبہ غازی صاحب سے ملے اور ہمیں

واپس جیل سے باہر بھیج دیا گیا۔جیل کے باہر سینکڑوں افراد ہمارے منتظر تھے۔میڈیا بھی بڑی تعداد میں موجود تھا۔کارکنان اور دیگر شہریوں نے ہمیں کندھوں پر اٹھالیا اور موقع پر غازی صاحب اور ہمارے حق میں بھرپور نعرہ بازی کی گئی۔ بعد ازاں لوگوں کا یہ قافلہ ریلی کی صورت میں واپس جامعہ رضویہ ضیاء العلوم آیا جہاں مشفق و مہربان مصلح امت حضرت پیر سید حسین الدین شاہ صاحب نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کافی مقدار میں مٹھائی منگوائی اور جامعہ کے طلباء اور لوگوں میں تقسیم کروائی۔ پورے ملک سے علماء کرام اور دیگر غلامانِ مصطفی کے فون آنے لگے اور تمام دوستوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔اسی رات راقم غازی صاحب کے گھر گیا اور اہل خانہ سے ہمدردی کا اظہار کیا اور آئندہ کے لئے لائحہ عمل طے کیا گیا۔

غازی صاحب کی ساتویں پیشی

4 فروری غازی صاحب کی پیشی کی تاریخ مقرر ہوئی تو آج کی تاریخ میں عدالت کی طرف سے غازی صاحب پر ''فردجرم'' عائد کئے جانے کا امکان تھا تاہم گورنر کے وکیل حاضر نہ ہونے کے باعث سماعت 14 فروری تک ملتوی کر دی گئی۔

آٹھویں پیشی،فرد جرم عائد......غازی صاحب کا اعترافِ اقدام

14 فروری 2011ء بروز سوموار غازی صاحب کی عدالت میں پیشی کی تاریخ تھی۔حسب معمول کیس کی سماعت اڈیالہ جیل میں ہوئی۔ 14 فروری صبح سے ہی عاشقانِ رسول، غازی صاحب کی حمایت کے اظہار کے لئے اڈیالہ جیل پہنچنا شروع ہو گئے۔شباب اسلامی پاکستان کی مختلف یونٹس کے کارکنان اپنے ذمہ داران کی قیادت میں اڈیالہ جیل پہنچنا شروع ہوئے۔سب سے پہلے چراہ اسلام آباد یونٹ کے کارکنان نگران یونٹ کی قیادت میں پہنچے۔ان کی سرپرستی قاری عمران رضوی کر رہے تھے۔

دریں اثناء شباب اسلامی کلر سیداں کا قافلہ محمد آصف بھٹی کی قیادت میں اڈیالہ

جیل پہنچا۔ اس قافلے کی سرپرستی مولانا کلیم، چودھری ازرم صاحب کر رہے تھے۔ شباب اسلامی پیرودھائی یونٹ کا قافلہ قاری عبدالجلیل ضیائی کی قیادت میں اڈیالہ پہنچا۔ شباب اسلامی پاکستان (مرکز) کا قافلہ راجہ وقاص ستی کی قیادت میں پہنچا۔ شباب اسلامی پاکستان ڈھوک کالا خان یونٹ کے ساتھی اپنے نگران محمد حسین بھائی کی قیادت میں پہنچے۔ مرکزی لوگوں کی طرف سے راقم حسب معمول حاضر ہوا۔ مرکزی سرپرست اعلیٰ سید حبیب الحق شاہ کاظمی بیرون ملک دورہ پر ہونے کی وجہ سے اس پیشی پر حاضر نہ ہو سکے۔ بزم ارشاد جامعہ رضویہ ضیاء العلوم کا بڑا قافلہ تنظیم کے صدر محمد کامران عباسی کی قیادت میں اڈیالہ جیل پہنچا۔ تنظیم علماء ضیاء العلوم کی نمائندگی محمد ہارون عباس ضیائی، قاری منور خان نے کی۔ دیگر تنظیمات میں سنی تحریک راولپنڈی کے کارکنان طاہر اقبال چشتی کی قیادت میں پہنچے۔ پہلی دفعہ جماعت اسلامی کی طرف سے نمائندگی کی گئی اور سید رضا علی شاہ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ پہنچے۔

مذہبی تنظیمات کے علاوہ بڑی تعداد میں عام شہری بھی مرد مجاہد کے ساتھ ہمدردی کے اظہار کے لئے اڈیالہ پہنچے۔ 11 بجے دن غازی صاحب کے وکلاء ملک رفیق ایڈووکیٹ، راجہ شجاع الرحمن ایڈووکیٹ، طارق دھمیال ایڈووکیٹ اڈیالہ جیل پہنچے۔ عاشقان مصطفی غازی صاحب کی تصاویر اور بینرز اٹھائے ہوئے تھے۔ بزم ارشاد کے دوستوں نے بڑی تعداد میں غازی صاحب کی تصاویر لوگوں میں تقسیم کیں۔ جنہیں حاصل کر کے لوگ دیوانہ وار چومنے لگے اور کچھ ڈرائیورز نے بھی تصاویر حاصل کر کے انہیں گاڑیوں کے فرنٹ پر سجایا۔ جیل کے باہر حاضرین نے درود وسلام، پھر نعت اور غازی صاحب کے حق میں نعرہ بازی کی۔ آج کی پیشی میں غازی صاحب پر فرد جرم عائد کئے جانے کا امکان ہونے کی وجہ سے لوگوں میں جوش وجذبہ عروج پر تھا۔ میڈیا بھی بڑی تعداد میں موجود تھا اور کسی بھی قسم کی صورت حال سے نمٹنے کے لئے پنجاب پولیس کی بھاری نفری کو تعینات کیا گیا تھا۔ رش کے باعث ٹریفک جام ہو گئی جس کے باعث جج صاحب تاخیر سے اڈیالہ جیل پہنچے۔ غازی

صاحب کے تمام بھائی اور دیگر عزیز بھی حاضر ہوئے۔ ادھر 12:30 پر سماعت شروع ہوئی۔

جب سماعت شروع ہوئی تو استغاثہ کی طرف سے پہلی مرتبہ سیف الملوک نامی وکیل پیش ہوا اور اس کے ساتھ سلمان تاثیر کی ایک رشتہ دار وکیل لڑکی بھی پیش ہوئی۔ کارروائی شروع ہوئی تو جج صاحب نے غازی صاحب پر قتل عمد کی فرد جرم عائد کی جس کے جواب میں غازی صاحب نے کہا کہ

''میں نے قتل عمد و ناحق نہیں کیا بلکہ میں نے قرآن وسنت کی روشنی میں مرتد کو اس کی گستاخی کا صلہ دیا ہے۔''

اس پر جج نے سماعت اگلی پیشی تک ملتوی کر دی اور اگلی تاریخ 26 فروری مقرر ہوئی جس میں استغاثہ کو گواہان پیش کرنے کا حکم دیا گیا۔ آج نیشنل اور انٹرنیشنل میڈیا بڑی تعداد میں جمع ہوا تھا۔ میڈیا کو یہ امید تھی کہ قادری صاحب فرد جرم عائد کئے جانے پر اقدام قتل سے انکار کریں گے اور یوں ایک پراپیگنڈا کا موقع ہاتھ آ جائے گا اور لوگوں کو گمراہ کرنے کا موقع میسر آئے گا کہ دیکھو قادری اپنے مؤقف سے پھر گیا ہے۔ تاہم جب غازی صاحب کی طرف سے نہ صرف اقدام قتل کا اقرار ہوا بلکہ گورنر کو مرتد سمجھ کر قتل کرنے کا اقرار ہوا تو میڈیا کے یہ ارمان سینے میں دبے رہ گئے۔

غازی صاحب کی عدالت میں 9 ویں پیشی

26 فروری 2011ء غازی صاحب کی پیشی کا دن تھا۔ آج کی پیشی پر حسب معمول کارکنان شباب اسلامی، کارکنان بزم ارشاد جامعہ رضویہ ضیاء العلوم اور دیگر کثیر تعداد میں عاشقانِ رسول شریک ہوئے۔ چند روز قبل جراحی سٹاپ اڈیالہ روڈ پر نمبردار فیض محمد صاحب کے گھر میں محفل میلاد شریف میں راقم کو شرکت کا موقع ملا تھا جس پر عاشقان رسول کی بہت بڑی تعداد شریک تھی۔ اس محفل میں راقم نے لوگوں کو غازی صاحب کی پیشیوں پر

شرکت کی ترغیب دی تھی۔ غالباً اس کا اثر تھا کہ اڈیالہ گورکھپور اور دیگر مضافات سے کثیر تعداد میں غلامان رسول پیشی پر حاضر ہوئے۔ مختلف کالجز کے طلباء کی بھی اچھی تعداد نے شرکت کی۔ مقامی علماء مولانا طاہر چشتی صاحب، مولانا پروفیسر عبدالمنان چشتی، مولانا رفیق انجم بھی شریک ہوئے۔ آج کی پیشی پر گوجرانوالہ سے بزرگ عالم دین جناب مولانا محمد حنیف چشتیر اہوالی بطور خاص شریک ہوئے۔ راولپنڈی کے ایک تاجر حنیف میمن نے بڑی تعداد میں غازی صاحب کی پیشیوں میں شرکت کی ترغیب کے اشتہار شائع کئے۔ سینکڑوں غلامان مصطفی دن 10 بجے سے ایک بجے تک درود وسلام، قصیدہ بردہ شریف اور غازی صاحب کی رہائی کے حق میں نعرے بلند کرتے رہے۔

چودھری مظہر صاحب آف اڈیالہ روڈ اپنے برادران کے ہمراہ پیشی پر حاضر ہوئے اور ٹھیکیدار خالد خان خٹک آف مسلم ٹاؤن دوستوں کے ہمراہ شریک ہوئے۔ آج کی پیشی کے موقع پر کمرۂ عدالت میں دلپذیر اعوان اور ان کے والد گرامی کو بھی جیل کے اندر سماعت کے موقع پر موجودگی کی اجازت دے دی گئی۔ آج عدالت میں موقع کے تین گواہوں کو بلایا گیا تھا۔ ان سرکاری گواہان میں ڈاکٹر ارشد پولیس کلینک اسلام آباد اور تھانہ کوہسار کے دو اہلکار اے ایس آئی افتخار اور کانسٹیبل عبدالرحیم کی شہادتیں قلمبند کی گئیں۔ ڈاکٹر ارشد نے پوسٹ مارٹم کے حوالے سے بیان دیا کہ سلمان تاثیر کے جسم پر 36 زخم آئے تھے اور معدہ جگر اور پھیپھڑے ریزہ ریزہ ہوجانے سے موقع پر موت ہوگئی تھی۔ پولیس کانسٹیبل عبدالرحیم نے اپنے بیان میں بتایا کہ اس نے ایف آئی آر 5 بج کر 25 منٹ پر پمز میں ایس ایچ او کو پہنچائی تھی۔ اس پر جرح کرتے ہوئے غازی صاحب کے وکلاء نے کہا کہ آئی جی اسلام آباد نے اسی رات کو اسلام آباد میں لائیو پریس کانفرنس کرتے ہوئے بتایا تھا کہ ورثاء کی طرف سے ابھی تک ایف آئی آر درج نہیں ہوئی۔ اس کے علاوہ وکلاء صفائی نے بھرپور جرح کی۔ مقتول گورنر کی طرف سے اس کا وکیل سیف الملوک حاضر ہوا۔

گواہوں پر جرح کے مکمل ہونے کے بعد راجہ اخلاق حسین جج دہشت گردی عدالت نے کارروائی 5 مارچ تک ملتوی کرتے ہوئے واقع کے مزید گواہوں کو طلب کرلیا۔ سماعت کے دوران جیل کے باہر غلامان مصطفی غازی صاحب کے حق میں نعرے بازی کرتے رہے اور سرکاری وکیل کے خلاف آج بطور خاص ایک نعرہ بلند ہوا،

''گستاخ کا وکیل بھی، گستاخ ہے گستاخ ہے۔''

غازی صاحب کی عدالت میں دسویں پیشی

5 مارچ 2011ء غازی صاحب کی پیشی کی تاریخ تھی۔ حسب معمول راقم تنظیمی ساتھیوں کے ہمراہ جیل کے باہر بروقت پہنچا۔ اس پیشی کے موقع پر نمبردار محمد فیض آف جراحی، ذیشان فیض، مولانا محمد طاہر، پروفیسر عبدالمنان چشتی، مولانا رفیق انجم، مولانا سیفی، مولانا حنیف عباسی، مولانا جاوید اپنے کثیر دوستوں کے ہمراہ پیشی پر جلوسوں کی صورت میں جراہی، گورکھپور اور مضافات سے پہنچے اور جامعہ رضویہ ضیاء العلوم کے طلبہ سمیت سینکڑوں افراد غازی صاحب کی عظمت کو سلام کرتے رہے۔

شرم کرو حیا کرو، غازی کو رہا کرو...... غازی تیرے جاں نثار، بے شمار بے شمار...... جیوے جیوے، غازی جیوے، کے نعرے لگتے رہے۔ پنجاب پولیس کی طرف سے اس دفعہ بہت سخت حفاظتی اقدامات کئے گئے تھے اور درجنوں پولیس اہلکار کسی بھی صورت حال سے نمٹنے کے لئے موجود تھے۔ اس موقع پر ایس ایچ او تھانہ صدر اور پولیس چوکی انچارج نے راقم، علامہ طاہر صاحب کو چوکی کے اندر بلایا اور پیشی کے موقع پر تعاون کی درخواست کی۔

ہم نے انہیں باور کرایا کہ ہم لوگ انتہائی پر امن ہیں اور ہم غازی صاحب سے اظہار محبت کے لئے آتے ہیں۔ ہمارا اس کے علاوہ کوئی اور ایجنڈا نہیں ہے۔

اس پیشی کے موقع پر اڈیالہ روڈ پر وال چاکنگ دیکھنے کو ملی جس میں غازی صاحب کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا تھا اور یہ چاکنگ SIP کے ساتھیوں نے کی تھی۔ اس دفعہ راجہ ساجد محمود صاحب آف صادق آباد نے غازی صاحب کی تصاویر والے بڑے بڑے ہینگرز بنوائے اور انہیں اڈیالہ روڈ پر کھمبوں کے ساتھ آویزاں کیا گیا۔ اس پیشی پر بھی وقوعہ کے دو گواہوں کو طلب کیا گیا تھا۔ عدالت میں ڈرافٹ مین خرم شہزاد اور سب انسپکٹر گل فراز بطور سرکاری گواہ پیش ہوئے۔

عدالت کے جج راجہ اخلاق حسین نے مختصر سماعت کے بعد عدالت کی کارروائی کو ختم کر دیا اور آئندہ پیشی کی تاریخ 26 مارچ مقرر کی گئی۔ اس پیشی میں غازی صاحب کے وکلاء میں سے جناب ملک رفیق صاحب پیش ہوئے۔ دیگر وکلاء میں سے مرکزی سرپرست اعلیٰ جناب سید حبیب الحق شاہ صاحب کو جیل جانے سے روک دیا گیا جس پر طارق دھمیال صاحب نے احتجاج کیا تاہم جج صاحب کو شکایت کی گئی تو انہوں نے جیل سپرنٹنڈنٹ سے باز پُرس کی جس پر سپرنٹنڈنٹ کی طرف سے آئندہ ایسا نہ کرنے کا وعدہ کیا گیا۔

غازی صاحب کی عدالت میں 11 ویں پیشی

26 مارچ 2011ء بروز ہفتہ غازی صاحب کی پیشی کی تاریخ مقرر تھی۔ حسب معمول صبح 10 بجے راقم اپنے تنظیمی ساتھیوں کے ہمراہ اڈیالہ جیل کے باہر پہنچا۔ اس پیشی پر شباب اسلامی ڈھوک چوہدریاں، شباب اسلامی پنڈوڑیاں اسلام آباد، شباب اسلامی پاکستان علی پور کے تنظیمی ساتھی خصوصی طور پر شریک ہوئے۔

شباب اسلامی پاکستان ڈھوک چوھرریاں کا قافلہ سید وقاص حسین شاہ اور چودھری ذوالفقار SIP علی پور یونٹ کا قافلہ سید ساجد حسین شاہ، سید انجم شاہ، SIP پنڈوڑیاں کا قافلہ عبدالحمید اور محمد ہارون اور SIP مرکز کا قافلہ حافظ نعیم اللہ گلگتی کی قیادت

میں اڈیالہ جیل کے باہر پہنچا۔ دوسری یونٹس کے تنظیمی ساتھی انفرادی طور پر شریک ہوئے۔
آج کی پیشی کے موقع پر مولانا قاضی سعید الرحمن مہر علی شاہ ٹاؤن، مولانا قاری رفیق انجم
اڈیالہ، مولانا قاری جاوید اقبال، مولانا منظور احمد صدیقی، تنظیم علماء ضیاء العلوم، منیر دلپذیر
حیدری، سید ساجد حسین کاظمی، مولانا نورالامین عباسی، سید شجاعت شاہ کے علاوہ دیگر علماء
کرام شریک ہوئے۔

عام شہریوں کی بھی بڑی تعداد موجود تھی۔ حسب سابق آج بھی غازی صاحب
کے حق میں نعرے بازی کی گئی۔ قاضی سعید الرحمن میرے ہم سبق اور ایک عظیم عالم دین
کے بیٹے ہیں۔ اس پیشی کے موقع پر پہلی مرتبہ مولانا قاضی سعید الرحمن نے خطاب بھی کیا۔

سنی تحریک کے کارکنان قاری طاہر اقبال چشتی اور مولانا لیاقت علی گجراتی کی
قیادت میں شریک ہوئے اور طلباء جامعہ رضویہ ضیا العلوم کی نمائندہ تنظیم بزم ارشاد کے
کارکنان کامران عباسی، وقاص ضیائی، ہارون عباسی، محمد اویس قریشی، مہتاب احمد ماگرے
کی قیادت میں اڈیالہ جیل پہنچے۔ مقامی افراد کی بڑی تعداد بھی وہاں موجود تھی۔ نمبردار فیض،
ذیشان فیض کے علاوہ مقامی علماء کرام بھی کافی تعداد میں شریک ہوئے۔

غازی صاحب کے وکلاء ملک رفیق، راجہ شجاع الرحمن، راجہ طارق دھمیال، سید
حبیب الحق شاہ کاظمی بروقت عدالت پہنچے۔ آج کی پیشی کے موقع پر استغاثہ کی طرف سے
گواہ محرر عمر فاروق پیش ہوا۔ غازی کے وکلاء کی طرف سے اس پر بھرپور جرح کی گئی۔ بعد
ازاں عدالتی کارروائی کو 2 اپریل تک ملتوی کرتے ہوئے ختم کر دیا گیا۔

عدالت میں 12 ویں پیشی

2 اپریل کو حسب معمول راقم، سید حبیب الحق شاہ، غازی صاحب کے دیگر
وکلاء، شباب اسلامی کے کارکنان اور دیگر علماء علامہ لیاقت گجراتی، مولانا عبدالمنان چشتی اور

سنی تحریک کے کارکنان دن 10 بجے اڈیالہ جیل کے باہر پہنچے۔آج عدالت میں تین مزید گواہوں پر جرح کی جانی تھی۔تاہم جج صاحب عدالت تشریف نہ لائے کیونکہ گورنر مقتول کے وکیل سیف الملوک نے درخواست دی تھی کہ وہ عدالت پیش نہیں ہوسکتا۔عدالت نے 9اپریل کی تاریخ دیتے ہوئے کارروائی معطل کر دی۔اس پیشی میں بھی حسب معمول غازی صاحب کے والد گرامی، برادر دلپذیر اعوان، تاثیر اعوان، فیاض الحسن چوہان بھی شریک ہوئے۔

عدالت میں 13ویں پیشی

9اپریل 2011ء غازی صاحب کی پیشی کی تاریخ تھی۔حسب معمول عاشقان مصطفی اڈیالہ جیل پہنچے۔غازی صاحب کے وکلاء ملک رفیق صاحب، سید حبیب الحق، راجہ شجاع الرحمن اور راجہ طارق دھمیال بروقت پہنچے۔راقم حسب معمول تنظیمی ساتھیوں کے ہمراہ اڈیالہ جیل کے باہر پہنچا آج کی پیشی پر مقامی علماء کرام، پروفیسر عبدالمنان چشتی، قاری جاوید اقبال، مولانا رفیق انجم سمیت بڑی تعداد میں مقامی لوگ بھی شریک ہوئے۔سنی تحریک کا قافلہ محمد لیاقت علی گجراتی اور قاری طاہر اقبال چشتی، ملک عبدالرؤف کی قیادت میں پہنچا جبکہ طلباء جامعہ رضویہ ضیاء العلوم مولانا ہارون عباس، محمد فہیم اعوان اور وقاص خان ضیائی کی قیادت میں اڈیالہ جیل پہنچے۔

آج کی سماعت کے دوران گورنر مقتول کی طرف سے اس کا وکیل سیف الملوک پیش ہوا اور اس کے ساتھ گورنر تاثیر کی سالی عائشہ بھی موجود تھی۔آج کی کارروائی میں دو گواہان محمد علی رندھاوا مجسٹریٹ اسلام آباد اور سلمان تاثیر کے رشتہ دار سلمان غنی کو پیش کیا گیا۔سلمان غنی نے مختصر بیان میں بتایا کہ وہ سلمان تاثیر کے رشتہ دار ہیں اور انہوں نے سلمان تاثیر کی لاش کو لاہور سے آکر شناخت کیا تھا۔

غازی صاحب کے وکلاء کی طرف سے استدعا کی گئی کہ غازی صاحب کو جیل میں

قلم کاغذ کی سہولت پہنچائی جائے کیونکہ وہ اس کیس کے بارے میں اپنا صفائی کا بیان خود تحریر کرنا چاہتے ہیں۔اس پیشی پر محمد علی رندھاوا پر غازی صاحب کے وکلاء نے جرح نہ کی بلکہ اسے آئندہ پیشی پر طلب کیا۔ عدالت نے یہ استدعا منظور کرتے ہوئے کارروائی کو 23اپریل تک ملتوی کر دیا۔اس پیشی کے موقع پر غازی صاحب کے برادران اور فیاض الحسن چوہان نمبردار فیض محمد اور دیگر زعماء شریک ہوئے۔

عدالت میں 14 ویں پیشی

23اپریل 2011ء غازی صاحب کی تاریخ پیشی مقرر تھی۔حسب معمول آج بھی بہت سے افراد 10 بجے اڈیالہ جیل کے باہر جمع ہوئے تاہم عدالت کے جج راجہ اخلاق حسین کے چھٹی پر ہونے کی وجہ سے اگلی تاریخ دے دی گئی اور پیشی کی تاریخ تیس اپریل مقرر کی گئی۔ یاد رہے کہ آج کی پیشی پر اسلام آباد کے مجسٹریٹ محمد علی رندھاوا پر جرح کی جانا تھی کہ جس نے غازی صاحب سے 164 کا بیان لیا تھا۔حسب معمول تنظیمی کارکنان بروقت اڈیالہ جیل کے باہر پہنچے تاہم بے شمار لوگ راستے سے ہی گھروں کو لوٹ گئے۔سب سے اہم بات یہ تھی کہ آج پیشی کے موقع پر دیوبندی علماء بھی پہلی دفعہ اڈیالہ جیل کے باہر پہنچے تھے اور لاہور سے ایک قافلہ اڈیالہ جیل کے باہر پہنچا تھا۔اتنے دور سے محض پیشی پر حاضر ہونا غازی صاحب سے بے پناہ محبت کا اظہار تھا۔

عدالت میں 15 ویں پیشی

30اپریل 2011ء کو پیشی کی تاریخ مقرر ہوئی۔آج کی پیشی میں بھی حسب معمول کارکنان شباب اسلامی پاکستان بروقت اڈیالہ جیل کے باہر پہنچے۔جیل کے باہر گورکھپور سے تعلق رکھنے والے ایک عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جناب محمد الطاف حسین صاحب نے حاضرین کی سہولت اور دھوپ سے بچنے کے لئے ٹینٹ اور پانی کی سبیل کا

بندوبست کیا تھا۔ آج کی پیشی پر دیوبند مسلک سے تعلق رکھنے والے علماء، مفتی عبدالرؤف صاحب امیر تحریک ختم نبوت اسلام آباد، مولانا عبدالوحید قاسمی جنرل سیکرٹری تحریک ختم نبوت، مفتی فیاض الدین، علامہ قاسم توحیدی، قاضی ہارون الرشید، مولانا عمر علی حقانی، متحدہ سنی کونسل کے ٹائٹل سے شریک ہوئے۔ ان کی قیادت پیر عزیز الرحمن صاحب کے بیٹے اویس عزیز صاحب نے کی۔

آج کی پیشی کے موقع پر فیاض الحسن چوہان، سنی تحریک کے طاہر اقبال، مولانا پروفیسر عبدالمنان چشتی، مولانا منیر دلپذیر حیدری کے علاوہ ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ آج کی پیشی کے موقع پر عدالت میں مجسٹریٹ محمد علی رندھاوا کو بلایا گیا جنہوں نے غازی صاحب کا 164 کا بیان ریکارڈ کیا تھا۔ مجسٹریٹ محمد علی رندھاوا نے یہ گواہی دی کہ مذکورہ 164 کا بیان غازی صاحب ہی کا بیان ہے اور میں نے بلا جبر واکراہ قانون کے مطابق ان سے وہ بیان لیا ہے۔ غازی صاحب کے وکلاء ملک رفیق، شجاع الرحمن راجہ، راجہ طارق دھمیال اور سید حبیب الحق شاہ نے عدالت سے استدعا کی کہ مجسٹریٹ کے بیان پر جرح اگلی پیشی پر کی جائے گی، چنانچہ عدالتی کارروائی کو 14 مئی تک ملتوی کر دیا گیا۔

عدالت میں 16 ویں پیشی

14 مئی 2011ء غازی صاحب کی پیشی کی تاریخ تھی۔ گزشتہ پیشی پر اسلام آباد کے مجسٹریت محمد علی رندھاوا نے پیش ہو کر یہ گواہی دی تھی کہ میں نے اسلام آباد کچہری میں غازی صاحب سے 164 کا بیان ریکارڈ کیا تھا جس میں انہوں نے سلمان تاثیر کو قتل کرنے کا اعتراف کیا تھا۔ عدالت نے جرح کے لئے 14 مئی کی تاریخ مقرر کی تھی چنانچہ 14 مئی حسب معمول غازی صاحب کے وکلاء اور دیگر غلامان مصطفی صبح 9 بجے اڈیالہ جیل

کے باہر پہنچے۔آج کی پیشی پر دیوبندی حضرات کی طرف سے بھی علماء گزشتہ پیشی کی طرح حاضر ہوئے جن میں مولوی عبدالوحید قاسمی، مفتی محمد اویس عزیز سرفہرست تھے اور اہل سنت کی طرف سے راقم الحروف کے ساتھ مولانا عبدالمنان چشتی، مولانا جاوید اقبال، مولانا لیاقت حسین گجراتی، مولانا شفاقت حسین، طلباء جامعہ رضویہ ضیاء العلوم اور کارکنان شباب اسلامی پاکستان غازی صاحب کے والد گرامی اور دیگر غلامان مصطفی کی بڑی تعداد حاضر ہوئی۔حسب معمول غازی صاحب کی حمایت میں نعرے بازی اور سیدی مرشدی، یا نبی یا نبی......کی صدائیں بلند ہوئیں۔حسب معمول احتجاجی مظاہرہ ہوا اور بعد ازاں علماء کرام کے خطابات اور نعت خوانی ہوئی۔غازی صاحب کے وکلاء نے بتایا کہ دہشت گردی کی عدالت کے جج راجہ اخلاق حسین کو تبدیل کر دیا گیا ہے اور ان کی جگہ نئے جج نے چارج سنبھالا ہے لہٰذا آج کی پیشی پر کسی قسم کی پیش رفت نہیں ہوئی اور اگلی تاریخ 21 مئی دے دی گئی۔غازی صاحب کی صحت کے حوالے سے تمام لوگ کافی پریشان تھے لہٰذا طے ہوا کہ غازی صاحب کے برادران اور ان کے والد گرامی جیل میں غازی صاحب سے ملاقات کریں گے لہٰذا تمام مظاہرین اڈیالہ جیل کے مین گیٹ پر جمع ہو گئے۔

جیل سپرنٹنڈنٹ نے ابتداء میں لیت ولعل سے کام لیا جس پر ہماری طرف سے اسے بتایا گیا کہ اگر غازی صاحب سے علماء کرام یا ان کے اہل خانہ کی ملاقات نہیں کروائی گئی تو ہم سمجھیں گے کہ ایک منصوبے کے تحت غازی صاحب کے خلاف کارروائی کی جارہی ہے۔ اس پر اڈیالہ روڈ تھوڑی دیر کے لئے بند ہو گیا اور تمام گیٹ بند کر دیئے گئے۔اس پر راقم نے ڈیوٹی پر کھڑے سپیشل برانچ کے انسپکٹر صوفی محمد بشیر سیالوی کو آگاہ کیا کہ جیل انتظامیہ جان بوجھ کر حالات خراب کر رہی ہے۔ ہمارا مطالبہ خلاف قانون نہیں ہے۔ جب تک ہمیں غازی صاحب کی صحت کی خبر نہ پہنچے گی ہم یہاں سے قطعاً نہیں جائیں گے تاہم بعد ازاں جیل اور انتظامیہ کی طرف سے ملک ممتاز قادری صاحب کے اہل خانہ کو مختصر ملاقات کا وقت دے دیا

گیا۔ ملاقات کے بعد غازی صاحب کے بھائی دلپذیر اعوان نے بتایا کہ الحمدللہ غازی صاحب کی صحت بالکل ٹھیک ہے اور جیل انتظامیہ کی جانب سے اب ان کا مناسب خیال رکھا جا رہا ہے۔ اس پر عاشقان مصطفی کو تسلی ہوئی کہ غازی صاحب کی صحت پہلے سے کافی بہتر ہے۔

عدالت میں 17 ویں پیشی

21 مئی کی پیشی پر بھی حسب معمول غلامانِ مصطفی اڈیالہ جیل کے باہر حاضر ہوئے۔ راقم اور مولانا لیاقت حسین گجراتی، مولانا جاوید اقبال، مولانا کامران ضیائی، وقاص خان ضیائی کے علاوہ سنی تحریک، بزم ارشاد اور شباب اسلامی کے کارکنان، حافظ نعیم اللہ، حافظ سعید آف موہری، سید عظمت حسین شاہ فاضل جامعہ رضویہ، ذیشان فیض کے علاوہ فیاض الحسن چوہان اور غازی برادران سید شبیر حسین شاہ گیلانی صدر جماعت اہل سنت اسلام آباد، مولانا عدالت رضوی کے علاوہ کثیر تعداد میں نبی پاک کے عاشق حاضر ہوئے۔ حسب معمول نعت خوانی و خطابات وغیرہ ہوئے تاہم نئے جج کی تعیناتی نہ ہو سکی جس کے باعث عدالتی کارروائی کو 28 مئی تک ملتوی کر دیا گیا۔

عدالت میں 18 ویں پیشی

28 مئی نئے ولولوں، جوش اور عاشقانہ جذبوں کے ساتھ گرمی کے باوجود سینکڑوں غلامانِ مصطفی اڈیالہ جیل کے باہر موجود رہے۔ آج کی پیشی پر مجسٹریٹ محمد علی رندھاوا کی گواہی پر جرح ہونا تھی لیکن نئے جج کی تعیناتی نہ ہو سکنے کے باعث عدالتی کارروائی کو 4 جون تک معطل کر دیا گیا۔ آج کی پیشی پر غازی برادران کے علاوہ فیاض الحسن چوہان، ملک عبدالرؤف، طاہر اقبال چشتی، مولانا کامران عباسی، مولانا منیر دلپذیر دوسری طرف کارکنان بزم ارشاد، کارکنان شباب اسلامی، کارکنان سنی تحریک، سید شبیر حسین شاہ گیلانی، مولانا عدالت رضوی کے علاوہ مقامی طور پر کافی حضرات نے شرکت کی۔

جیل کے باہر احتجاجی مظاہرہ کیا گیا اور علماء کرام اور دیگر مقررین نے حکومت کو خبردار کیا کہ جج کی تعیناتی نہ ہو سکنے کے باوجود مختصر دورانئے کی تاریخ دینا دراصل غلامان مصطفی کو تھکانے کی ایک سازش ہے لیکن حکومت سن لے، اگر دس سال بھی پیشیاں ہوتی رہیں تو غلامان مصطفی ان شآ اللہ ایسا ہی جذبۂ محبت برقرار رکھیں گے۔ تمام حاضرین نے عہد کیا کہ گرمی ہو یا سردی، غازی صاحب کی پیشی پر بھرپور حاضری ہوتی رہے گی۔

عدالت میں 19 ویں پیشی

4 جون بروز ہفتہ حسب معمول سینکڑوں غلامان مصطفی بروقت اڈیالہ جیل کے باہر پہنچ گئے۔ سخت گرمی اور چلچلاتی دھوپ کے باوجود نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیوانوں کا جذبہ سلامت تھا۔ راقم الحروف مولانا سید شبیر حسین شاہ گیلانی آف کہوٹہ روڈ، مولانا عدالت رضوی، مولانا منظور احمد صدیقی، کارکنان بزم ارشاد، مولانا ہارون عباسی صدر بزم ارشاد، کارکنان شباب اسلامی پاکستان اویس قریشی، حافظ نعیم اللہ، بابا صوفی محمد اشرف سیفی کی قیادت میں اڈیالہ جیل کے باہر پہنچے۔ (یاد رہے کہ صوفی محمد اشرف سیفی صاحب ایک ٹیکسی ڈرائیور ہیں تاہم ان میں جذبہ وفاداری رسول کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ غازی صاحب کے کیس کے پہلے دن سے لے کر تادم تحریر صوفی صاحب کسی پیشی پر بھی غیر حاضر نہیں ہوئے۔ ہر پیشی، کانفرنس اور جلسے میں اپنے ساتھ اور لوگوں کو بھی لے کر جانا اپنا معمول بنا رکھا ہے۔ **فجزاہ اللہ**)

فیاض الحسن چوہان، غازی برادران، مولانا نور الامین، مولانا عبدالوحید قاسمی دیوبندی، مولوی ضیاء الحق حقانی دیوبندی، نمبردار فیض آف اڈیالہ روڈ، مولانا عبدالمنان چشتی، مولانا طاہر اقبال چشتی، مولانا لیاقت حسین گجراتی، مولانا شوکت علی عطاری، ملک عبدالرؤف آف سنی تحریک، مولانا مہتاب احمد ماگرے، مولانا جاوید اقبال، مولانا منیر

دلپذیر حیدری، سید ساجد شاہ کاظمی، مولانا سید عظمت حسین بخاری، ہارون عباس ضیائی، مولانا نزاکت تبسم، مولانا کامران عباسی ضیائی، مولانا وقاص علی خان ضیائی، سید شجاعت حسین شاہ کاظمی، مولانا سید آفتاب حسین شاہ کے علاوہ سینکڑوں افراد نے اڈیالہ جیل کے باہر غازی صاحب کی رہائی کے لئے مظاہرہ کیا۔ سید شبیر حسین شاہ حسب معمول اپنے درجنوں ساتھیوں سمیت سب سے پہلے اڈیالہ جیل کے باہر پہنچے۔ جیل کے باہر حسب معمول ٹینٹ لگائے گئے، دریاں بچھائی گئیں اور مظاہرین کے لئے ٹھنڈے پانی اور مشروبات کی سبیلیں لگائی گئیں۔ آج کی پیشی پر بھی محمد علی رندھاوا مجسٹریٹ کے بیان پر جرح کی جانی تھی تاہم نئے جج کی تعیناتی نہ ہو سکنے کے باعث عدالتی کارروائی کو 11 جون تک ملتوی کر دیا گیا۔

راقم الحروف نے 9 جون 2011 کو حضور مصلح امت حضرت قبلہ پیر سید حسین الدین شاہ صاحب کی معیت میں ساؤتھ افریقہ دورے پر نکلنا تھا جس کے باعث اس عاجز نے راولپنڈی اسلام آباد کی SIP یونٹس کے نگرانوں کا اجلاس بلایا اور طے پایا کہ راقم کی عدم موجودگی میں بھی غازی صاحب کی پیشیوں پر حاضری کا سلسلہ بھرپور طریقے سے جاری رہے گا۔ چنانچہ میں نے راولپنڈی اسلام آباد کے اپنے ہم ذہن علماء سے اس سلسلے میں رابطہ کیا اور آئندہ پیشیوں پر بھرپور شرکت کی اپیل کی۔ مولانا کامران عباسی، مولانا وقاص علی خان کو میڈیا انفارمیشن کے حوالے سے تنظیمی ڈیوٹی لگائی گئی۔ مولانا کامران عباسی نے اس ڈیوٹی کو بڑے احسن طریقے سے سرانجام دیا اور ہر پیشی کی کارروائی کو قلمبند کرتے رہے۔ میرے ساؤتھ افریقہ جانے کے بعد علماء کرام کی طرف سے سب سے زیادہ تعاون مولانا سید شبیر حسین شاہ گیلانی صدر جماعت اہل سنت رورل ایریا اسلام آباد کی طرف سے رہا۔ وہ ہر پیشی پر اسلام آباد کے مضافاتی علاقوں سے جماعت اہل سنت کے کارکنان کے ہمراہ بھرپور شرکت کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے عطا فرمائے۔

معزز قارئین! یہاں تک غازی صاحب کے کیس کی مکمل کارروائی راقم نے خود دیکھ کر لکھی ہے اور الحمدللہ آج تک کسی پیشی میں غیر حاضری نہیں ہوئی۔ راقم نے ایک ماہ کے لئے جنوبی افریقہ سفر پر جانا تھا جس کے باعث ایک ماہ کی پیشیوں کی کارروائی مولانا کامران عباسی کے اعتماد پر مکمل کی جارہی ہے۔ گو کہ مجھے اعتراف ہے کہ میں پیشیوں میں حاضر ہونے والے تمام لوگوں کا نام ذکر نہیں کرسکا بلکہ عین ممکن ہے کہ بڑی بڑی شخصیات بھی اور علماء کرام بھی میری سستی کی وجہ سے رہ گئے ہوں اور میں نے عامۃ المسلمین کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اتنی تعداد میں آنے والوں کا علیحدہ علیحدہ تذکرہ ہوسکتا ہے۔ پھر بھی میں نے کوشش کی ہے کہ جتنا ہوسکے زیادہ سے زیادہ شخصیات کو تاریخ کا حصہ بنایا جائے اور ان کی کاوشوں اور کوششوں کا تذکرہ کیا جائے۔

عدالت میں 20ویں پیشی

11 جون 2011ء آج غازی صاحب کی پیشی کی تاریخ تھی۔ حسب معمول شمع رسالت کے پروانوں نے پیشی پر حاضری دی۔ مولانا سید شبیر حسین شاہ گیلانی، مولانا وقاص ضیائی، کارکنانِ بزم ارشاد اور کارکنان شباب اسلامی، کارکنان سنی تحریک اپنے اپنے ذمہ داروں کی قیادت میں اڈیالہ جیل کے باہر پہنچے۔ مولانا نصیر احمد ضیائی، مولانا سرفراز صدیقی، حافظ سید کونین حیدر، حافظ احمد رضا صدیقی، حافظ مہتاب ماگرے، مولانا نور الامین، مولانا ہارون عباسی صدر بزم ارشاد، مولانا عدالت رضوی، رفاقت شاہ، فیاض الحسن چوہان، غازی برادران، غازی صاحب کے والد گرامی، حافظ نعیم اللہ خان، شبیر احمد گولڑوی، سید شوکت شاہ، چودھری امتیاز احمد رہنما مسلم لیگ ن راولپنڈی محمد محسن حنیف صاحب کے علاوہ دیگر کثیر تعداد میں علماء کرام اور اہم سماجی شخصیات نے پیشی میں شرکت کی۔ غازی صاحب کے وکیل راجہ شجاع الرحمن اور سید حبیب الحق شاہ صاحب بھی حاضر ہوئے۔ حسب

معمول جیل کے باہر احتجاجی مظاہرہ ہوا جس میں غازی صاحب کی حمایت میں خوب نعرے بازی کی گئی اور رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔ نئے جج کی تعیناتی نہ ہو سکنے کے باعث عدالتی کارروائی 18 جون تک ملتوی کر دی گئی۔

عدالت میں 21 ویں پیشی

18 جون غازی صاحب کی پیشی کی تاریخ تھی چنانچہ حسب معمول علماء کرام، سیاسی و سماجی شخصیات سینکڑوں عاشقان رسول نے غازی صاحب کی پیشی پر عدالت کے باہر جمع ہو کر اپنی بیداری کا ثبوت دیا۔ سید شبیر حسین شاہ گیلانی، مولانا سید عظمت حسین شاہ گیلانی، مولانا عدالت رضوی، طلباء جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، کارکنان شباب اسلامی، فیاض الحسن چوہان، مولانا لیاقت علی گجراتی، غازی برادران، مولانا ہارون عباس، مولانا وقاص خان ضیائی، مولانا کامران عباسی کے علاوہ کئی ایک علماء کرام اور دیگر شخصیات نے شرکت کی۔ احتجاجی مظاہرہ ہوا، محفل میلاد جیل کے باہر منعقد ہوئی جس میں علماء کرام کے خطابات ہوئے اور جج کی عدم تعیناتی کے باعث عدالتی کارروائی کو 25 جون تک ملتوی کر دیا گیا۔

عدالت میں 22 ویں پیشی

25 جون 2011ء آج کی پیشی پر زیادہ تر پچھلی پیشی پر آنے والے علماء کرام اور دیگر حضرات حاضر ہوئے۔ غازی صاحب کی رہائی کے لئے مظاہرہ کیا گیا۔ آج کی پیشی پر مقامی افراد کی آمد زیادہ رہی۔ جج کی تعیناتی نہ ہو سکنے کے باعث عدالتی کارروائی آگے نہ بڑھ سکی اور کارروائی کو 2 جولائی تک ملتوی کر دیا گیا۔

عدالت میں 23 ویں پیشی

2 جولائی 2011ء غازی صاحب کی پیشی پر بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ مختلف تنظیمات کے عہدیداران اور کارکنان نے بھرپور قوت کا مظاہرہ کیا۔ اہل سنت

کے علماء کی طرف سے سید شبیر حسین شاہ گیلانی، کارکنان بزم ارشاد جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، کارکنان سنی تحریک، کارکنان شباب اسلامی پاکستان کے علاوہ علامہ نزاکت تبسم، مولانا عدالت رضوی، مولانا حافظ اکرام آف گوجر خان، قاری طیب صاحب آف گوجر خان، مولانا لیاقت علی گجراتی سنی تحریک، مولانا نعیم اللہ خان، مولانا ہارون عباس، کامران عباسی، مولانا وقاص خان ضیائی، چودھری سہیل احمد نقشبندی کے علاوہ عاشقان مصطفی کی حاضری ہوئی۔ پہلی مرتبہ مولانا پیر عزیز الرحمن ہزاروی صاحب دیوبندی کی بھی آمد ہوئی۔ قاری عبدالوحید قاسمی، دارالعلوم جامعہ فریدیہ اسلام آباد سے حافظ محمد رضوان، رؤف اکبر صاحب، امیر تنظیم اسلامی راولپنڈی، مولانا اشتیاق حسین، راجہ عدالت حسین ودیگر کارکنان تنظیم اسلامی، ضلع بھکر سے ملک مدثر، محمد سفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ شریک ہوئے۔ مردان، صوبہ سرحد سے مولانا ملک غلام مرتضیٰ، حافظ محمد سلیم جامعہ تعلیم الاسلام چھوٹا لاہور ضلع صوابی اور دیگر علماء کرام اور عاشقان مصطفی نے غازی صاحب کی رہائی کے سلسلے میں جیل کے باہر مظاہرے میں شرکت کی۔ غلامان رسول کی طرف سے محفل نعت منعقد ہوئی اور بعد ازاں علماء کرام کے خطابات ہوئے۔ ملک رفیق صاحب ایڈووکیٹ، سید حبیب الحق شاہ، ارجہ شجاع الرحمن صاحب بروقت جیل پہنچے۔

عدالت میں 24ویں پیشی

9 جولائی بروز ہفتہ غازی صاحب کی تاریخ پیشی تھی۔ راقم ایک ماہ کے لئے ساؤتھ افریقہ کے دورے پر تھا۔ واپسی کے بعد یہ پہلی پیشی تھی۔ اس پیشی میں لاہور سے غلامان مصطفی کا ایک قافلہ شرکت کے لئے صبح 9 بجے اڈیالہ جیل کے باہر پہنچا۔ قافلے کی قیادت تحریک فدایان ختم نبوت کے سرپرست اعلیٰ شیخ الحدیث خادم حسین رضوی، جناب ڈاکٹر اشرف آصف جلالی، مولانا محمد علی نقشبندی، مولانا رضائے مصطفی، مولانا داؤد رضوی

گوجرانوالہ نے کی۔قافلے میں اکثریت علماء کی تھی۔غازی صاحب سے اظہار یکجہتی کرتے ہوئے غلامان مصطفی اڈیالہ جیل کے باہر قافلے کی صورت میں پہنچے۔شباب اسلامی پاکستان کے کارکنان وعہدیداران کے علاوہ قاری اشفاق صابری، قاری شبیر چشتی، حافظ سعید نقشبندی، مولانا رفاقت جلالی، مولانا نور الامین، حافظ منیر دلپذیر حیدری، مہتاب احمد ماگرے، سید ساجد حسین شاہ کاظمی، سید جعفر حسین شاہ، محمد عاصم ہزاروی، مولانا لیاقت رضوی، نمبردار فیض اور بڑی تعداد میں غلامان رسول نے شرکت کی۔دیوبندی علماء کی طرف سے عبدالوحید قاسمی،،قاضی مشتاق صاحب اور دیگر چند علماء نے شرکت کی۔لاہور کا قافلہ ادارہ صراطِ مستقیم، ناموس رسالت محاذ تحریک فدایان ختم نبوت کے قائدین اور کارکنان پر مشتمل تھا۔

جیل کے باہر غلامان رسول کی طرف سے دھوپ سے بچنے کے لئے ٹینٹ لگائے گئے تھے اور حاضرین کے لئے ٹھنڈے پانی اور مشروبات کا بندوبست کیا گیا تھا۔لاہور سے آنے والے قافلے کے شرکاء نے غازی صاحب سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔اس سلسلے میں علماء کرام اڈیالہ جیل چوکی میں پہنچے۔چوکی انچارج سید ضامن عباس شاہ نے علماء کا اکرام کیا۔علماء کرام کے مطالبہ پر چوکی انچارج نے علماء کو آگاہ کیا کہ غازی صاحب سے صرف خونی رشتہ دار ہی ملاقات کر سکتے ہیں کیونکہ یہ ہائی پروفائل کیس کے ملزم ہیں اور ان کے حوالے سے سپیشل نوٹیفکیشن جاری کیا گیا ہے۔اس دوران غازی صاحب کے وکیل جناب راجہ شجاع الرحمن صاحب تشریف لائے اور انہوں نے علماء کرام کو قانونی حوالے سے مطمئن کیا۔بعدازاں جیل کے باہر غازی صاحب کی رہائی کے لئے بھرپور احتجاج کیا گیا اور بعدازاں جلسہ کا انعقاد ہوا۔دوستوں کی طرف سے سپیکر کا بندوبست کیا گیا تھا۔چونکہ شباب اسلامی پاکستان یہاں میزبان کی حیثیت رکھتی تھی بایں وجہ شباب اسلامی پاکستان کی طرف سے راقم نے میزبانی کا حق ادا کرتے ہوئے لاہور سے آنے والے عظیم القدر مہمانوں کا استقبال کیا اور انہیں اظہار خیال کے لئے اجتماع کے سامنے مدعو کیا۔لاہور سے

آئے ہوئے قافلے میں مولانا خادم حسین رضوی صاحب کے ساتھ تشریف لائے ہوئے نعت خوان جناب ہارون صاحب نے جب نعتیہ کلام پڑھا تو پورے اجتماع پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے، اس نعت کا شعر ؎

بتلا دو گستاخ نبی کو غیرت مسلم زندہ ہے

آقا پہ مر مٹنے کا جذبہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے

پڑھا تو حاضرین اور علماء کا جذبہ دیدنی تھا۔ چنانچہ اس شعر کو تقریباً 15 مرتبہ دہرایا گیا۔ بعدازاں علماء کرام کے خطابات ہوئے۔ مولانا محمد علی نقشبندی، ناموس رسالت محاذ مولانا رضائے مصطفی نقشبندی اور بعدازاں ڈاکٹر اشرف آصف جلالی نے خطاب کیا۔ ڈاکٹر جلالی صاحب نے اپنی گفتگو میں غازی اسلام کی شان کو بیان کیا اور ناموس رسالت کے حوالے سے گفتگو فرمائی۔

عدالت میں 25ویں پیشی

16 جولائی غازی صاحب کی پیشی کا دن تھا۔ حسب معمول غلامان مصطفی اڈیالہ جیل کے باہر بروقت پہنچے۔ آج کی پیشی میں غازی برادران کے علاوہ طلباء جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، کارکنان شباب اسلامی مولانا منظور احمد صدیقی، مولانا وقاص ضیائی، مولانا کامران عباسی، فیاض الحسن چوہان، مولانا اسلم ضیائی آف اسلام آباد، مولانا سید وسیم شاہ آف بہارہ کہو، مولانا منیر دلپذیر حیدری، ہارون عباسی، سید ساجد حسین شاہ، حافظ نعیم اللہ خان، مولانا لیاقت کشمیری، حافظ قیصر قریشی، محمد زبیر قریشی کے علاوہ لاہور سے فدایان ختم نبوت کے کارکنان پیشی پر حاضر ہوئے۔ حسب معمول جیل کے باہر احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔ سخت گرمی کے باوجود چلچلاتی دھوپ میں مظاہرہ جذبوں کے بانکپن کی دلیل ہے۔

آج عدالتی کارروائی میں جج کے چھٹی پر ہونے کے باعث کوئی پیشرفت نہ ہو

سکی۔حسب معمول جیل کے باہر احتجاجی کیمپ لگایا گیا اور ٹھنڈے پانی کی سبیل لگائی گئی۔ محفل نعت کا انعقاد کیا گیا۔ بہارہ کہو اسلام آباد سے سید وسیم حسین شاہ صاحب کے ساتھ تشریف لائے ہوئے ننھے ثنا خوان جمال نواز نے اپنی سریلی آواز میں نعت رسول مقبول پیش کی اور غازی صاحب کے حضور نذرانۂ محبت پیش کیا تو پوری محفل پر رقت طاری ہوگئی۔ غازی ممتاز قادری صاحب کے بھانجے ننھے قمر نے بھی سرکار کی ثناء خوانی کی۔علماء کرام مولانا اسلم ضیائی اسلام آباد، مولانا منظور احمد صدیقی کنونیئر تنظیم علماء ضیاء العلوم ڈھوک علی اکبر زون، فیاض الحسن چوہان اور راقم نے خطاب کیا اور تمام غلامان مصطفی نے غازی صاحب سے محبت کا اظہار کیا اور تادم اخیر عاشق رسول کی رہائی کے حوالے سے کوششیں جاری رکھنے کا تہیہ کیا۔دن 1 بجے غازی صاحب کے وکلاء راجہ شجاع الرحمن، سید حبیب الحق شاہ کاظمی تشریف لائے اور مختصر عدالتی کارروائی بیان کی۔پیشی کی اگلی تاریخ 23 جولائی مقرر ہوئی۔

عدالت میں 26 ویں پیشی

23 جولائی حسب معمول اڈیالہ جیل کے باہر غلامان مصطفی حاضر ہوئے۔غازی برادران کے علاوہ فیاض الحسن چوہان، مقامی علماء کرام، مولانا منظور احمد صدیقی، حافظ منیر دلپذیر حیدری، محمد زبیر حیدری، محمد ادریس قریشی، محمد اویس قریشی، مولانا حافظ نعیم اللہ خان، محمد عامر حیدری، محمد عاصم عباسی، کارکنان شباب اسلامی پاکستان، سید وسیم حسن شاہ آف بہارہ کہو ملک ذیشان آف ڈھوک حسو، حافظ مہتاب احمد ماگرے اور دیگر غلامان مصطفی نے شرکت کی۔غازی صاحب کے وکلاء ملک رفیق احمد، راجہ شجاع الرحمن اور سید حبیب الحق شاہ صاحب پیش ہوئے اور مقتول گورنر کی طرف سے پراسیکیوٹر سیف الملوک پیش ہوئے۔آج کی پیشی میں گواہ انسپکٹر عامر خان پر جرح کی گئی۔ بعد ازاں عدالتی کارروائی 30 جولائی تک ملتوی کر دی گئی۔

عدالت میں 27 ویں پیشی

30 جولائی 2011ء غازی صاحب کی پیشی کی تاریخ تھی۔ 2 دن بعد رمضان المبارک کی آمد آمد تھی۔ اس حوالے سے تاریخ پیشی پر غلامان مصطفی کی کثیر تعداد نے حاضری دی۔

انسداد دہشت گردی کی عدالت نمبر 2 کے جج پرویز علی شاہ کے روبرو استغاثہ کی طرف سے ASI تنویر احمد بطور گواہ پیش ہوئے اور گواہی دی کہ فائرنگ کی اطلاع ملنے پر میں اور انسپکٹر حاکم و دیگر جائے وقوعہ پر پہنچے اور گولیوں کے خول، خون اور مقتول گورنر کی گاڑی کو قبضے میں لے لیا اور پھر ملزم ممتاز قادری کے ہمراہ تھانے پہنچے۔ بعد ازاں ہسپتال میں مقتول گورنر کے ایکسرے حاصل کر کے پہنچائے۔ غازی صاحب کے وکلاء نے گواہ پر جرح کی اور عدالتی کارروائی کو 27 اگست 2011ء تک ملتوی کر دیا۔

غازی صاحب کے وکلاء اور انکے بھائیوں کے ذریعہ پتہ چلا کہ عدالتی کارروائی کے دوران ممتاز قادری صاحب لاتعلق سے نظر آئے اور تسبیح پر درود شریف کا ورد کرتے رہے۔ غازی صاحب کے وکلاء سید حبیب الحق صاحب اور راجہ شجاع الرحمن نے بتایا کہ ممتاز قادری صاحب کے چہرے پر نور کی ایسی کیفیت ہے کہ اس کے چہرے پر دیکھا نہیں جاتا۔ ادھر اڈیالہ جیل کے باہر سخت ترین دھوپ اور گرمی کے باوجود سینکڑوں غلامانِ مصطفی حاضر ہوئے۔ جیل کے باہر حسب معمول بھرپور محفل کی گئی اور مظاہرہ کیا گیا۔

شباب اسلامی، سنی تحریک، بزم ارشاد، تنظیم علماء ضیاء العلوم کے قافلے اپنے اپنے قائدین کی قیادت میں اڈیالہ جیل پہنچے۔ بزم محمد یہ سیفیہ کا قافلہ حضرت پیر ڈاکٹر سرفراز سیفی کی ہدایت پر نثار سیفی صاحب کی قیادت میں اور جامعہ جلالیہ رضویہ کا قافلہ مولانا محمد اسلم جلالی، مولانا رفاقت جلالی کی قیادت میں اڈیالہ جیل پہنچا۔

شباب اسلامی کے مختلف یونٹوں سے تعلق رکھنے والے کارکنان پیشی میں حاضر ہوئے۔ ڈھوک علی اکبر سے اویس قریشی، حافظ نعیم اللہ، سید کونین شاہ، محمد صدام، صوفی محمد اشرف سیفی اسلام اباد چراہ سے چن زیب، محمد ارسلان، قاری رضوی، بھارہ کہو سے سید وسیم حسین شاہ، ڈھوک چودھریاں سے سید وقاص حسین شاہ، سید مہتاب شاہ، سید ساجد شاہ، سید شجاعت شاہ، پنڈوڑیاں سے محمد ہارون عبدالحمید کی قیادت میں قافلے اڈیالہ جیل کے باہر پہنچے۔ تنظیم علماء ضیاء العلوم کا قافلہ مولانا نزاکت تبسم، مولانا ہارون عباسی، کامران عباسی، منیر دلپذیر حیدری، حافظ نورالامین، محمد ثاقب، حافظ عدیل، محمد زبیر قریشی، حافظ منیب کی قیادت میں پہنچا۔ بزم ارشاد جامعہ رضویہ ضیاء العلوم کا قافلہ مولانا وقاص ضیائی کی قیادت میں پہنچا۔ اسلام آباد سے جامعہ جلالیہ رضویہ کا قافلہ مولانا اسلم جلالی، مولانا رفاقت جلالی کی قیادت میں پہنچا۔

اس کے علاوہ سنی تحریک کا قافلہ عبدالرؤف ملک کی قیادت میں پہنچا۔ اسلام آباد سے مولانا اسلم ضیائی، مولانا سید طارق حسین شاہ فاضل جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، مولانا بشارت، مولانا منظور احمد صدیقی، فیاض الحسن چوہان اور دیگر علماء کرام پیشی میں حاضر ہوئے۔ کلر سیداں سے بھائی محمد آصف صاحب کی قیادت میں شباب اسلامی کے کارکنان نے شرکت کی۔ جس وقت غازی صاحب کے وکلاء اور جج صاحب جیل کے دروازے پر پہنچے تو شرکاء نے بھرپور نعرے بازی کی، جیوے جیوے قادری، جیوے...... غازی تیرے جاں نثار، بے شمار بے شمار.......... شرم کرو، حیا کرو، غازی کو رہا کرو...... کے نعروں سے اڈیالہ جیل کے در و دیوار کو ہلا کر رکھ دیا۔ بعدازاں جیل کے باہر محفل میلاد کا انعقاد کیا گیا۔ بھارہ کہو سے تشریف لائے ہوئے ثناخوان نے ایک مرتبہ پھر محفل پر رقت طاری کر دی اور بعدازاں غازی صاحب کے بھانجے قمر نے جب غازی صاحب کی شان میں نظم پیش کی تو ہر آنکھ اشکبار ہو گئی۔ محبت رسول سے حاضرین زار و قطار رونے لگے۔ علماء کرام نے اپنے اپنے خطابات میں قانون ناموس رسالت پر روشنی ڈالی۔ جناب جہانگیر نقشبندی، مولانا

رفاقت جلالی، مولانا محمد اسلم جلالی، فیاض الحسن چوہان اور راقم نے خطاب کیا۔ ادھر غازی صاحب کی طرف سے ان کے وکلاء نے جج کے سامنے درخواست پیش کی کہ غازی صاحب پورا رمضان کا مہینہ اعتکاف میں بیٹھنا چاہتے ہیں اور عید کے دن اپنے والد کی قدم بوسی کے خواہش مند ہیں لہذا عید کے دن ان کے اہل خانہ کو ملاقات کی خصوصی اجازت دی جائے۔

غازی صاحب کی طرف سے ان کے وکیل حبیب الحق شاہ صاحب نے پیشی پر حاضر ہونے والے غلامان رسول کی طرف غازی صاحب کا سلام پہنچایا اور رمضان کی آمد کی ایڈوانس مبارکباد پیش کی اور پیغام دیا کہ گستاخان رسول نبی پاک کی توہین سے باز آجائیں ورنہ ہر گلی سے ایک ممتاز قادری نکلے گا اور آقا کی ناموس کی حفاظت کرے گا۔ عدالت نے انسپکٹر محمد حاکم کو 27 اگست کو گواہی کے لئے طلب کرتے ہوئے عدالتی کارروائی ملتوی کردی۔

عدالت میں 28 ویں پیشی

27 اگست 2011ء غازی صاحب کی پیشی کی تاریخ تھی۔ آج استغاثہ کی طرف سے آخری گواہ نے پیش ہونا تھا۔ اس سلسلے میں آج آخری گواہ ملک حاکم خان انسپکٹر SHO تھانہ کوہسار کو پیش کیا گیا۔ حاکم خان انسپکٹر نے عدالت میں حاضر ہو کر یہ گواہی دی کہ میں ممتاز حسین قادری کا تفتیشی افسر تھا اور میری تفتیش میں یہ بات واضح ہوئی ہے کہ سلمان تاثیر کو ممتاز حسین قادری نے اس لئے قتل کیا تھا کہ اس نے ناموس رسالت کے قانون کو ''کالا قانون'' کہا تھا اور یہ کہ ممتاز قادری کا اس سلسلے میں کیا جانے والا اقدام اس کا ذاتی فعل تھا۔ اس کے اس کام میں کوئی تنظیم یا فرد ملوث نہیں تھا اور یہ کہ ممتاز حسین قادری نے گورنر کے ساتھ ڈیوٹی از خود نہیں لگوائی اور نہ ہی اس طرح کوئی بھی شخص ڈیوٹی لگوا سکتا ہے۔

گواہ پر جرح مکمل ہونے کے بعد استغاثہ نے عدالت کو بتایا کہ وہ اب مزید کوئی گواہ پیش نہیں کریں گے کیونکہ پہلے ہی 14 گواہ پیش کئے جا چکے ہیں اور ہم مزید گواہان

پیش کرنے سے دستبردار ہوتے ہیں عدالت نے کیس کی سماعت 10 ستمبر تک ملتوی کرتے ہوئے اگلی پیشی پر ممتاز قادری کو دفعہ 342 کے تحت بیان ریکارڈ کروانے کا حکم دیا۔

راقم شہباز تاثیر کے اغواء کے معاملے کے باعث اس پیشی پر حاضر نہ ہوسکا کیونکہ تفتیشی اداروں نے اس دن تفتیش کے لئے طلب کیا تھا۔معلومات کے مطابق پیشی پر مولانا اسلم ضیائی ،فیاض الحسن چوہان، غازی برادران اور دیگر عاشقان رسول نے شرکت کی۔

شہباز تاثیر کے اغواء کے سلسلے میں تفتیشی اداروں نے ممتاز حسین قادری سے بھی تفتیش کی چنانچہ غازی صاحب کی طرف سے ان کے بھائیوں کی وساطت سے اخبارات میں مذمتی بیان شائع ہوا اور انہوں نے شہباز تاثیر کے اغواء کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ میں کوئی کریمنل ریکارڈ یافتہ نہیں ہوں بلکہ میرا اقدام خالصتاً نبی کریم ﷺ کی محبت کے باعث تھا اور شہباز تاثیر یا سلمان تاثیر کی فیملی کے کسی اور فرد سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے۔

اڈیالہ جیل کے باہر پہلی دفعہ تحریک انصاف کے چند عہدیداران نے بھی شرکت کی۔

عدالت میں 29 ویں پیشی

10 ستمبر بروز ہفتہ حسب معمول غلامان مصطفی اڈیالہ جیل کے باہر جمع ہوئے۔ غازی صاحب کے وکلاء ان کے اہل خانہ کے علاوہ مولانا اسلم ضیائی صدر جماعت اہل سنت اسلام آباد ،مولانا نزاکت تبسم ،مولانا لیاقت گجراتی ،مولانا اشفاق صابری ،مولانا قاسم رضوی آف چونترہ ،مولانا شوکت عطاری ،مولانا سراج الدین ،مولانا نواز صاحب جماعت اسلامی کے رہنما رانا جاوید احمد تحریک ختم نبوت کے مولانا وحید قاسمی ،مولانا طاہر قریشی ،محمد آفتاب راقم الحروف اور فیاض الحسن چوہان ،مشہور سماجی شخصیت چودھری منظور احمد آف ترلائی اراکین شباب اسلامی پاکستان ،سید کونین حیدر شاہ ،دعوت اسلامی کے طارق عطاری آف مسلم ٹاؤن ،محمد اشرف سیفی ،محمد سلطان اعوان آف خوشاب کے علاوہ

دیگر علماء کرام غلامان مصطفی نے شرکت کی۔حسب معمول محفل نعت خوانی منعقد کی گئی۔ فیاض الحسن چوہان کی طرف سے غازی صاحب کی رہائی کے حوالے سے پیشیوں میں شرکت کی دعوت کے حوالے سے ترغیبی کھلا ہوا خط شائع کیا گیا جس میں علماء نے کھل کر غازی صاحب کی حمایت میں کام کرنے کی اپیل کی گئی۔

آج کی عدالتی کارروائی میں عدالت کی طرف سے ضابطہ فوجداری کی دفعہ 342 کے تحت غازی صاحب کو 10 سوالات دیئے گئے تھے، جن کا جواب انہوں نے اگلی پیشی 17 ستمبر پر عدالت میں جمع کروانا تھا۔

عدالت میں 30 ویں پیشی

17 ستمبر 2011ء بروز ہفتہ غازی صاحب کی پیشی پر کثیر تعداد میں غلامان خیر الوریٰ نے شرکت کی۔اسلام آباد سے پہلی مرتبہ مولانا محمد اقبال نعیمی صاحب، مولانا اعجاز چوراہی صاحب، مولانا طالب حسین اعوان، حافظ ادریس، غلام عبادت صاحبان شریک ہوئے۔ان کے علاوہ مولانا اسلم ضیائی، مولانا نزاکت تبسم، مولانا حافظ وقار احمد ضیائی، مولانا لیاقت گجراتی، مولانا اشفاق صابری، مولانا شوکت عطاری، مولانا صوفی اشرف سیفی، محمد اسلم، حافظ مہتاب احمد ماگرے، صوفی محمد زاہد نے بروقت شرکت کی۔شباب اسلامی کے تنظیمی ساتھیوں کا قافلہ راقم کی قیادت میں اڈیالہ جیل پہنچا۔دیوبندی علماء کی طرف سے شیخ الحدیث مولانا عبدالرؤف اسلام آباد، مفتی عبدالسلام اسلام آباد، مولانا عبدالوحید قاسمی نے شرکت کی۔جماعت اسلامی کے رضوان احمد اور تحریک انصاف کے فیاض الحسن چوہان صاحب شریک ہوئے۔بڑی تعداد میں عام شہریوں نے شرکت کی۔حسب معمول پیشی میں شرکت کرنے والوں کی سہولت کے لئے ٹینٹ وغیرہ لگائے گئے تھے۔حسب معمول جیل کے باہر غازی صاحب کی رہائی کے لئے مظاہرہ کیا گیا۔محفل نعت ہوئی اور مولانا

نزاکت تبسم، مولانا اسلم ضیائی، مولانا عبدالرؤف دیوبندی، فیاض الحسن چوہان اور راقم الحروف نے حاضرین کے دلوں کو خطاب کے ذریعے گرمایا۔ غازی صاحب کے وکلاء راجہ شجاع الرحمن، ملک رفیق، سید حبیب الحق شاہ صاحبان بھی بروقت عدالت میں پہنچے۔

آج کی عدالتی کارروائی میں عدالت کی طرف سے غازی صاحب سے پوچھے گئے 10 سوالات کے جوابات جمع کروائے گئے۔ سوالات و جوابات انگلش میں ہیں، ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

سیکشن 342 کے تحت پوچھے گئے سوالات و جوابات

سوال نمبر 1: کیا آپ نے استغاثہ/ مدعی کے بیان و ثبوت سمجھے اور آپ کی موجودگی میں قلمبند ہوئے؟

جواب: جی ہاں!

سوال نمبر 2: یہ ایک ثبوت ہے کہ آپ نے اپنی ڈیوٹی 4 جنوری 2011ء کو سازشی طریقہ کار سے لگوائی تاکہ آپ سوچی سمجھی سازش کے تحت مقتول گورنر کا قتل عمد کر سکیں۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: یہ غلط ہے۔ پہلے سے منصوبہ بندی کے ساتھ سازشی ڈیوٹی والا اقدام مستند گواہ حاکم خان سے غلط ثابت ہوا، کیونکہ نہ تو اس دن کی سکیورٹی انسپکٹر نے اہلکاروں کو چیک کیا اور نہ ہی فہرست جاری کی گئی چونکہ میں ایلیٹ فورس راولپنڈی کا اہلکار تھا، اس لئے اس دن میں عام معمول کی ڈیوٹی پر تھا۔

سوال نمبر 3: یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ نے 4 جنوری 2011ء کو شام 4 بجے جبکہ آپ گورنر کی زندگی کی حفاظت پر متعین تھے، کوہسار مارکیٹ اسلام آباد کے نواح میں جبکہ مقتول ہوٹل سے باہر آ رہا تھا اور گھر کی طرف رواں تھا تو پیدل چلتے ہوئے آپ نے سوچی سمجھی

سازش/منصوبہ کے تحت اپنی ڈیوٹی کے خلاف اس پر اچانک فائر کھول دیا۔ اپنی گن SMG رائفل کے ساتھ اور گورنر کا قتل عمد کیا؟ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: بعد والا حصہ کہ اچانک فائر کھول دیا، صحیح ہے لیکن پچھلا حصہ غلط ہے۔ اس کا جواب بعد کے کسی سوال کے جواب میں مل جائے گا۔

سوال نمبر 4: یہ بھی ثابت ہے کہ فائرنگ کے بعد آپ جذبات سے باہر ہو گئے اور آپ کو باقی دستہ کے عملہ نے گرفتار کر لیا اور یہ کہ آپ سے SMG گن اور اس کے ساتھ دو میگزین ایک خالی اور دوسرا لوڈ جس میں 28 گولیاں تھیں، برآمد ہوا تو آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: میں نے خود ہی ہاتھ اوپر کر لئے تھے اور اس کے بعد انچارج کے حکم پر میں نے رائفل اس کو دی اور خود جھک گیا۔

سوال نمبر 5: یہ بھی ثابت ہوا کہ انویسٹی گیشن آفیسر نے جگہ سے 28 گولیوں کے کھوکھے اکٹھے کئے اور ان کو یادداشت کے لئے رکھ لیا، آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: اس علم سے قاصر ہوں چونکہ میں تحویل میں لے لیا گیا تھا اور فوراً بعد مجھ کو پولیس سٹیشن لے جایا گیا تھا۔

سوال نمبر 6: یہ بھی ثابت ہوا کہ گن آپ سے برآمد ہوئی اور اس کے ساتھ 28 کھوکھے جائے وقوعہ سے اکٹھے کئے گئے جو کہ فرانزک لیبارٹری بھیجے گئے جہاں سے مثبت نتائج وصول ہوئے۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: میں اس سوال کا جواب پچھلے دو سوالوں کے جوابات میں واضح کر چکا ہوں۔

سوال نمبر 7: یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ نے ازخود رضامندانہ طور پر بیان اقبالِ جرم دیا جو کہ سیکشن 164/c پاکستان کریمنل پروسیجر کورٹ کے تحت آپ نے قبول کرتے ہوئے کہا کہ گورنر سلمان تاثیر کے ہولناک قتل کے آپ ذمہ دار ہیں جو کہ مستند گواہ نمبر 9 محمد علی اسسٹنٹ کمشنر اسلام آباد نے ریکارڈ کیا۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: یہ غلط ہے، جس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جن حالات میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت مجھ کو گرفت (Bound) رکھنے کے لئے وہ ایک برائے نام بیان لیا گیا اور مجھ کو حلف لینے پر مجبور کیا گیا۔ اس کے علاوہ یہ بیان قابل اندراج نہیں اور میں اس سے مکمل طور پر بری الذمہ ہوں۔

سوال نمبر 8: کیوں یہ کیس آپ کے خلاف ہے اور کیوں مستند گواہان نے آپ کے خلاف بیانات دیئے؟

جواب: سلمان تاثیر اس وقت صوبہ پنجاب کا حاضر گورنر تھا اور وہ وفاقی حکومت پاکستان کا نمائندہ تھا، اس طرح گورنر کے عہدہ پر ہوتے ہوئے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے نمائندہ حیثیت پر اس نے عوامی/ بین الاقوامی طور پر یہ ظاہر کیا کہ وہ ایک سزا یافتہ مجرم بنام آسیہ بی بی کا ہمدرد ہے جس کو عدالت کی طرف سے سزائے موت اس لئے ملی تھی کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کی توہین کی تھی اور براہ راست بارگاہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں توہین آمیز الفاظ بکے۔ یہاں اس امر کی ضرورت نہیں کہ جو فیصلہ اس کو سنایا گیا وہ ابھی تک چل رہا ہے اور فیصلہ ٹرائل کورٹ (تفتیش عدالت) میں بھیج دیا گیا ہے۔ بہر حال سلمان تاثیر نے بہت گستاخانہ/ ہتک آمیز طریقہ کار سے لاہور کی جیل کا دورہ کیا اور ایک دربار کا انتظام کیا تاکہ وہ صرف اپنی طرف سے اس مجرمہ کی معافی کی درخواست صدر سے منظور کروائے۔ یہ کوئی عام بات نہیں تھی کہ سلمان تاثیر نے اپنے 23-12-2010 کے انٹرویو میں توہین رسالت کے قانون کو ''کالا قانون'' قرار دے کر اس کو ایک آدمی کا بنایا ہوا قانون ٹھہرایا اور اس کو چیلنج کیا اور تنقید کا نشانہ بنایا جو کہ براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک نام اور ان کے اس مبارک اقدام کی توہین تھی جو کہ قرآن وسنت کی ہدایت کی روشنی میں صحیح ہے۔ اس کے متعلقہ روزنامہ ایکسپریس ٹرائی بیون (Daily Express Tribune) تاریخ 5 دسمبر 2010ء (حصہ واضح کیا گیا A to A) اور روزنامہ ایکسپریس (اردو)

تاریخ 23 نومبر 2010ء واضح حصہ B to B صفحہ 8 اور واضح حصہ C to C صفحہ 5 اس ضمن میں قابل بیان ہیں۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ اس نے ان تمام باتوں/ بیانات کی تردید بھی کبھی نہیں کی۔ یہ صورت حال واضح کرتی ہے کہ سلمان تاثیر خود ہی اس جرم کا ذمہ دار ٹھہرا بذریعہ زیر دفعہ 295-C پاکستان پینل کوڈ یہ کہ اس کی سزائے موت یا عمر قید ٹھہری۔ باوجود اس کے اس جرم کے اس کے خلاف قانون کے مطابق سلوک نہیں کیا گیا۔ یقیناً وہ صدر آصف علی زرداری کا کارندہ (نائب) اور امریکہ کا غلام تھا۔ یوں قدرت نے اپنا راستہ بنانا تھا اور انصاف ہو کر رہا اور یہ سبق تمام ہی ''مرتدین'' کے لئے ہے کہ وہ آخر کار اس انجام سے دوچار ہوں گے۔

میں استغاثہ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا وہ ''سب وشتم'' توہین رسالت اور ''ارتداد'' انکار دین کی وجہ سے خود کو دوہرے قتل کا ذمہ دار نہیں ٹھہراتا؟ ایسا اقدام جو کہ ''شاتم رسول'' اور ''ارتداد'' پریشانی/ بگاڑ کو چھوتے ہیں۔ یہاں استغاثہ ثابت کرے کہ کیا شاتم مرتد نہیں ہوتا؟ اور مرتد واجب القتل نہیں ہے؟ سلمان تاثیر کی ذاتی زندگی سے ثابت ہے کہ اپنی ابتدائی زندگی سے ہی وہ ''ملحد'' تھا اور س نے تین شادیاں کیں اور یہ کہ اس کی ایک بیوی ''سکھ'' تھی اور اس نے یہ شاید پوشیدہ طریقہ سے نیو دہلی انڈیا میں کی تھی اور اس کے اس بندھن سے اس کا بیٹا آتش تاثیر بھی ہے اور جوان ہونے پر اس نے لندن میں صحافت کا شعبہ اپنایا اور ایک دو دفعہ پاکستان میں اپنے باپ سے ملنے بھی آیا اور اس نے ایک کتاب بھی لکھی بعنوان ''تاریخ سے اجنبی'' (Stranges to History) جو کہ ایک لندن کے اشاعتی ادارے (MC Cellans Stewart of London) نے اشاعت کی۔ صفحہ 21 اور 22 پر لکھتا ہے کہ ''میرا باپ سلمان تاثیر روز شراب پیتا ہے، اس نے کبھی روزہ نہ رکھا اور نہ کبھی نماز پڑھی یہاں تک کہ خنزیر کھاتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے کہا کہ جب وہ جیل میل تھا تو مجھے قرآن مجید دیا گیا پڑھنے کے لئے، میں نے بہت دفعہ اس

کو آخر سے شروع کی طرف پڑھا لیکن مجھے اس میں کچھ نظر نہ آیا اور میں نے محسوس کیا کہ اس میں میرے کام کا کچھ نہیں ہے۔

اس کا طرز زندگی، ایمان اور غیر مذہب عورت کے ساتھ رہنا اس کے مستقل زنا کی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں (اسلامی شادی کے ضمن میں) اور اس کے کردار اور زندگی کے باری میں معاملات کی کھلی نشاندہی بھی ہے۔

ایک پر کیف (ایمان و اتقان) والے دن میں نے بطور ممبر ایلیٹ فورس جو کہ اس وقت کے گورنر سلمان تاثیر کے حفاظتی دستہ پر تھا کہ کوہسار مارکیٹ میں گورنر سلمان تاثیر اور ایک شخص کے ساتھ کھانا کھانے کے بعد اپنی گاڑی کی طرف آرہا تھا کہ میں نے ساتھ والی مسجد میں رفع حاجت کیا اور وضو کیا۔ جب میں واپس آیا تو میرا سامنا سلمان تاثیر سے ہوا اور مجھے اس سے بات کرنے کا موقع ملا کہ آپ کا بیان توہین رسالت کے قانون کے خلاف وہ ''کالا قانون'' ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ آپ کو اس عہدہ سے ہٹاتا ہے۔ اس پر وہ ایک دم چلایا اور بولا صرف یہی نہیں کہ یہ کالا قانون ہے، بلکہ میرے نزدیک یہ ایک بکواس ہے۔ مسلمان ہوتے ہوئے میں بے قابو ہو گیا اور اس انتہائی پریشانی اور اچانک جذبات میں میں نے ٹرائیگر دبایا اور وہ بالکل میرے سامنے گر پڑا۔ مجھے اس پر کوئی ندامت نہیں اور میں نے یہ تحفظ ناموس رسالت میں کیا۔ سلمان تاثیر نے مجھے بہت پریشانی دی اور میرے جذبات کو ابھارا، میں اس کے قتل کا حق دار تھا۔ میرے دیئے ہوئے بیان کو ملاحظہ فرمائیں جو کہ زیر دفعہ 265F5 پاکستان پینل کوڈ کے تحت ہے۔

سوال نمبر: 9 آپ اپنا دفاع کریں گے اور گواہی کے کٹہرے میں آئیں گے؟

جواب: ضروری نہیں کہ ملحقہ مواد میرے نزدیک کافی ہے۔

سوال نمبر: 10 کیا آپ اپنے دفاع میں کچھ اور کہنا چاہتے ہیں؟

جواب: جناب میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔

عدالت میں 31 ویں پیشی

24 ستمبر کی پیشی پر غلامان مصطفی نے بھرپور انداز سے شرکت کی۔ شباب اسلامی کا ایک بڑا قافلہ راقم کی قیادت میں اڈیالہ جیل پہنچا۔ اعلان کے مطابق سنی تحریک کے سینکڑوں کارکنان نے مری، کلرسیداں، گوجرانوالہ، راولپنڈی، اسلام آباد اور دیگر شہروں سے بھی شرکت کی۔ قافلے کی قیادت زاہد حبیب صاحب آف گوجرانوالہ، علامہ غفران محمود سیالوی، مفتی لیاقت رضوی، عطاء الرحمن دھنیال، طاہر اقبال چشتی، مولانا احسان الہٰی قریشی اور مولانا وسیم قادری نے کی۔

آج کی پیشی پر علماء کرام کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ اسلام آباد سے مولانا اقبال نعیمی، مولانا اسلم ضیائی، مولانا ضیاء الحسن ضیائی، مولانا طالب حسین اعوان، قاری محمد اعجاز عطاری، مولانا عبادت اعوان، قاری عبدالعزیز پیشی میں شریک ہوئے۔ آستانہ عالیہ بٹنگی شریف بوئی ایبٹ آباد سے صاحبزادہ سید طاہر حسین شاہ کاظمی، مولانا عبدالغفور چشتی (ڈی آئی خان) مفتی فرقان عباس قادری (رہنما ادارہ صراط مستقیم) اپنے ساتھیوں صاحبزادہ حامد مصطفی فاضل جامعہ نظامیہ، مولانا نوید چشتی، علامہ قربان علی سمیت لاہور سے شریک ہوئے۔ اس کے علاوہ بزم ارشاد کا قافلہ مولانا ہارون عباسی ضیائی، کامران عباسی، سید آفتاب حسین شاہ کی قیادت میں اڈیالہ جیل کے باہر پہنچا۔ تنظیم علماء ضیاء العلوم کا قافلہ مولانا وقاص ضیائی کی قیادت میں پہنچا۔

مولانا عزیز الدین کوکب صاحب اور قاری علی اکبر نعیمی صاحبان بھی آج پہلی دفعہ غازی صاحب کی پیشی میں حاضر ہوئے۔ مولانا قاسم رضوی، حافظ اشفاق صابری، قاری حافظ بلال رضوی، قاری بشیر اعوان، مولانا فاروق چشتی مصریال، مولانا یعقوب چشتی چوہڑ چوک، مولانا فخر زمان چشتی، مولانا مقصود احمد چشتی سہام، مولانا امانت علی حیدری،

مولانا رب نواز فاروقی، مولانا سفیر احمد ضیائی، مولانا اسحاق چشتی، مولانا سعادت علی ضیائی، مولانا سید وسیم شاہ بہارہ کہو، مولانا قاری رستم اسلام آباد کے علاوہ درجنوں دیوبندی علماء کا قافلہ پیر عزیز الرحمن نقشبندی، مولانا عبدالوحید قاسمی، مولانا ابراہیم، قاری حفیظ الرحمن کی قیادت میں اڈیالہ جیل کے باہر پہنچا۔

تنظیم اسلامی راولپنڈی کے ناظم اشتیاق حسین اپنے ساتھیوں کے ہمراہ شریک ہوئے۔ کاروان اسلام تنظیم کے مرکزی صدر ارشد حسین گوندل مرکزی جنرل سیکرٹری مولانا الیاس تبسم مرکزی نائب صدر عبدالرزاق ورکر اور سید زاہد حسین شاہ جوائنٹ سیکرٹری بھی خصوصی طور پر شیخوپورہ سے پیشی میں شرکت کے لئے اڈیالہ جیل پہنچے۔

کاروان اسلام کی طرف سے پورے ملک میں غازی صاحب کی حمایت میں اشتہارات اور پمفلٹ تقسیم کئے گئے جن میں غازی صاحب کو خراج تحسین پیش کیا گیا اور ان کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ادھر لاہور میں محمود الحسن بٹ، محمد عمران قادری، محمد عرفان توگیروی نامی نوجوانوں نے ''انجمن محبانِ غازیان اسلام'' نامی تنظیم کی بنیاد رکھی اور پورے لاہور سمیت مختلف شہروں میں ''کیا یہ اسلامی ملک ہے؟'' کے عنوان سے ایک مؤثر اشتہار شائع کیا گیا جس میں غازی صاحب کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔

حسب معمول جیل کے باہر غازی صاحب کی حمایت میں مظاہرہ کیا گیا۔ آج چونکہ سنی تحریک کی طرف سے خصوصی شرکت کا اعلان تھا لہٰذا عام لوگوں کی بنسبت ان کے کارکنان کی تعداد زیادہ تھی۔ یاد رہے کہ پورے ملک میں شباب اسلامی کے ساتھ سنی تنظیمات میں سے سنی تحریک نے غازی اسلام ممتاز حسین قادری صاحب کی حمایت کے سلسلے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ جیل کے باہر نعت خوانی ہوئی اور سنی تحریک، بزم ارشاد، شباب اسلامی اور دیگر تنظیموں کے قائدین اور رہنماؤں نے مظاہرین سے خطاب کیا۔ اپنے اپنے خطاب میں حکومت کو باور کرایا گیا کہ وہ عدالتی فیصلوں پر اثر انداز ہونے کی

کوشش نہ کرے۔

ادھر آج کی عدالتی کارروائی میں غازی صاحب کے وکلاء ملک رفیق صاحب، راجہ شجاع الرحمن، راجہ طارق دھمیال اور سید حبیب الرحمن شاہ صاحب بروقت عدالت پہنچے۔ غازی صاحب کے وکیل ملک رفیق صاحب نے کیس کی آخری بحث کی اور یہ ثابت کیا کہ سلمان تاثیر اپنے اقوال اور افعال کے باعث مرتد ہو چکا تھا اور "**واجب القتل**" بھی، حکومت کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس کے خلاف قانونی کارروائی کرتی چنانچہ حکومت کی طرف سے کارروائی نہ ہونے کے باعث ملک ممتاز حسین قادری نے اپنا فرض ادا کیا اور جذبہ عشق رسالت میں ڈوب کر گورنر کو قتل کیا۔ چونکہ گورنر غیر معصوم الدم تھا لہٰذا اسے قتل کرنے کے باعث قانونی طور پر ممتاز حسین قادری سے قصاص نہیں لیا جا سکتا کیونکہ اس اقدام پر قتل عمد کا اطلاق صادق نہیں آتا لہٰذا 302A کے تحت غازی ممتاز حسین قادری کو سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔ ملک رفیق صاحب کے دلائل کے دوران جب غازی صاحب کے عشق رسول اور محبت کے جذبات اور حضور کی رحمۃ للعالمینی کا ذکر ہوا تو عدالت میں موجود وکلاء اور دیگر لوگ اشکبار ہو گئے۔ عدالت نے گورنر کے وکیل کو اگلی پیشی پر اپنے دلائل تقریراً یا تحریراً مکمل کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے سماعت کو یکم اکتوبر تک ملتوی کر دیا۔

غازی صاحب کے وکیل صاحبزادہ سید حبیب الحق شاہ صاحب نے راقم کو بتایا کہ پیشی کے بعد لائبریری کے کمرے میں وکلاء نے غازی صاحب سے نعت رسول سنانے کی درخواست کی تو غازی صاحب نے دو نعتیں

(۱) یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے چاہنے والوں کی خیر
سب غلاموں کا بھلا ہو سب کریں طیبہ کی سیر

(۲) خود کو مٹا دیں گے ہم جاں لٹا دیں گے
ناموسِ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہم سر کٹا دیں گے

سنائیں تو پولیس سکیورٹی اہلکاروں اور وکلاء سمیت تمام لوگ اشکبار ہو گئے۔

بروز منگل 27 ستمبر 2011ء اخبارات کے ذریعے معلوم ہوا کہ گورنر کے وکیل نے اپنا بیان عدالت میں جمع کروا دیا ہے۔ تاہم اگلے روز کی اخبارات نے جج کی طرف سے اس بات کی تردید کردی اور جج کی طرف سے وضاحت سامنے آئی کہ گورنر کے وکیل کا بیان یکم اکتوبر کی پیشی پر ہی وصول کیا جائے گا اور اسی روز وکلاء کی حتمی بحث ہو گی۔ تاہم یہ سیاسی شعبدہ بازی کی چال تھی اور غازی صاحب کے وکلاء نے چونکہ یکم اکتوبر کو عدالت میں درخواست دینی تھی کہ غازی صاحب کے خلاف لگایا جانے والا دہشت گردی کی دفعہ 7ATA درست نہیں ہے لہٰذا اسے ختم کر دیا جائے۔ چونکہ حکومت کی طرف سے دباؤ کے تحت یہ فیصلہ کروایا جا رہا تھا اس لئے جج نے مذکورہ وضاحت کی تا کہ غازی صاحب کے وکلاء درخواست جمع نہ کروا سکیں۔

آج تم ہار گئے، میں جیت گیا
غازی ممتاز قادری کی اہلخانہ سے آخری گفتگو

مرزا عبدالقدوس

ممتاز قادری کے اہلخانہ کے مطابق آخری ملاقات میں قادری نے اپنے پانچ سالہ بیٹے کو پیار کیا اور اس سے قرآن پاک کی تلاوت سنی۔ اس کے بعد انتہائی پر سکون انداز میں رشتہ داروں کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصاف حمیدہ بیان کیے اور انہیں دین کی تعلیمات پر عمل کرنے کی تلقین کی۔ جیل ذرائع کے مطابق ممتاز قادری نعتیہ اشعار ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تیرے چاہنے والوں کی خیر'' پڑھتے ہوئے تختہ دار پر چڑھے۔ ممتاز قادری کے اہلخانہ کے مطابق اتوار اور پیر کی درمیانی شب ساڑھے دس بجے کے بعد ان کے گھر کے سامنے ایک ٹویوٹا ہائی ایس وین آ کر رکی، جس میں موجود سرکاری حکام نے ممتاز قادری کے بھائی ملک دلپذیر کو بلا کر کہا کہ ممتاز قادری کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ، آپ کے والد اور ممتاز قادری کی اہلیہ اپنے بیٹے سمیت ہمارے ساتھ چلیں۔ ملک دلپذیر کے مطابق انہوں نے کہا کہ جمعرات کو ہم ان سے ملاقات کر کے آئے ہیں، وہ بالکل ٹھیک تھے، پھر اس طرح رات کو اچانک جیل بلانے کا کیا مقصد ہے؟ اس پر آنے والے شخص نے اپنے موبائل سے ملک دلپذیر کی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل سے بات کروائی۔ جنہوں نے کہا کہ واقعتاً ممتاز قادری کی طبیعت ٹھیک نہیں، آپ فوراً آ جائیں۔ ملک دلپذیر کے مطابق انہیں شک ہوا کہ کچھ گڑبڑ ہے، تاہم وہ چند اہل خانہ کے ساتھ سرکاری گاڑی میں بیٹھ گئے جبکہ دیگر

رشتہ داروں کو ٹیکسیاں کرائے پر لے کر اڈیالہ جیل پہنچنے کی ہدایت کی۔

ملک دل پذیر نے ''امت'' کو بتایا کہ وہ، ممتاز قادری کی اہلیہ اور ان کے پانچ (۵) سالہ بیٹے محمد علی رضا قادری سمیت (۱۸) افراد جیل پہنچ گئے۔ جیل کے اندر ابھی گاڑی سے اترے نہیں تھے کہ سپرنٹنڈنٹ خود آ گئے اور ممتاز قادری کو پھانسی دینے کے فیصلے سے آگاہ کیا۔ ملک دلپذیر کے مطابق انہیں اس کا پہلے سے اندازہ تھا، کیونکہ اگر ممتاز قادری بیمار ہوتے تو انہیں کسی ہسپتال میں لے جایا جاتا۔ تمام افراد کو جیل کے اندر کمرۂ عدالت میں بٹھا دیا گیا۔ دس منٹ بعد ممتاز قادری کو لایا گیا، وہ بالکل ہشاش بشاش تھے۔ انہوں نے مسکرا کر جیل حکام سے درخواست کی کہ میری خواہش ہے کہ یہ آخری ملاقات بھی میرے سیل میں ہی فرشی نشست پر ہو جہاں ہم پہلے بھی ملتے رہے ہیں۔ حکام نے ان کی درخواست قبول کر لی۔ خاندان کے افراد کے مطابق ممتاز قادری اپنے ڈیتھ وارنٹ پر ان کے پہنچنے سے پہلے ہی دستخط کر چکے تھے اور تحریری وصیت بھی جیل سپرنٹنڈنٹ کے حوالے کر چکے تھے۔ ممتاز قادری کے بھائی دلپذیر نے جیل حکام کی اجازت سے دیگر رشتہ داروں اور ممتاز قادری کے سسرال والوں کو بھی اندر بلوا لیا جو اڈیالہ جیل کے باہر پہنچ چکے تھے۔ آخری ملاقات میں خاندان کے اٹھارہ خواتین و حضرات موجود تھے۔ یہ ملاقات تقریباً ساڑھے تین گھنٹے جاری رہی۔ اس دوران ممتاز قادری ہمیشہ کی طرح دین اسلام کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ انہوں نے اپنے پانچ سالہ بیٹے محمد علی رضا کو پیار کرتے ہوئے اس سے تلاوت قرآن سنی اور پھر نعت رسول مقبول ﷺ ''یا رسول اللہ تیرے چاہنے والوں کی خیر'' خوش الحانی سے پڑھی۔ ممتاز قادری کے چچا حاجی ضمیر، جو دل کے مریض ہیں، نے ''امت'' کو بتایا کہ ''اگر ممتاز قادری سے میری آخری ملاقات نہ ہوتی تو ان کی پھانسی کے صدمے سے شاید میں بھی مر جاتا۔ لیکن ممتاز قادری کا حوصلہ دیکھ کر میرا دل مضبوط ہو گیا اور اب میں اس کی شہادت پر مطمئن ہوں۔''

اہلخانہ کے مطابق چار بجے جیل حکام نے انہیں واپس جانے کا کہا، جس پر ممتاز قادری نے سب سے فرداً فرداً معانقہ کیا اور آخری سفر کی طرف روانہ ہو گئے لیکن چند قدم چل کر واپس مڑے اور تمام اہلخانہ سے کہا کہ مل کر کھڑے ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے فوجی انداز میں سیلوٹ کیا اور مسکراتے ہوئے مڑ کر چلے گئے۔ اہل خانہ کے مطابق اس سے پہلے ممتاز قادری کا اپنے اہلخانہ سے تقریباً سوا گیارہ بجے آمنا سامنا ہوا تو خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ''آج تم ہار گئے اور میں جیت گیا۔'' میں تو کہتا تھا کہ میں نے جس مقصد کے حصول کے لئے شاتم رسول کو قتل کیا وہ پورا ہونے دو۔ لیکن آپ نے اپیل کی جو مسترد ہو گئی، اب شہادت میرا مقدر ہے۔''

آخری ملاقات کے حوالے سے اہلخانہ کا کہنا تھا کہ تمام افراد کال کوٹھی میں اس طرح بیٹھ گئے کہ ممتاز قادری اور ان کے درمیان آہنی سلاخ تھی۔ ممتاز قادری نے اپنے پانچ سالہ بیٹے محمد علی رضا قادری کو پیار کرتے ہوئے کہا کہ تلاوت سناؤ۔ اس نے تلاوت کلام پاک کی جس کے بعد ممتاز قادری نے خوش الحانی سے ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تیرے چاہنے والوں کی خیر'' پڑھی۔ اس دوران فرط جذبات سے ان کی آنکھوں سے آنسو گرتے رہے۔ نعت شریف مکمل کرنے کے بعد انہوں نے دس پندرہ منٹ تک درود پاک کا ورد کیا۔ پھر دین اسلام کی فضیلت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف بیان کرنے لگے۔ انہوں نے اپنے ایک عزیز کی طرف دیکھ کر کہا کہ داڑھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ میرے کہنے پر نہ رکھو بلکہ یہ سوچ کر رکھ لو کہ اس عمل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہو گی۔ اس دوران اہلخانہ خاموشی سے آنسو بہاتے رہے لیکن ممتاز قادری کسی خوف سے بے نیاز تمام رشتہ داروں کو دین اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کی تلقین کرتے رہے۔ انہوں نے کہا کہ زندگی میں جب بھی کوئی دکھ کی گھڑی آئے تو زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھیں۔ اللہ کریم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت سے دلی سکون عطا فرمائے گا اور آپ لوگوں کا شمار

عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہوگا۔

ممتاز قادری کو جب یہ بتایا گیا کہ اب ملاقات کا صرف نصف گھنٹہ باقی ہے، تو انہوں نے اپنے والد ملک محمد بشیر اعوان کے پاؤں چھوتے ہوئے کہا کہ ''آپ مجھے معاف کر دیں، میں آپ کی خدمت نہیں کر سکا اور بڑھاپے میں آپ کو چھوڑ کر جا رہا ہوں۔'' اس موقع پر ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور ملک بشیر سمیت کچھ رشتہ دار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے لیکن ممتاز قادری پرسکون رہے۔ ملک بشیر اعوان نے ممتاز قادری کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر چوما اور آنکھوں سے لگانا شروع کر دیا۔ اسی طرح ممتاز قادری نے اپنے سسر راجہ نفیس، چچا ملک ضمیر اور دیگر بزرگوں، خاص طور پر بڑے بھائی ملک دلپذیر اعوان سے معافی طلب کی اور کہا کہ اگر کبھی گستاخی ہوگئی ہو تو معاف کر دینا۔ اس موقع پر تمام بھائیوں نے اپنے قابل فخر بھائی کو سلام پیش کیا اور کہا کہ ہمیں تم پر فخر ہے۔ موقع پر موجود اہلخانہ کے مطابق ممتاز قادری نے اپنی اہلیہ کو تسلی دی اور کہا کہ شاید میں تمہارے حق پورے نہیں کر سکا، مجھے معاف کر دینا۔

اس دوران پانچ سالہ بیٹے محمد علی نے کہا کہ ''ابو! آج گھر چلیں۔'' اس پر ممتاز قادری نے کہا کہ ''آج میں ضرور گھر آؤں گا، بس ذرا نماز پڑھ لوں، تم اپنی امی کے ساتھ گھر چلو۔'' ملاقات کا وقت ختم ہوا تو ممتاز قادری کھڑے ہو کر تمام افراد سے ملے۔ والد سے کہا کہ ''میں اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا رہا ہوں، آپ افسردہ کیوں ہیں؟'' باپ نے جواب دیا ''میں افسردہ نہیں ہوں، اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی قبول کرے، یہ شکر کے آنسو ہیں۔'' ممتاز قادری نے واپس جانے کے لئے چند قدم ہی اٹھائے تھے کہ اچانک مڑے اور کہا کہ آپ سب لوگ ایک ساتھ کھڑے ہوں پھر انہوں نے مسکراتے ہوئے فوجی انداز میں سیلوٹ کیا اور فاتحانہ انداز سے سکیورٹی اہلکاروں کے پہرے میں تختہ دار کی طرف روانہ ہو گئے۔ اہل خانہ کے مطابق ممتاز قادری کی لاش پون گھنٹے بعد ان کے حوالے

کر دی گئی۔خواتین پہلے ہی گھر چلی گئی تھیں جبکہ مرد حضرات میت کے ساتھ گھر پہنچے۔پیر کی صبح سات بجے ممتاز قادری کے جسد خاکی کو غسل دے کر عوام کے دیدار کے لئے رکھ دیا گیا۔جنازے کا اعلان پیر کی سہ پہر پانچ (۵) بجے کیا گیا تھا لیکن اندرون و بیرون ملک سے لوگوں کی ٹیلی فون کالز پر یہ فیصلہ تبدیل کرنا پڑا۔

شہید کے والد نے ''امت'' کو بتایا کہ ملک کے مختلف شہروں اور بیرون ملک سے لوگوں کے فون آ رہے تھے اور ان کا اصرار تھا کہ وہ جنازے میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔اسلئے جنازہ ایک دن بعد رکھا گیا ہے۔ممتاز قادری کی میت گھر سے ملحق تین چار کنال کے وسیع پلاٹ میں برف کی سلوں کے درمیان رکھی گئی جہاں ہزاروں افراد نے لائن میں لگ کر آخری دیدار کیا۔وقفے وقفے سے خواتین کو بھی دیدار کرایا جاتا رہا۔محتاط اندازے کے مطابق پیر کے روز ایک لاکھ سے زائد افراد نے میت کا دیدار کیا۔ان کے نورانی چہرے پر سکون اور مسکراہٹ نمایاں تھی۔میت جس وسیع پلاٹ میں رکھی گئی تھی، وہاں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی، اطراف کی گلیوں میں بھی لوگوں کا بے پناہ رش تھا۔منتظمین کی طرف سے مسلسل اعلانات کئے جا رہے تھے کہ جو لوگ دیدار کر چکے ہیں وہ آگے تشریف لے جائیں تاکہ دوسرے افراد کو موقع مل سکے۔اہل محلہ کی جانب سے گلیوں میں ٹھنڈے پانی کی سبیلوں کا بندوبست کیا گیا تاہم اس موقع پر کوئی باوردی سکیورٹی اہلکار نظر نہیں آیا۔

ممتاز قادری کے اہل خانہ کے مطابق شہید قادری نے وصیت کی تھی کہ ان کی نماز جنازہ پیر الیاس عطار قادری پڑھائیں۔وہ اگر ملک میں نہ ہوں یا کسی مجبوری کی وجہ سے نہ آ سکیں تو جامعہ ضیاء العلوم سیٹلائٹ ٹاؤن کے پیر سید حسین الدین شاہ آف راولپنڈی نماز جنازہ پڑھائیں۔

ذرائع کے مطابق لنڈی کوتل، پشاور، اکوڑہ خٹک، مردان، چارسدہ، صوابی ایبٹ آباد اور ڈیرہ اسماعیل خان سے لے کر اٹک اور میانوالی، بھکر، لیہ، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازیخان

اور راجن پور سے کراچی تک لوگ پیر کی سہ پہر جنازے کی خبر سن کر پہنچ چکے تھے۔ ان ہزاروں، لاکھوں لوگوں کا واپس جانا اور اگلے روز واپس آنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے ہزاروں افراد نے لیاقت باغ میں ہی ڈیرے ڈال لئے تھے۔ مفتی حنیف قریشی جو کراچی سے ہنگامی طور پر راولپنڈی پہنچے تھے، نے ''روزنامہ امت'' سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنازہ بتا دے گا کہ سچا عاشق کون ہوتا ہے جبکہ گستاخوں کو جنازہ پڑھانے والا ہی نہیں ملتا۔ (یاد رہے کہ کئی علماء نے گورنر ہاؤس کے امام نے بھی سلمان تاثیر کا نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کیا تھا۔ یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا جارہا تھا) مفتی حنیف قریشی قادری نے مزید کہا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تھا کہ ''ہمارے جنازے بتا دیں گے کہ حق پر کون تھا۔'' اس لئے جن کے شعور کی آنکھیں بند ہیں، وہ آج یہ صدر تک اپنی آنکھوں سے حق کو دیکھ لیں۔

ملک ممتاز قادری شہید کے پچھتر (۷۵) سالہ والد ملک محمد بشیر اعوان بیٹے کی میت سے دس میٹر دور کرسی پر بیٹھے تھے۔ ان کے بڑے بیٹے ملک دلپذیر بھی ساتھ موجود تھے۔ عقیدت مندوں کی جانب سے بیٹے کی شہادت پر معانقہ کر کے مبارک باد دینے کا سلسلہ طویل ہو گیا تو حاضرین نے اصرار کر کے انہیں کرسی پر بٹھا دیا۔ ملک بشیر اعوان نے نمائندہ ''امت'' کو بتایا کہ ''ہم اللہ کی رضا پر خوش ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ میرے بیٹے کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جرم میں پھانسی دی گئی اور وہ کسی بھی مرحلے پر نہیں ڈگمگایا۔ ہم نے زبردستی اپیل کی تھی، جس کا شکوہ اس نے ہم سے آخری ملاقات میں بھی کیا، کیونکہ اسے شہادت کی تمنا تھی۔ آخری ملاقات میں اس نے ہمیں نئے انداز سے جینے کا حوصلہ دیا ہے جس پر ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں۔'' اللہ تعالیٰ عشق رسول کا جذبہ ان تمام مسلمانوں کے سینے میں بھر دے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کا کلمہ پڑھتے ہیں۔'' اس موقع پر ممتاز قادری کے بڑے بھائی ملک دلپذیر اعوان نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہم امت کے کردار کو

سراہتے ہیں۔ انہوں نے قرآن کریم کی ایک آیت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ''اللہ تعالیٰ نے جان اور مال گروی رکھے ہیں اور وہ کسی بھی وقت واپس لے سکتا ہے، لیکن اگر جان اور مال اللہ کے دین کے لئے کام آ جائے تو اس سے بڑی خوش قسمتی کیا ہوگی۔''

انہوں نے بتایا کہ آج عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے عید کا دن اور ظالموں کے لئے موت ہے۔ ملک دلپذیر اعوان نے کہا کہ ہمیشہ سے قادری شہید کا مؤقف تھا کہ اگر میری جان نظام مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفاذ کے کام آ جائے تو میں ایسی کروڑوں جانیں قربان کرنے کو تیار ہوں۔ کل رات جب پھانسی کا پھندہ سامنے جھول رہا تھا، تب بھی ان کا یہی مؤقف تھا، جس سے ہمارے دل بھی مزید مضبوط ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت بلند کرتے ہوئے وہ پھانسی گھاٹ کی طرف گئے۔ بعد میں ہمیں بتایا گیا کہ پھانسی کا پھندا انہوں نے اپنے ہاتھ سے گلے میں ڈالنے کی خواہش کی تھی جو قانونی مجبوری کی وجہ سے پوری نہ کی جا سکی۔ ملک دلپذیر اعوان نے بتایا کہ سکیورٹی اہلکاروں نے ہمیں مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ ممتاز قادری خوش قسمت ہیں کہ ان کو شہادت بھی سوموار کے دن نصیب ہوئی جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تھے۔ ان کے بڑے بھائی ملک سفیر نے کہا کہ نہ قادری شہید کو اور نہ ہمیں کوئی دکھ یا ملال ہے۔ وہ سچے عاشق رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی پیروی کرنے کی ہمت دے۔ ممتاز قادری کی تدفین ان کے سسرال کے قبرستان بھارہ کہو اسلام آباد میں ہوگی۔ خاندانی ذرائع کے مطابق اس خواہش کا اظہار آخری ملاقات کے دوران ان کے سسر راجہ نفیس نے کیا تھا۔ ممتاز قادری شہید اور ان کے والد ملک محمد بشیر اعوان نے ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اسے منظور کر لیا۔

(بحوالہ روزنامہ امت، یکم مارچ ۲۰۱۶ء، کراچی)

ممتاز قادری سے ان کے اہل خانہ کی آخری ملاقات کا احوال

اے کاش یہ آنکھیں مجھے یہ دن نہ کھائیں

ضمیر نفیس

ممتاز قادری شہید کی راولپنڈی میں نماز جنازہ نے ایک نئی تاریخ رقم کی عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر جو انکی نماز جنازہ میں شرکت کے لیے اُمڈ آیا تھا لیکن محض عوام کی بہت بڑی تعداد ہی نے تاریخ رقم نہ کی اس حوالے سے بھی تاریخ رقم ہوء کہ شہر میں ایک بھی شیشہ ٹوٹا نہ ٹائر جلا یہ معمولی بات نہیں ہے اتنے بڑے ہجوم کا مشتعل نہ ہونا اور اسے قابو میں رکھنا تمام مذہبی لیڈر یقینا اس پر مبارکباد کے مستحق ہیں اس میں انتظامیہ کا کوئی کمال نہ تھا یہ دانشمندی اور حکمت عملی قائدین کی تھی انتظامیہ نے تو راولپنڈی اور اسلام آباد کے راستے بلاک کر کے عوام کو مشتعل کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اس کی حکمت عملی یہ تھی کہ دوسرے شہروں سے لوگوں کو راولپنڈی اور اسلام آباد میں داخل نہ ہونے دیا جائے اگر راستے بلاک نہ ہوتے تو مزید لاکھوں لوگ قادری کے شہر میں داخل ہو سکتے تھے بریلوی مکتب فکر کے پیروکاروں نے اس روز بڑے وقار کا مظاہرہ کیا انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ شہید کی نماز جنازہ اور اس کے جنازے کے جلوس کو کس طرح پر وقار انداز میں منزل تک پہنچایا جا سکتا ہے لاشوں کی سیاست کرنے والے سیاستدانوں کو اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنی چاہیے ایک محفل میں ایک صاحب شہید کے لفظ پر قدرے مضطرب تھے میں نے کہا

اگر ذوالفقار علی بھٹو پھانسی پر کر شہید ہو سکتے ہیں تو ممتاز قادری کیوں شہید نہیں قرار دیا جا سکتا قادری کی نیت اور جذبہ کہیں اعلیٰ اور افضل تھے جیل انتظامیہ نے جس پر اسرار انداز میں انہیں پھانسی دی وہ افسوسناک ہے قانون کے مطابق اس کے اہل خاندان سے ان کی ملاقاتیں ہونی چاہئیں تھیں ان کے آخری ملاقات کے حوالے سے جو روداد سامنے آئی ہے اس کے مطابق ممتاز قادری شہید نے وصیت کی تھی کہ ان کا پہنا ہوا عمامہ ان کے ساتھ ہی قبر میں دفن کیا جائے گھر کی خواتین کے مطابق سن کی وصیت کے مطابق ان کا عمامہ ان کے ساتھ دفن کر دیا گیا جبکہ دوسرا عمامہ ان کی وصیت کے مطابق ان کے اکلوتے بیٹے محمد علی قادری کو دے دیا گیا انہوں نے اپنے کپڑے بہن کے بیٹے کو دینے کی وصیت کی ان کی خواہش تھی کہ وہ اپنے بھائی فضل کے چار سالہ بیٹے عمر جو بول اور سن نہیں سکتا کا جیل سے واپس آ کر علاج کروائیں لیکن وقت اور حالات نے ان کی خواہش پوری نہ ہونے دی جس پر انہوں نے اپنے والد محمد بشیر کو وصیت کی تھی کہ میرے بیٹے عمر کا علاج کروایا جائے تا کہ وہ بول اور سن سکے ممتاز حسین قادری اپنی مذہبی جماعت دعوت اسلامی سے بہت پیار کرتے تھے انہوں دعوت اسلامی اور مدنی ٹی وی سے بہت پیار تھا وہ کہا کرتے تھے کہ اگر میرے والد نے بھی دعوت اسلامی کے خلاف کوئی بات کی تو میں انہیں بھی چھوڑ دوں گا ان کی زوجہ سمیرا بی بی نے کہا کہ میرے شوہر نے جو کچھ کیا مجھے اس پر فخر ہے میں شہید کی بیوہ ہونے پر فخر کرتی ہوں میرا بیٹا محمد علی قادری دارالمدینہ میں زیر تعلیم ہے جو اپنے والد کے نقش قدم پر چلے گا ممتاز حسین قادری کی بہنوں نے کہا کہ بھائی جب جیل میں تھے تو عشاء کی نماز کے بعد سونا ان کا معمول تھا 28 فروری کو بھی وہ عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد لیٹ گئے کہ تھوڑی دیر کے بعد جیل کے لوگ آئے اور کہا کہ آج آپ کو پھانسی دینی ہے جس پر بھائی نے کہا کہ مجھے غسل کے لیے پانی چاہیے اس کے بعد انہوں نے غسل کیا جب ہم سے ملنے آئے تو بھائی کو ہتھکڑی لگی ہوئی تھی ہم نے جیل والوں سے کہا کہ بھائی کی ہتھکڑی کھول دیں تا کہ ہم مل

سکیں مگر کسی نے ہماری نہ سنی تیسری مرتبہ کہنے پر چند لوگ اندر کسی دفتر میں گئے اور واپس آ کر انہوں نے بھائی کی ہتھکڑیاں کھول دیں لیکن انہوں نے بھائی کو باہر ہمارے پاس نہ آنے دیا آخری مرتبہ سب بھائی اپنے بھائی سے گلے نہ مل سکے یہ حسرت تمام عمر دل میں رہے گی کہ کاش جیل انتظامیہ اس دن ہمیں بھائی سے ملنے دیتی بھائی کو جس کمرے میں رکھا گیا تھا وہاں سے ہم صرف ان کے ہاتھ چوم سکتے تھے۔ جن بہنوں اور بھائیوں سے ان کا بھائی رخصت ہو رہا ہو انہیں اگر جی بھر کے آخری ملاقات بھی نہ کرنے دی جائے تو اس سے بڑی سفاکی اور کیا ہے سزائے موت کے قیدی کو پھانسی تو ہوتی ہے مگر اس کے آخری لمحات کو اس کے اور اس کے اہل خاندان کے لیے تکلیف دہ بنانے سے گریز کیا جانا چاہیے کون سا قانون اس قسم کی سفاکی کی ہدایت کرتا ہے موت کے سفر پر لے جانے والوں کو اپنی موت بھی تو یاد رکھنی چاہیے۔

(روزنامہ اساس راولپنڈی)

غازی ملت کی شہادت کے عملی اسباق

ڈاکٹر ظفر اقبال نوری

اس نے قتل کیا تھا۔ اور اسے اپنا سچا ہونے کا یقین تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس نے کچھ غلط نہیں کیا۔ وہ زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا۔ اس نے تاریخ کی بہت زیادہ کتابیں نہیں پڑھیں تھیں لیکن اسلام کی چودہ سوسالہ تاریخ اس کی سچائی کی گواہ بن کر اس کی پشت پر کھڑی تھی۔ اسے تاریخ نے نہیں اس کے ایمان نے بتایا اور سکھایا تھا کہ اس کے محبوب قلب ونظر، کعبہ جہاں ﷺ کی شان اقدس میں ہرزہ سرائی کرنے والا ننگ انسانیت شخص زندہ رہنے کا حق نہیں رکھتا اور اگر وہ زندہ رہے تو مسلمان کہلانے والا خود زندہ رہنے پر شرمندہ ہوتا ہے۔ یہی وہ جذبہ غیرت وحمیت تھا جس نے اسے ایک گستاخ کی حمایت کرنے، گستاخی کی سزا کے صدیوں سے رائج قانون کو ختم کرنے کی کوشش کرنے، اسے کالا قانون قرار دینے والے منصب دار گورنر کو قتل کر دینے پر ابھارا۔ اس نے اپنے آقا و مولا ﷺ کی محبت میں فنا ہو کر، گورنر کی دشنام طرازی سن کر اسے قتل کیا اور ممتاز حسین قادری تاریخ کے صفحات میں ابد تک کے لیے ممتاز ہو گیا یہ الگ کہ اس کی رہائی کے لیے کمیٹیاں بنیں، جلسے ہوئے، جلوس نکلے، تحریکیں چلیں، قیادتیں ابھریں مگر جب وہ یہ کارنامہ سرانجام دے رہا تھا یہ سب کچھ اس کے ذہن میں نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نعتیں پڑھتے ہوئے، مسکراتے ہوئے، لبیک یا رسول اللہ کی صدائیں بلند کرتے ہوئے پھانسی کے پھندے کو چوم کر موت سے ہم غوش ہو

گیا۔جس طرح اس کے قتل کرنے کے وقت لوگوں میں دو طرح کی سوچیں تھیں اسی طرح اس کے پھانسی پر جھول جانے کے وقت بھی دو طرح کی آرا ہیں۔اور اپنی آرا اور فکری گروہ بندی میں ہمیں اپنے ایمان کی شناخت کرنا ہے کہ ہمارا ایمان ہمارا ہی نہیں بلکہ ہمارے وطن کی بھی شناخت ہے۔اس مملکت خداداد کو شناخت تو اسی کے سبز ہلالی پرچم کی صورت میں اس کے قیام کے ساتھ ہی گنبد خضرا کی ہریالیوں کی خیرات لے کر عطا کر دی گئی تھی مگر وہ جو اس کی بنیادی شناخت کے درپے تھے وہ آج بھی دشمن ہیں اور وطن عزیز کے ماتھے سے سبز گنبد کی ہریالیاں کھرچ دینا چاہتے ہیں۔وہ ہر اس حوالے، ہر اس نسبت، ہر اس تعلق کو ختم کر دینا چاہتے ہیں جو اس کے وجود کو دین اسلام سے وابستہ کرتی ہے۔اس کے لیے کبھی انہیں خوشحالی و ترقی کی یاد ستاتی ہے۔کبھی انسانی حقوق اس کے لوگ بستے ہیں۔کبھی شخصی آزادیوں اور انسانی ہمدردیوں سے بھی بے حد آزادیوں کا شوق انہیں سرگرم کرتا ہے۔ مذہب کو مندروں اور گرجوں کی طرح مسجدوں میں محدود کر کے وہ وطن عزیز کی گلیوں میں ننگے ہو کر ناچنا چاہتے ہیں۔اسلامی سزائیں انہیں ظالمانہ لگتی ہیں۔قاتل کے لیے موت کی سزا ختم کرنا چاہتے ہیں۔عورتوں اور مردوں کی برابری کے شوق میں انہی دینی روایات کا خاتمہ چاہتے ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہمارے ملک کے پاؤں میں مذہب کی زنجیر نہ ہوتی تو ہمارے ہاں بھی شراب عام ہوتی۔شراب خانے اور نائٹ کلب کھلے ہوتے دنیا بھر کے سیاح ہمارے ملک میں داد عیش دینے کے لیے ترقی کی دولت نایاب لیے جوق در جوق یہاں اتر رہے ہوتے۔اسی لیے ان کے نزدیک ممتاز حسین قادری شہید نے اپنا فرض منصبی نبھانے میں کوتاہی کی۔اپنے محسن کو قتل کیا۔مذہبی جنونی بن کر دہشت گردی کا ارتکاب کیا۔

اس طبقے کی تمام تر کاوشوں اور میڈیا کی بھرپور پشت پناہی، اور کاروبار مملکت میں دخیل قوتوں کے اثر ونفوذ کے باوجود نتیجہ کیا نکلا۔ جب ان سیکولر لبرل اور منہ ٹیڑھا کر کے انگریزی بولنے والوں کے بقول ''ایک قاتل اور دہشت گرد'' ممتاز حسین قادری کو پھانسی دی گئی، سرکاری ونجی تمام الیکٹرانک میڈی اکی اندھی آنکھوں پر پٹی اور منہ پر چپ کے تالے لگ جانے کے باوجود کسی خدائی انتظام نے لاکھوں لوگوں کو گھروں سے نکالا اور انہیں اس عظیم شخص کے جنازے میں پھول ہی نہیں، آنسوؤں، آہوں، سسکیوں اور محبتوں کے گلاب نچھاور کرنے کا جذبہ عطا کر دیا۔ کشتہ حب نبی ، نشان غیرت وہمت ممتاز حسین قادری کی شہادت اور عوامی محبت سے ہمارے لبرل اور سیکولر طبقے کو اب نوشتہ دیوار پڑھ لینا چاہیے کہ ابھی نہ تو وہ قلم ایجاد ہوا ہے اور نہ ہی وہ سیاہی تخلیق ہوئی ہے جو گستاخ رسول کو سزائے موت کے قانون کو تبدیل کر سکے۔ اس قانون کے مخالفین کے پاس سب سے بڑی دلیل یہ ہوتی ہے کہ جی اس قانون کا غلط استعمال ہوتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان سے پوچھا جائے کہ اب تک کتنے لوگوں کو اس قانون کے غلط استعمال کی وجہ سے پھانسی دی گئی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قانون کے راستے میں روڑے اٹکانے والے قانونی محافظوں کی ہی وجہ سے ابھی تک کسی ایک کو بھی سزائے موت نہیں دی جا سکی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی قانون غلط استعمال ہوتا ہے تو اس غلط استعمال کو روکنا چاہیے یا قانون کو ہی ختم کر دینا چاہیے؟ کیا اس حقیقت سے کوئی انکار کر سکتا ہے کہ قتل کے جھوٹے مقدمے درج نہیں ہوتے؟ چوری کے جھوٹے مقدمے درج نہیں ہوتے اور ان جھوٹے مقدموں اور جھوٹی گواہیوں کی بنا پر بے گناہ پھانسی نہیں چڑھتے اور جیلوں میں نہیں مرتے؟ یہ سب کچھ ہوتا

ہے اور یقیناً ہوتا ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ قتل کی اور چور کی سزا کے قانون ختم کر دیے جائیں۔ جس طرح ان قوانین کے اصل روح کے ساتھ نفاذ کی ضرورت ہے اسی طرح سی 295 کے قاندن کے نفاذ میں بھی اسی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہماری تجویز ہے کہ لبرل طبقے اس قانون کو ختم کرانے کے بجائے اس پر صحیح عمل درآمد کی کوشش کریں تاکہ پھر کسی کو ممتاز قادری بننے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ جب ک اس قانون پر عمل نہ ہوگا کوئی نہ کوئی اٹھ کر اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس کی حفاظت کا فرض ادا کرتا رہے گا۔ یہی نوشتہ دیوار حکومت کے لیے بھی ہے کہ جو اپنے اختیارات کو سیکولر اور لبرل لوگوں کی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے استعمال کر رہے ہیں ہمارے ملک کے لبرل اور سیکولر حلقوں کو شہید ممتاز قادری کی شہادت سے سبق سیکھ لینا چاہیے۔ دوسرا سبق تو خود ہمارے مذہبی حلقے کو سیکھنے کی ضرورت ہے کہ اس امر پر بجا طور پر اطمینان کا اظہار کیا جا سکتا ہے کہ غلامی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موت بھی قبول ہے کا جذبہ ہر محب رسول پاکستانی مسلمان کی رگوں میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اس حقیقت کا ادراک کرنے کی بھی اشد ضرورت ہے کہ ہر مسلمان کی لامحدود اور غیر مشروط محبت فقط اور فقط ذات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات سے ہے۔ غازی ملت، غازی اسلام ممتاز حسین قادری شہید نے کسی کے جبہ و دستار کے لیے جان قربان نہیں کی اس نے یہ فقید المثال قربانی صرف اور صرف حضور جان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیہ کی۔ غازی ملت کے جنازے میں جو کئی لاکھ لوگ دیوانہ وار کھینچے چلے آئے تھے وہ ہماری مذہبی قیادتوں کے سیاسی سپورٹرز نہیں تھے۔ سیاسی ہمائتی تو کیا وہ سب کسی ایک مذہبی جماعت سے بھی نہیں تھے ان سب کو جذبہ غلامی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لڑی میں پرو دیا

تھا۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ عددی اکثریت کے اس مظاہرے پر خوش رہے اور سر دھنتے رہے اور عملی طور پر کچھ نہ کیجئے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اسے اپنی سیاسی قوت سمجھتے ہوئے حکومت کی منظم قوت و طاقت سے قبل از وقت ٹکرا جایئے۔ تیسری صورت یہ کہ ہماری مذہبی قیادت کا کوئی بھی فرد اپنے آپ کو عقل کل اور ناگزیر نہ سمجھے۔ پیران عظام سے وابستہ مریدین اور علما کرام کے مقتدی ان کے روحانی و مذہبی مزارعے ہیں جو کہ آنکھیں بند کر کے ان کے حکم کی تعمیل میں ووٹ ڈالیں گے اور انہیں وزارت عظمٰی کے منصب تک پہنچا دیں گے لوگوں کی مذہبی و دینی وابستگیاں الگ ہوتی ہیں اور سیاسی مفادات کی تکمیل کے ذرائع الگ ہوتے ہیں۔ یہ بات پاکستان کے ماضی قریب میں کئی مرتبہ عوامی سطح پر دہرائی گئی جب خالص مذہبی ووٹرز یہ کہتے سنائی دیے کہ 'سر پیر سائیں دا'، ووٹ بھٹو سائیں دا'' آج بھی صورت حال اس سے مختلف نہیں ہوگی۔ اگر ہماری مذہبی جماعتیں یہ سمجھتی ہیں کہ وہ غازی ممتاز حسین قادریؒ کی حمایت میں نکلنے والے لاکھوں لوگوں کو اپنی حمایت میں کروڑوں ووٹوں میں تبدیل کر لیں گے تو یہ ان کی خام خیالی ہے اس لیے کہ ان میں نہ تو کوئی شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالویؒ جیسی روحانی شخصیت جلوہ گر ہے اور نہ ہی کارزار سیاست کی مشکلات سے بلند حوصلوں سے الجھتی قائد اہلسنت الشاہ احمد نورانیؒ اور مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازیؒ جیسی قیادت میسر ہے۔

قارئین!

اہلسنت کی مذہبی قیادتوں کو درد دل اور اخلاص سے اجتماعی صورت حال کے صحیح تجزیے کے بعد قابل عمل منصوبہ بندی، تقسیم کار، اور پھر اس پر عمل درآمد کی ضرورت ہے۔ نہ تو ہر کسی کو کلاشنکوف تھما کر مجاہد بکف بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہر کسی کو کاغذ قلم دے کر کنج تنہائی

میں بٹھایا جا سکتا ہے۔ نہ تو سارے کے سارے لوگ تبلیغ کے لیے گھروں سے نکالے جا سکتے ہیں اور نہ ہی سب کو سیاسی بھٹیوں کا ایندھن بنایا جا سکتا ہے۔ غازی ملت کی شہادت نے ملت کو ایک موقع فراہم کیا تھا کہ ہم اپنی صفوں کی شیرازبندی کرتے اور عوامی جوش وخروش کو ایک مثبت رخ دے کر تعمیر کے خواب کو شرمندہ تعبیر کر لیتے۔ اب یہی وقت ہے چہلم سے پہلے سیاست میں مصروف تمام دھڑے اور تمام گروہ اکھٹے ہو جائیں۔ تمام رہنما اپنے اپنے دھروں کی قیادت سے دستبردار ہو جائیں اور پھر ان میں سے متفقہ قیادت کا انتخاب کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ سماجی تعلیمی و تدریسی اور تبلیغی و دعوتی شعبوں میں کام کرنے والے اداروں تنظیموں کو خوامخواہ سیاست میں نہ گھسیٹا جائے۔ انہیں اپنا اپنا کام کرنے دیا جائے۔ کچھ رجاں کار اور ارباب بصیرت گوشہ گمنامی میں بیٹھ کر ہر شعبے کے معروضی حالات پر غور وفکر کر کے اس کے لیے منصوبہ بندی محض خواہشات اور خوابوں کی بنیاد پر نہ ہو بلکہ زمین حقائق کو نگاہ میں رکھتے ہوئے کی جائے۔ اس منصوبہ بندی میں ہر شعبے کے افراد کی گراں قدر آرا کو شامل کیا جائے نوجوانوں میں تحرک کے لیے انجمن طلباء اسلام جیسی مستند تنظیم کو مزید فعال بنایا جائے، ہر شعبے کی طرف سے اس کی سر پرستی اور امداد کی جائے کہ اسی نرسی میں پلنے والے پھولوں نے آگے چل کر اہلسنت کے ہر چمن کو آباد کرنا ہے۔

ایک حقیقت جسے سمجھنے کی اشد ضرورت ہے یہ کہ ناموس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مر مٹنے کا جذبہ تو ہر پاکستانی مسلمان اور سنی میں موجود ہے لیکن غلامی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جذبہ بتمام وکمال اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈھلتا نظر نہیں آتا ہے۔ ہمارا معاشرہ جو شتر بے مہار ہوتا جا رہا ہے۔ اور کو دکان ابلاغ جس طرح اس کی نکیل پکڑ کر اسے جدہر چاہتے ہیں موڑ رہے ہیں اس کو روکنے کی ضرورت ہے۔ کیا وجہ ہے کہ جس رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر جان قربان کرنے کے لیے ہم تیار ہو جاتے ہیں اسی کعبہ جاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے ہم ہچکچاتے ہیں۔ معاشرتی ناہمواریاں، معاشی بدکاریاں، اخلاقی گمراہیاں، انسانی حقوق

کی پامالیاں، محروموں اور مظلوموں کے ساتھ ستم بالائے ستم ناانصافیاں یہ سب اس لیے ہیں کہ ہمارا جذبہ غلامی رسول پیکر اطاعت رسول ﷺ میں نہیں ڈھل سکا ہے۔ یہی ہماری مذہبی اور دینی قیادت کا فریضہ بھی ہے اور امتحان بھی۔ ہماری خانقاہ، ہماری درسگاہ، ہمارے منبر ومحراب سب کو مل کر اس طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ دینی افکار رکھنے ولوں کی ہم آہنگی اور عملی اتحاد کے بغیر پاکستان کی نظریاتی و دینی شناخت کا تحفظ ناممکن ہے اور سیاسی میدان میں واضح کامیابی دشوار ہے۔ اسی طرح خانقاہ و مدرسہ کی بھرپور جدوجہد کے بغیر حب رسول کے خالص اور سچے جذبوں کو تعمیر و ترقی کی اصلاحی و تعمیری قوت میں ڈھالنا مشکل ہے۔ یہ امر خوش آئندہ ہے کہ مصطفائی فکر کا ترجمان ماہنامہ مصطفائی نیوز غازی ملت کے چہلم کے موقع پر یہ خاص خبر شائع رہا ہے۔ مجھے مصطفائی تحریک کی دردمند اور اہل بصیرت قیادت سے بھرپور امید ہے کہ وہ مشکل کی اس گھڑی میں اپنا بھرپور کردار ادا کرے گی اور عدل و انصاف، اور امن وسلامتی پر مبنی حسین مصطفائی معاشرے کی تعمیر کی منزل کو ممکن بنائے گی۔ اہلسنت کی تمام اجتماعی قیادت سے بھی دردمندانہ اپیل ہے کہ خدارا اس قیمتی موقع کو ضائع ہونے سے بچائیں اور منتشر افراد کی شیرازہ بندی کے کر کے انہیں مقام مصطفی ﷺ کے تحفظ اور نظام مصطفی ﷺ کے عملی نفاذ کے لیے تیار کریں۔ اس بڑے مقصد کے حصول کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔ رب کریم کا وعدہ کل بھی سچا تھا، آج بھی سچا ہے۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(ماہنامہ مصطفائی نیوز کراچی)

کبھی تم بھی سنو یہ دھرتی کیا کچھ کہتی ہے

کوکب نورانی اوکاڑوی

ایک بین الاقوامی نشریاتی ادارے کی پاکستان میں ترجمانی کرنے والے دوست نے پوچھا کہ تمہارے خیال میں شرکاء کی تعداد کیا ہوگی۔ عرض کیا کہ سیاسی جماعتوں کے جلسوں میں جتنے افراد کی تعداد کو میڈیا ایک ملین بتایا کرتا ہے، یہ اُس سے کم ازکم چھ گنا زیادہ شرکاء تھے۔ میں دن بارہ بجے راولپنڈی کے راجہ بازار میں داخل ہوا تو جانا پہچانا منظر بالکل بدلا ہوا تھا۔ سب سے بڑا تجارتی مرکز جہاں دن کے اوقات میں پیدل چلنا بھی دشوار ہوتا ہے اس وقت خالی پڑا تھا۔ تمام لوگ صرف ایک ہی سمت رواں دواں تھے۔ کسی کو راستہ پوچھنے کی حاجت تھی نہ کسی سے منزل کا پتہ پوچھنے کے ضرورت تھی۔ دیسی لبرلز کی دلیلوں جیسی پیچیدہ گلیاں بھی آج صراط مستقیم بنی ہوئی تھیں۔ ہر جانب سے لوگ امڈ رہے تھے اور ایک جانب کو رواں ہوجاتے۔ جس طرح بہار کے موسم میں چھوٹی چھوٹی ندیاں اور نالے دریا میں شامل ہوکر آگے کا منظر واقعی ایک انسانی دریا کا منظر پیش کر رہا تھا۔ باڑا مارکیٹ کی گلی سے آگے نکل کر جب موتی مسجد تک پہنچے تو انسانی دریا کا پاٹ اسقدر بھر چکا تھا کہ رُک رُک کر چلنا پڑ رہا تھا۔ گوالمنڈی چوک پار کرتے ہوئے ایک منظر یہ دیکھا کہ ڈیوٹی پر موجود ایلیٹ فورس اور پولیس کے اہلکار ممتاز قادری کے حق میں نعرے بازی کر رہے ہیں۔ کالی وردی میں ملبوس ایک تنومند جوان باآواز بلند کہہ رہا تھا کہ ممتاز میرا بیج میٹ تھا، لیکن کیا خبر تھی کہ وہ اتنے نصیبوں والا ہے۔

نیشنل آرٹ کونسل کے دروازے تک لوگ صفیں بنائے بیٹھے تھے نئے آنے

والے اس سے آگے بیٹھتے جارہے تھے۔ میں نے صف میں بیٹھنے کے بجائے جائزہ لینے کے فیصلہ کیا۔ کئی برسوں کی رپورٹنگ کی مہارت کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک طرف سے نکل کر مری روڈ کی طرف آ گیا۔ پہلے فیض آباد کی طرف چلنا شروع کیا، صفیں کمیٹی چوک کے انڈر پاس تک موجود تھیں، میں پلٹ کر لیاقت باغ کے سامنے سے ہوتا ہوا صدر کی جانب نکل گیا۔ جنگ بلڈنگ سے آگے مریڑ چوک کے قریب تک صفیں بنی ہوئی تھیں۔ موتی پلازہ کے پیچھے راولپنڈی میڈیکل کالج تک بھی صفیں نظر آ رہی تھیں۔

یہاں سے واپسی پر ایک بار پھر کالج روڈ پر مڑ گیا۔ جہاں سیور فوڈ سے آگے کرنل مقبول کے امام باڑے تک صفیں بچھی ہوئی تھیں کہا جاسکتا ہے کہ لیاقت باغ کے ہر اطراف تین کلومیٹر تک انسانی سر ہی سر دیکھائی دیتے تھے۔

ان میں بوڑھے، بچے اور جوان سبھی شامل تھے۔ اکثریت صحیح العقیدہ اہل سنت بریلوی کی تھی، ان کے علاوہ ہجوم میں دیوبندی، اہلحدیث کا کوئی امتیاز تو تھا ہی نہیں۔ یہاں تو مذہبی اور غیر مذہبی کی بھی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ کلین شیوڈ ٹائی اور کورٹ پہنے ہزاروں افراد بھی موجود تھے اور جینز شرٹ میں بالوں اور داڑھی کے عجیب ڈیزائن بنائے کھلنڈرے بھی موجود تگھے۔ پولیس کی وردیاں پہننے سینکڑوں اہلکار بھی صفوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وکلاء بھی کالے کوٹوں میں ملبوس موجود تھے۔ اور تو اور میڈیا کے مکمل بلیک آؤٹ کے باوجود درجنوں رپورٹرز، کیمرہ مین اور فوٹو گرافر بغیر کیمروں کے موجود تھے۔ اور تو اور میڈیا کے مکمل بلیک آؤٹ کے باوجود درجنوں رپورٹرز، کیمرہ میں اور فوٹو گرافر بغیر کیمروں کے موجود تھا۔ یہاں تک کے اخبارات اور چینلز کے دفاتر کے اندر کام کرنے والے عملے کی بھی بڑی تعداد موجود تھی۔ یہ عوام کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہی نہ تھا، یہاں موجود ہر شخص کا سینہ بھی جذبا تگ کا خزینہ تھا۔ ایسے جذبات کو جو اس سے پہلے سنی نہ دیکھے، بلکہ جن کا گمان تک نہ کیا جاسکتا تھا۔ ممتاز قادری کے حق میں نعرے لگانے والے پیس اہلکاروں کا تذکرہ تو پہلے کر آیا

ہوں۔لیکن مجھے میں نون لیگ کا ایک نومنتخب ناظم فٹ پاتھ پر چڑھ کر نواز شریف اور شہباز شریف کے خلاف نعرے لگوا رہا تھا۔

گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک سزا

سر تن سے جدا، سر تن سے جدا

کی صدا ہر سمت سے بلند ہو رہی تھی۔

جنازے میں نوٹ کی گئی ایک خاص بات یہ تھی کہ اس میں شریک ہونے والوں میں کئی سیاسی اور مذہبی جماعتوں کی ایک قیادت بھی شامل تھی۔جس میں خود نون لیگ کے کئی سنیئر ورکرز بھی شامل تھے۔لیکن کسی بھی لیڈر نے پروٹوکول اور روایتی کروفر کا مظاہرہ نہیں کیا۔سیاسی اور مذہبی رہنماؤں میں سے کسی نے بھی سٹیج پر جانے کی کوشش نہیں کی۔سب کے سب نے عوام میں شامل ہو کر نماز جنازہ ادا کی۔جماعت مودودی کے امیر سراج الحق صاحب بھی تھے۔اور انہوں نے بھی سڑک پر کھڑے ہو کر نماز جنازہ ادا کی۔نماز جنازہ کے اختتام پر جب لوگ واپسی کے لیے نکلنا شروع ہوئے تو بلکل حج کے موقعہ پر عرفات سے روانگی کا سا منظر تھا۔لاکھوں افراد کا مجمع حکومت اور اُس کے مغربی آقاؤں کو یہ پیغام دے گیا کہ پاکستان رحمت للعالمین سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کا ملک ہے۔یہاں تم میڈیا کے زور پر لاکھ ملالہ اور جیسے جعلی ہیرو بنا ڈالو۔یہ قوم انہیں جوتے کی نوک پر رکھتی ہے۔اس قوم کا اصلی ہیرو غازی ممتاز قادری جیسا غیرت مند ہے۔

عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ممتاز حسین قادری کا سفرآخرت

مفتی منیب الرحمن

فیض احمد فیضؔ نے کہا تھا:

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا، وہ شان سلامت رہتی ہے

یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی تو کوئی بات نہیں

یہی بات اہل عزیمت کے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے انداز میں کہی تھی کہ ''ہمارے اہل بدعت کے مؤقف اور مقام کا فرق جنازوں سے واضح ہو جائے گا۔'' منگل یکم مارچ ۲۰۱۶ء کو جنازے نے فیصلہ کر دیا کہ پاکستان کی سرزمین پر چشم فلک نے اس سے بڑا جنازہ شاید ہی کبھی دیکھا ہو۔ کئی کلومیٹر پر پھیلے ہوئے نماز جنازہ کے شرکاء کی قطعی تعداد کا صحیح تخمینہ لگانا دشوار ہوگا لیکن اگر کسی اجتماع کو ملین قرار دیا جا سکتا ہے تو یہ اجتماع یقینا دو ڈھائی ملین سے کم نہیں ہوگا۔ جبکہ سب کو معلوم ہے کہ نماز جنازہ کی صفوں میں فاصلہ نہیں ہوتا۔ انگریزی محاورے کے مطابق لوگ Neck to Neck کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ سب لوگ ملک کے گوشے گوشے سے اپنی قلبی انگیخت، ایمانی تقاضے اور حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جذبے سے سرشار ہوکر آئے تھے۔ ہر ایک سے جیسے بن پڑا، بے اختیار چل پڑا اور اس سعادت سے فیض یاب ہوا۔ لوگوں نے ایسے جنازے میں شرکت کو اپنے لئے وسیلہ شفاعت ونجات سمجھا۔

میڈیا کی دوعملی بھی عیاں ہوئی اور پہلی بار پیمرا بھی متحرک نظر آیا۔ ہمارے شہسوارانِ صحافت ہمیشہ دعویٰ کرتے رہتے ہیں کہ ہم تو آئینہ دکھاتے ہیں، جو ہے وہ نظر

آتا ہے، اگر کسی کو برا نظر آئے تو ہمیں کوسنے کے بجائے اسے اپنا ہی چہرہ نوچ لینا چاہئے۔ ہم کہتے ہیں کہ جو آپ کا دل چاہتا ہے، وہ آپ دکھاتے ہیں۔ میڈیا سراسر کاروبار ہے۔ الا ماشاء اللہ، جسے اللہ تعالیٰ استقامت بخشے اور سچ دکھانے، سچ بیان کرنے اور سچ بولنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کوئی من چلا شخص بجلی کے پول پر چڑھ جائے تو اس منظر کو ۲۵ چینل نان سٹاپ لائیو نشر کرتے ہیں، جبکہ ایک عاشق رسول ﷺ کا جنازہ ہو تو ان کے کیمرے اندھے بن جاتے ہیں، ان کی زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں اور ان کے قلم ٹوٹ جاتے ہیں۔ کیا یہ انصاف ہے؟

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مخالفین کو اہل بدعت سے تعبیر کیا تھا۔ وہ معتزلہ تھے، جو وحی ربانی کو عقل کی سان پر چڑھا کر دین کی من پسند تاویلات کرتے تھے۔ یہ تاریخ اسلام کے پہلے عقلیت پسند (Rationalist) تھے۔ آج کل کے لبرل، مادر پدر، آزاد، دین بیزار، تجدد پسند اسلامک سکالرز اور نام نہاد مفکرین انہی کی معنوی اولاد اور ان کا جدید ایڈیشن ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ، یہ تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے، ان کی دلی آرزو تو یہ ہے کہ تمہیں تکلیف میں مبتلا دیکھیں، بغض تو ان کی باتوں سے عیاں ہو چکا ہے اور جو نفرت وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں، وہ اس سے کئی درجے زیادہ ہے۔'' (آل عمران: ۱۱۸)

عدالت نے قانونی موشگافیوں کا سہارا لیا۔ قانون انسانوں کے لئے ہوتا ہے، انسان قانون کے لئے نہیں ہوتا۔ ہر سانس میں جمہوریت کا راگ الاپنے والے جمہور کے عقائد و نظریات اور جذبات سے کھیل کر لطف اندوز ہوتے ہیں عدالت نے دفاع کے وکلاء جو کہ عدالت عالیہ کے ریٹائرڈ جج تھے، کو پورے طریقے سے سنا ہی نہیں، نہ ہی ان کے مؤقف اور دلائل کو فیصلے کا حصہ بنایا۔ ایسا لگتا ہے کہ سب کچھ پہلے سے طے تھا۔ یہ بات تو

دہرائی جاتی رہی کہ توہین رسالت نہیں کی، قانون کی توہین کی ہے اور اسے کالا قانون کہا ہے۔تو سوال یہ ہے کہ قانون اگر شریعت کے مطابق ہو اور اس کی توہین کی جائے تو یہی تو شریعت کی توہین ہے اور اگر قانون شریعت تحفظ ناموس رسالت سے متعلق ہو، تو یہ بالواسطہ توہین رسالت نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور جو شخص ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور اہل ایمان کی (اجماعی) راہ کو چھوڑ کر کسی اور راہ پر چل پڑے گا، ہم اسے اسی کی اختیار کی ہوئی راہ پر پھیر دیں گے اور اسے جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ نہایت ہی برا ٹھکانہ ہے۔'' (النساء:۱۵)۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ میری امت کو ضلالت پر جمع نہیں فرمائے گا، اللہ تعالیٰ کا دست تائید جماعت کو حاصل ہے، جو شخص امت کی اجماعی راہ سے الگ ہوا وہ جہنم میں گرا۔'' (سنن ترمذی:۱۶۷)

حکومتِ وقت نے شب خون مارا اور رات ایک بجے ممتاز حسین قادری شہید کی سزائے موت کو نافذ کرنے کا فیصلہ کیا۔کیا کسی دہشت گرد کے ساتھ بھی ایسا سلوک روا رکھا گیا ہے؟ یہ ان حکمرانوں کی بدنصیبی ہے اور انہوں نے اس کا ارتکاب کر کے اپنے زوال کی پہلی اینٹ خود ہی رکھ دی ہے۔کیا علامہ محمد اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح جب غازی علم الدین شہید کا مقدمہ لڑ رہے تھے، تو وہ ایک قاتل اور دہشت گرد کا مقدمہ لڑ رہے تھے یا عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا؟ کیا وہ جذباتی اور مذہبی جنونی تھے یا انہیں محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبے نے یہ سعادت بخشی؟ جج نے تو وہاں بھی قانون کی آڑ لی تھی اور انصاف کو قتل کر دیا تھا۔یہاں میں یہ بات بھی ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں کہ وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف اور ان کے نمائندوں نے بعض علمائے اہل سنت سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ممتاز حسین قادری کو سزائے موت نہیں دی جائے گی اور ہم اس معاملے کو معرض التواء میں ڈال دیں گے، لیکن ان کا یہ قول و قرار بھی جھوٹ ثابت ہوا۔

حکمرانوں سے ہمارا سوال ہے کہ اہانت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جن مجرموں کو

سزائے موت ہوئی ہے، کیا ان میں جرأت ہے کہ انہیں بھی تختہ دار پر لٹکائیں۔ ایک عاشق رسول کو تو امریکہ و اہل مغرب اور ملک کے اندران کے ایجنٹوں کو خوش کرنے کے لئے تختہ دار پر لٹکا دیا لیکن کیا ان میں ہمت ہے کہ گستاخان رسول کو بھی ان کے عبرت ناک انجام سے دو چار کریں۔ اسی طرح سپریم کورٹ آف پاکستان سے ہر پاکستانی مسلمان کا یہ سوال ہے کہ ہماری نام نہاد آزاد عدلیہ آسیہ مسیح کے کیس کو انجام تک کیوں نہیں پہنچا رہی؟ اسے کون سا خوف لاحق ہے اور کس کی خوشنودی مطلوب ہے؟ تاریخ کا یہ سوال ان پر قرض ہے اور انہیں سوچنا چاہیئے کہ تاریخ انہیں کس طبقے میں شمار کرے گی؟ جب توہین عدالت کا ڈراوا بھی ختم ہو جائے گا اور یہ لوگ عوام کے درمیان آئیں گے تو انہیں معلوم ہو گا کہ عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں کس نظر سے دیکھتے ہیں۔

تقریباً ڈھائی ملین کا اجتماع اگر بے قابو ہو جاتا یا بپھر جاتا یا ان کے جذبات کو مشتعل کیا جاتا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ صورت حال کیا رخ اختیار کرتی اور نہ جانے کتنی جانوں اور املاک کا نقصان ہو جاتا اور شر پسند اس میں گھس کر گھیراؤ جلاؤ اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیتے۔ اکابر اہلسنت نے دین حق اسلام مسلک حق اہل السنت والجماعت اور پاکستان کے بہترین مفاد میں نہ صرف اپنے جذبات کو قابو میں رکھا بلکہ عوام کو بھی برابر صبر کی تلقین کرتے رہے۔ ہم مسلسل امن و امان کی اپیل کرتے رہے، ہمارے بیانات سوشل میڈیا پر آج بھی موجود ہیں۔ قومی اور نجی املاک کی حرمتوں کی حفاظت کی تاکید کرتے رہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود ہیں اور لاکھوں شرکائے جنازہ کے شکر گزار ہیں کہ ان کے تعاون کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ہمیں امن و امان کے قیام میں سرخرو فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے ہم نہایت پر امن طریقے سے جنازے اور تدفین کے مراحل کو انجام تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔ مختلف مکاتب فکر اور طبقات کے جو عمائدین نماز جنازہ میں شریک ہوئے، ہم ان سب کے شکر گزار ہیں۔

راولپنڈی کے اہل دل اور اہل ثروت نے اپنی استطاعت کے مطابق شرکاء جنازہ کی خدمت کی اور انہیں سہولتیں فراہم کیں۔ ہم ان سب کے بھی شکر گزار ہیں اور یہ ان کے لئے بھی سعادت کی بات ہے، کیونکہ انہوں نے یہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں کیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ غازی ممتاز حسین شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے درجات کو اپنی بارگاہ میں بلند فرمائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس کی حفاظت کے لئے جو قربانی انہوں نے پیش کی، اسے بارگاہ رسالت میں شرف قبولیت نصیب ہو۔ مرحوم کے عزیز و اقربا اور تمام دکھی علماء مشائخ و عوام اہلسنت اور جملہ اہل اسلام کو صبر جمیل نصیب فرمائے اور اس پر انہیں اجر عطا فرمائے۔

ممتاز قادری کا شمار تو صحابہ کرام اور بعد کے ادوار کی ان عظیم ہستیوں کی صف میں ہوتا جو ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہو کر شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے اور جنہوں نے وقتاً فوقتاً شاتمانِ رسول کو ان کے عبرتناک انجام سے دوچار کیا۔

(روزنامہ دنیا 5 مارچ 2016ء)

باب: چہارم

انٹرویوز

وکلاء ممتاز قادری کے انٹرویوز
ملک وحید انجم
جاوید سلیم شورش
سید واجد گیلانی
وکیل ممتاز قادری، جسٹس (ر) میاں نذیر اختر کا انٹرویو
ممتاز قادری کے بھائی کا انٹرویو
غازی کی کہانی چچا کی زبانی

وکلاء غازی ممتاز شہید کے انٹرویو

ملک وحید انجم ایڈووکیٹ

(صدر راولپنڈی ڈسٹرکٹ بار، وکیل غازی ممتاز قادری)

سوال: جمعرات کو انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت نمبر ایک کے جج نے گورنر پنجاب کے قتل کے الزام میں گرفتار ایلیٹ فورس کے کمانڈو ممتاز قادری کو پانچ روزہ جسمانی ریمانڈ پر بھیجنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ آپ نے اور آپ کی بار نے عدالت کو اسلام آباد منتقل نہیں ہونے دیا؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ اس ملک کا آئین اور قانون ہے۔ وکلاء کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قانون کے مطابق، عدالتوں کی معاونت کریں۔ ٹیررازم ایکٹ 1997 دہشت گردی کے انسداد کا قانون ہے۔ اس کی پرویژن 15 کی ذیلی شق 2 کے تحت صوبائی و وفاقی حکومتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی مقدمے کو کسی عام جگہ سے کسی دوسری جگہ منتقل کریں۔ یہاں پر لفظ مقدمہ (ٹرائل) استعمال کیا گیا ہے اور ریمانڈ یا ضمانت کی درخواست کا کوئی ذکر نہیں ہے لہٰذا کوئی بھی ایسا حکم نامہ جو مقدمے سے ہٹ کر ہو گا وہ غیر قانونی ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے عدالت کو یہ درخواست دی ہے کہ جناب عالی، چیف کمشنر اسلام آباد نے عدالت کی منتقلی کا جو حکم نامہ جاری کیا ہے وہ غیر قانونی ہے۔ اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ حکم نامہ بنیادی قانون کی خلاف ورزی ہے۔ اس پر عدالت نے ہماری درخواست کو منظور کر لیا اور پولیس کو حکم دیا کہ اسی عدالت میں ممتاز قادری کو پیش کیا جائے لہٰذا یہ کہنا کہ ہم نے عدالت کو

روکا، یہ صرف پراپیگنڈا ہے۔ ہم نے عدالت کا کوئی گھیراؤ نہیں کیا۔ اس معاملے کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ اس میں سب کو دلچسپی ہے لہٰذا گھیراؤ کی بات بالکل جھوٹ ہے۔

سوال: قتل کے اس مقدمے کو ایک سازش قرار دیا جا رہا ہے اور سیاسی رنگ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے؟

جواب: مخالفین اسے سیاسی رنگ دینے کی کوشش اس لئے کر رہے ہیں کہ لوگوں کو گمراہ کر سکیں۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سلمان تاثیر کو ناموسِ رسالت کے قانون کو برا بھلا کہنے اور توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے قتل نہیں کیا گیا ہے۔ ہر حکومت کے اپنے مقاصد ہوتے ہیں اور وہ ان مقاصد کو پورا کرانا چاہتی ہیں لہٰذا ہم ان کو اس مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ اصل مسئلہ تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔

سوال: عدالت میں پانچ سو وکلاء کا وکالت نامہ پیش کیا گیا ہے۔ کیا عدالت ان تمام وکلاء کو بحث کا موقع دینے کی پابند ہے یا پھر چند ایک کو موقع دے گی؟

جواب: ہر ملزم کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقدمے کے لئے جتنے وکیل چاہے، کر سکتا ہے، لیکن بحث صرف ایک وکیل کر سکتا ہے یا پھر عدالت جس وکیل سے بات کرنا چاہے، تو اسے اجازت دے۔

سوال: کیا ملک ممتاز قادری نے شکایت کی ہے کہ ان پر دورانِ حراست تشدد کیا گیا ہے۔ پولیس ریمانڈ کے دوران مجرم سے کیسا سلوک کرنے کی پابند ہے؟

جواب: انہیں سونے نہیں دیا گیا۔ الیکٹرک شاک لگائے گئے۔ کھانا نہیں کھانے دیا گیا جبکہ ریمانڈ صرف پوچھ گچھ کے لئے ہوتا ہے۔ یہ انتہائی ظلم ہے کہ پولیس اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کر کے تشدد شروع کر دیتی ہے۔ سونے نہیں دیتی، کھانا کھانے نہیں دیتی، مار پیٹ کرتی ہے۔ بجلی کے شاک لگانے کی سزا کے بارے میں تو میں نے پہلی مرتبہ سنا ہے۔ گوانتاناموبے میں قیدیوں کے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے کہ انہیں بجلی کے جھٹکے دیئے جاتے

ہیں۔ وہی سلوک پاکستان کی جیل میں ممتاز قادری کے ساتھ ہو رہا ہے۔ پولیس بالکل بھی ایسا نہیں کر سکتی اور یہ تعزیرات پاکستان کے تحت سنگین جرم ہے۔

سوال: ممتاز قادری کے مقدمے کو ضلعی عدالت سے لے کر آپ کہاں تک لے جا سکتے ہیں؟

جواب: میں الحمدللہ سپریم کورٹ پاکستان کا وکیل ہوں اور میری مہارت قتل کے مقدمات میں ہے۔ میں ان ملزمان کی وکالت کرتا ہوں جن پر ایسے الزامات ہوتے ہیں۔ انتہائی ہائی پروفائل قتل کے کیسز بھی میں نے لڑے ہیں۔ بے نظیر قتل کیس میں، میں سعود عزیز کا وکیل ہوں۔ اسی طرح جو ایرانی مرڈر کیس ہوا تھا، اس میں، میں ملزمان کا وکیل تھا۔ یہ بھی ہائی پروفائل مرڈر کیس تھا۔ ان شا اللہ میں سپریم کورٹ تک جاؤں گا۔

سوال: ممتاز قادری نے عدالت میں یہ بیان دیا ہے کہ مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے لیکن کیا انہوں نے وکلاء کے وکالت نامے پر دستخط کئے ہیں؟

جواب: الحمدللہ! انہوں نے نہ صرف وکالت نامے پر دستخط کئے ہیں بلکہ ہائیکورٹ کے لئے بھی انہوں نے وکالت نامے پر دستخط کر دیئے ہیں اور مجھے وکیل مقرر کیا ہے۔ جب عدالت میں، میں نے یہ درخواست کی کہ مجھے وقت دیا جائے کہ مجھے اپنے مؤکل سے بات کرنی ہے تو پھر مجھے جج صاحب نے 20 منٹ دیئے اور میں نے تنہائی میں ان سے بات کی۔

سوال: انہوں نے اپنی گفتگو میں آپ کو کیا بتایا؟

جواب: جو باتیں میں میڈیا کو بتا سکتا تھا، بتا دیں۔ باقی باتیں ایک وکیل کے پاس، اس کے مؤکل کی امانت ہیں۔ ممتاز قادری مجھے پہلے سے جانتے ہیں۔ میں اسی شہر میں رہتا ہوں۔ وہ پولیس میں رہے ہیں اور جانتے ہیں کہ میں کس درجے کا وکیل ہوں۔ انہیں مجھ پر اعتماد ہے۔ انہوں نے اس پر بڑی خوشی کا اظہار کیا جب میں نے انہیں یہ بتایا کہ بار ایسوسی

ایشن نے مجھے ان کے مقدمے کے دفاع کے لئے نامزد کیا ہے۔

سوال: قید میں کیا بیت رہی ہے؟

جواب: عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ تشدد، کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہوتا، جنہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہو، ان کے لئے یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ انتہائی بلند حوصلے والے شخص ہیں۔ وہ ہر وقت درود پاک کا ورد کرتے رہتے ہیں۔ عدالت میں بھی وہ درود پاک کا ورد کر رہے تھے۔ ان کے چہرے پر ایک خاص قسم کا نور تھا۔ آپ میری بات پر یقین کریں کہ جب ممتاز قادری عدالت میں آنے لگے تو ایک خاص قسم کی خوشبو عدالت میں پھیل گئی۔ یہ خوشبو نہ صرف میں نے محسوس کی بلکہ میرے ساتھ جو دوسرے وکلاء تھے، انہوں نے بھی اسے محسوس کیا۔

ایک بہت اہم بات یہ کہ حضرت قائداعظم نے غازی علم الدین شہید کی وکالت کی تھی اور انہوں نے بھی ایک ہندو کو توہین رسالت پر قتل کیا تھا لہٰذا اگر کوئی یہ کہے کہ اپنے مسلمان بھائی کا یا کسی بھی ملزم کا دفاع کرنا غلط ہے تو اس سے پہلے انہیں قائداعظم کے بارے میں بھی لوگوں کو بتانا پڑے گا کہ انہوں نے بھی غلط کیا تھا۔ ہمارے پاس اس ملک کے بانی کی نظیر موجود ہے جس کی ہم تقلید کر رہے ہیں اور ان شا آاللہ ہم کامیاب ہوں گے۔

سوال: آپ نے ملک ممتاز قادری کا وکیل بننے کا فیصلہ کیوں کیا؟

جواب: میں نے یہ شرف حاصل کیا ہے کہ میں ملک ممتاز قادری کا وکیل بنوں۔ میں خود عاشق رسول ہوں۔ میری...... اور میرے ساتھی وکلاء کی خواہش تھی کہ راولپنڈی بار ممتاز قادری کا مقدمہ لڑے۔ بطور صدر راولپنڈی بار ایسوسی ایشن یہ میرا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے جو میں انجام دینے جا رہا ہوں۔ مجھے اس پر فخر ہے۔

جاوید سلیم شورش ایڈووکیٹ

(تحفظ ناموس رسالت لائرز فورم)

سوال: ممتاز قادری نے یہ اعتراف کرلیا ہے کہ انہوں نے گورنر پنجاب کو قتل کیا ہے جبکہ آپ نے ان کا مقدمہ لڑنے کا فیصلہ کیا ہے تو کس حد تک امکان ہے کہ ممتاز قادری کو پھانسی کی سزا نہیں ہوگی؟

جواب: ملک ممتاز قادری کے حوالے سے جو تفصیلات اخبارات میں آئی ہیں، ان کا ایسا کوئی بیان ابھی تک عدالت میں نہیں ہے جس کی بنیاد پر سزا کا تعین کیا جا سکے۔ اگر عدالت سے باہر کوئی شخص اعتراف جرم کرتا ہے تو اسے اقبالِ جرم تصور نہیں کیا جا سکتا، تاوقتیکہ وہ کسی مجسٹریٹ کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کرے اور با قاعدہ بیان ریکارڈ کروائے تو پھر یہ تصور کیا جائے گا کہ اس نے اقبال جرم کیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو واقعہ پیش آیا ہے اگر ہم اس کے محرکات کا جائزہ لیں تو سلمان تاثیر گورنر پنجاب کے ایک ذمہ دار عہدے پر فائز تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انہیں اس طرح کے بیانات نہیں دینے چاہئے تھے، کیونکہ ذمہ دار شخصیت کی گفتگو سے بھی ذمہ داری عیاں ہونی چاہئے۔295۔سی کے قانون کے تحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرنے والے کی سزا ''سزائے موت'' ہے اور اس قانون کو پارلیمنٹ نے با قاعدہ منظور کیا ہے۔ یہ قانون اس وقت ملک میں نافذ العمل ہے۔

اگر کوئی اس قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے اور توہین رسالت کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ خود گورنر ہو یا صدر مملکت یا کوئی عام آدمی، وہ اس سزا کا مستوجب ہوگا۔ گورنر صاحب

نے اس پر بیانات دیئے جو اخبارات اور ٹی وی پر آئے۔ انہوں نے اسے کالا قانون قرار دیا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ ایک ظالمانہ قانون ہے۔ ان کا یہ عمل پاکستان پینل کوڈ کی دفعہ 295۔سی کی خلاف ورزی ہے، جرم کا ارتکاب ہے۔ ان کے خلاف ان بیانات پر قانونی کارروائی ہونی چاہئے تھی، جو نہیں کی گئی۔ اس کے نتیجے میں ممتاز حسین قادری نے اسے اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہوئے اور انہیں توہین رسالت کا مرتکب اور گستاخ رسول سمجھتے ہوئے یہ اقدام کیا۔ اس پر ان کو وہی سزا نہیں دی جاسکتی جو 302 کے تحت عام حالات میں دی جاتی ہے۔ اگر قتل اضطراری حالت میں فوری اشتعال کی کیفیت میں یا مذہبی جوش وجذبے کے تحت ہو تو ایسی کیفیت میں سزا کی تخفیف ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ قادری صاحب کو 302 کے تحت سزا نہیں سنائی جاسکتی۔

سوال: ممتاز قادری کو کتنی سزا مل سکتی ہے؟

جواب: یہ فیصلہ تو جج کو کرنا ہے۔ ہم بحیثیت ایڈووکیٹ کسی شخص کو اگر اس نے جرم کیا بھی ہو تو قانون کے اندر جو رعایت اس کے لئے ہے، جو تحفظات اسے حاصل ہیں ان کے تحت ہم اس کا دفاع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دیگر عام مقدمات کی طرح جو قانونی تحفظات اسے حاصل ہیں، انکے تحت ہم ممتاز قادری کا دفاع کریں گے لیکن اصل فیصلہ ججوں کو کرنا ہے جو اس مقدمے کی سماعت کریں گے۔ وکیل کا کام تو مقدمہ لڑنا ہوتا ہے۔ ہم ان شا آاللہ بھرپور طریقے سے مقدمہ لڑیں گے۔

سوال: جمعرات کو انہیں دہشت گردی کی عدالت میں لے جایا گیا، جبکہ وکلاء کا دعویٰ ہے کہ یہ واقعہ دہشت گردی نہیں ہے؟

جواب: ہمارا یہ دعویٰ اس لئے ہے کہ 1780 ایکٹ جو دہشت گردی سے متعلق ہے، اس کے مطابق اگر کوئی شخص بم دھماکہ کرتا ہے اور اجتماعی طور پر ایسا عمل کرتا ہے جس سے بڑے علاقے میں خوف پھیلے تو وہ دہشت گردی ہے لیکن ممتاز قادری کے عمل سے زیادہ سے زیادہ

302 کی دفعہ کا اطلاق ہوسکتا ہے۔دہشت گردی کے معاملات اس واقعے میں نہیں پائے جاتے کہ ان پر اس ایکٹ کا اطلاق ہو۔اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ جب بھی متعلقہ عدالت میں ممتاز قادری کو پیش کیا گیا تو جج کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس معاملے کو دہشت گردی قرار نہ دے۔

سوال: اسلام آباد بار نے ممتاز قادری کا مقدمہ لڑنے کا فیصلہ کیسے کیا؟

جواب: اسلام آباد کے تحفظ ناموس رسالت لائرز ونگ نے بدھ کو ایک قرارداد منظور کی جس پر 200 وکلاء کے دستخط تھے۔ان کا کہنا تھا کہ ملک ممتاز حسین قادری نے ایک نیک مقصد کے لئے قربانی دی ہے۔اس وجہ سے ہم اسے مفت قانونی مدد فراہم کریں گے۔ بحیثیت مسلمان، ہم پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت وناموس کے تحفظ کے لئے جو کچھ کر سکتے ہیں، وہ خدمات پیش کریں۔دوسری جانب یہ بات بھی ریکارڈ پر ہے کہ گورنر پنجاب سلمان تاثیر ملعونہ آسیہ سے ملنے کے لئے گئے اور انہوں نے یہ بیان دیا کہ توہین رسالت کا جو قانون ہے وہ ''کالا قانون'' ہے اور ظالمانہ قانون کو تبدیل کرانے کے لئے میں پوری کوشش کروں گا۔اس پر ان کے خلاف اسلام آباد میں باقاعدہ قرارداد منظور ہوئی جس میں سلمان تاثیر کے بیان کی مذمت کی گئی اور اسلام آباد بار میں سلمان تاثیر، عاصمہ جہانگیر اور شیری رحمن کے داخلے پر پابندی لگا دی گئی، جواب تک جاری ہے۔ ان کے بیانات کو بار نے بھی توہین رسالت قرار دیا تھا کیونکہ یہ ہمارے بھی ایمان کے بنیادی تقاضے میں شامل ہے۔

سید واجد گیلانی

(صدر اسلام آباد بار)

سوال: آپ کے بار کے وکلاء نے یہ فیصلہ کیوں کیا کہ وہ ممتاز قادری کا مقدمہ مفت لڑیں گے؟

جواب: کل جب گورنر پنجاب سلمان تاثیر کو قتل کرنے والے ملک ممتاز قادری اسلام آباد کی عدالت میں آئے تو وکلاء نے ان کا مقدمہ لڑنے کا فیصلہ کیا۔ یہ قتل بھی گورنر پنجاب کے اس بیان پر ہوا جو انہوں نے توہین رسالت کی سزا پانے والی آسیہ کے سامنے دیا، جس حساس عہدے پر وہ بیٹھے تھے انہیں اس کی نزاکت کا خیال رکھنا چاہئے تھا۔ سلمان تاثیر کا علم اس معاملے میں اگر کم تھا تو ان کو چاہئے تھا کہ وہ اس بارے میں علماء سے پوچھتے کہ مجھے کیا بیان دینا چاہئے۔ مشاورت اسی لئے ہوتی ہے، انہیں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے تھا کہ اس مسئلے پر لوگوں کے جذبات مجروح ہوں گے۔ گورنر پنجاب نے ایسا متنازعہ بیان دیا اور پھر اس پر ڈٹ گئے۔ گورنر پنجاب کے بیانات سے پھیلنے والے اشتعال کے سبب ہی ان کے گارڈ نے انہیں قتل کر دیا۔ ملک ممتاز قادری کو یہ قانونی حق حاصل ہے کہ وہ اپنا وکیل مقرر کریں۔ وکلاء اپنی مفت خدمات خود بھی انہیں دے سکتے ہیں۔ وہ ماضی میں بھی ایسا کرتے رہے ہیں اور بطور مسلمان ہم یہ اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔

سوال: کیا ممتاز قادری پر دہشت گردی ایکٹ کے تحت مقدمہ چلانا درست ہوگا؟

جواب: 780-A کی دفعہ وہاں لگتی ہے جہاں خوف و ہراس پھیل جائے۔ اگر کوئی عام قتل ہوتا تو اس پر 780-A کا اطلاق نہیں ہوتا۔ 780-A ملک ممتاز قادری پر اس دلیل

کے تحت لگایا گیا ہے کہ اس نے گورنر پنجاب کو قتل کیا ہے جس سے پورے ملک میں دہشت پھیل گئی ہے لیکن ایف آئی آر کے مطابق 780-A کا اس معاملے پر اطلاق نہیں ہوتا۔ یہ میرا نکتہ نظر ہے۔ بصورت دیگر عدالت اس ضمن میں بہتر فیصلہ کرے گی کہ دہشت گردی کی شق لگائی جائے یا نہیں، ہمیں یہ معاملہ عدالت پر چھوڑ دینا چاہئے۔

(ماہنامہ العاقب، لاہور، جنوری 2011ء)

جسٹس (ر) میاں نذیر اختر کا انٹرویو

جسٹس (ر) میاں نذیر اختر ایک عشرے سے زیادہ تک لاہور ہائی کورٹ کے جج رہے ہیں۔اس سے پہلے پچیس سال تک وکالت سے وابستہ رہنے کے ساتھ ساتھ سولہ سال تک قانون کے استاد کے طور پر یونیورسٹی لاء کالج میں پڑھاتے رہے۔ ملک کے بڑے نامور وکلاء اور جج حضرات ان کے شاگرد رہ چکے ہیں۔جسٹس ریٹائرڈ میاں نذیر اختر دو سال پنجاب بیت المال کے امین رہنے کے علاوہ تین سال تک اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن بھی رہے ہیں۔ممتاز قادری کیس میں پہلے دن سے بطور وکیل منسلک ہیں۔ممتاز قادری کیس کے حوالے سے ان سے کی گئی گفتگو نذرِ قارئین ہے۔

سوال: جسٹس صاحب، ممتاز قادری کیس کے حوالے سے عمومی تاثر یہ بنا ہے کہ یہ قانون کی بالادستی کا معاملہ ہے۔اعلیٰ عدالت میں ایک عشرے سے زیادہ عرصہ تک رہنے اور طویل مدت قانون کی تعلیم دینے کے باوجود آپ بھی اس کیس میں پیش ہوئے، جبکہ سابق چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ خواجہ محمد شریف نے بھی وکیل صفائی بننا قبول کرلیا، کیوں؟

جواب: میری رائے اس تاثر کے خلاف ہے جو میڈیا کے ذریعے بنایا گیا ہے۔ میری رائے میں اگر ملک میں واقعی قانون کی بالادستی ہوتی تو ممتاز قادری آج جیل میں ہوتا نہ اسے عدالتوں سے سزا ملتی، بلکہ وہ بری ہو چکا ہوتا۔ قانون کی حکمرانی کی بات کرنے والوں کو یہ سمجھ نہیں ہے کہ پاکستانی قانون میں اسلامی قانون بدرجہ اولیٰ شامل ہے۔افسوس کی بات یہ ہے کہ اس بات کو درست طور پر سمجھا ہی نہیں گیا۔عدالت میں جب ہم سے یہ سوال کیا گیا تو میں نے عرض کیا تھا کہ تمام جرائم کی بنیاد قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا ہوتا

ہے۔ ہر جرم کی بنیاد یہی چیز بنتی ہے لیکن اس کے باوجود ہر طرح کے جرائم میں ملوث ملزمان کو کم سے کم سزا دینے کی کوشش کی جاتی ہے یا انہیں بری کر دیا جاتا ہے۔ کسی کیس میں اس انداز فکر کی بنیاد پر فیصلہ کم ہی ہوتا ہے کہ یہ قانون کی بالادستی کا معاملہ ہے۔ عدالتوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جہاں سے بھی ملزم کو ریلیف مل سکتا ہو، اسے دبا دیا جائے۔ لیکن اس خاص مقدمے میں یہ معاملہ بالکل الٹ نظر آیا۔ اگر بطور ایک قانون دان میری رائے آپ جاننا چاہیں تو میں تو یہ کہوں گا کہ پاکستان کے قوانین کے مطابق سلمان تاثیر کا قتل کرنے کا قانونی اور شرعی جواز موجود تھا۔

سوال: وہ کیسے؟

جواب: قتل کے حوالے سے موجود واقعہ کو اسلامی قانون قصاص و دیت کی صورت میں ڈھالا گیا ہے۔ یہ دفعہ تعزیرات پاکستان کے باب سولہ میں موجود ہے۔ اس میں دفعہ 338 ایف ۔ت پ، میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ اس باب کے تحت تمام مقدمات میں قانون کے اطلاق اور اس کی تعبیر کے حوالے سے عدالتیں لازمی طور پر اسلامی قانون سے رہنمائی حاصل کریں گی یعنی قرآن وسنت کے احکامات کے مطابق پاکستانی عدالتیں فیصلے کریں گی۔

سوال: برصغیر کی تاریخ میں ایسے کیس کی ایک مثال غازی علم دین کی بھی تو ہے۔ آپ ان دونوں مقدمات میں کیا مماثلت اور فرق دیکھتے ہیں؟

جواب: غازی علم دین شہید کے حوالے سے کیس کا فیصلہ برطانوی قانون کے تحت غیر مسلم ججوں نے دیا تھا جبکہ ممتاز قادری کیس کا فیصلہ پاکستان میں رائج اسلامی قانون کے تحت مسلمان ججوں نے کرنا تھا۔ توقع تھی کہ ہمارے محترم جج صاحبان ملک میں نافذ العمل اسلامی قوانین اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں فیصلہ کریں گے کیونکہ اسلام میں شاتم رسول کو ختم کر دینا جائز ہے۔ میں نے عدالت کے سامنے اس مفہوم کی کم وبیش پندرہ احادیث

پیش کیں۔ ان میں سے پہلی یہ تھی کہ ''جو کوئی تعزیر میں حد کی مثل سزا دے وہ ظالموں میں سے ہے۔'' جج صاحبان نے جب یہ حدیث سنی تو مجھے کہا: ''آپ ہمیں ظالم قرار دے رہے ہیں؟'' میں نے کہا کہ یہ حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں۔ میں ان میں تبدیلی نہیں کر سکتا ہوں لیکن بعدازاں جب عدالت نے فیصلہ لکھا تو اس حدیث یا کسی دوسری پیش کردہ حدیث کا فیصلے میں ذکر تک نہیں کیا۔

سوال: یعنی احادیث کو اس مقدمے میں دو مرتبہ نظرانداز کیا گیا؟

جواب: جی ہاں! عملی طور پر ایسا ہی کیا گیا۔ جب قرآن وسنت کے حوالے عدالت کے سامنے پیش کئے گئے تو کہا گیا کہ یہ معاملہ وفاقی شرعی عدالت یا اسلامی نظریاتی کونسل کا ہے۔ یہ بات فیصلے کے پیرا نمبر دو میں لکھی گئی ہے۔ میری رائے میں یہ نکتہ قانوناً درست نہیں ہے، کیونکہ وفاقی شرعی عدالت اور اسلامی نظریاتی کونسل میں وہ معاملات لے جاتے ہیں، جن میں سے کسی موجود قانون کو اس بنا پر چیلنج کیا گیا ہو کہ وہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ جن قوانین کو پہلے سے اسلامی ڈھانچے میں ڈھالا جا چکا ہے۔ ان کے اطلاق اور تعبیر و تشریح کا حق ملک کی ہر متعلقہ عدالت کو حاصل ہے۔ یہ حق ٹرائل کورٹ سے لے کر سپریم کورٹ تک ہر عدالت کا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر یہی کیس سپریم کورٹ کے کسی دوسرے بنچ کے سامنے لایا گیا تو اس سے مختلف اور درست فیصلہ سامنے آ سکتا ہے۔

سوال: پاکستان میں قتل کے مقدمات ہر روز زیر سماعت ہوتے ہیں۔ آپ کے خیال میں قتل کے مقدمات میں عام طور پر جو عدالتی اپروچ بروئے کار ہوتی ہے، کیا وہ اس مقدمے میں نہیں تھی؟

جواب: ایک قانونی اور عدالتی اصطلاح ہے ''فیورٹ چائلڈ۔'' میں اس کا ترجمہ طفل پسندیدہ کے طور پر کرتا ہوں۔ اس کی روح یہ ہے کہ جرم سے نفرت تو جائز ہے، جرم کرنے والے سے نفرت مناسب نہیں۔ اسی وجہ سے کسی بھی مقدمے کو ملزم سے نفرت، تعصب یا

بغض کی بنیاد پر آگے نہیں بڑھایا جاتا۔ اگر کہیں ایسا کیا جائے تو اس پر شور ہوتا ہے، تنقید کی جاتی ہے کہ یہ عدالتی طریقے سے ہٹی ہوئی حرکت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عدالت میں ملزم کو یہ تسلی دی جاتی ہے کہ اس کے ساتھ زیادتی نہیں ہونے دی جائے گی۔ اس سارے عمل کو مبنی بر انصاف اور انسان دوستی پر محمول کیا جاتا ہے۔ یہ بھی عام عدالتی روایت ہے کہ جب کسی مقدمے میں موجود حقیقت کے دو مفاہیم نکلتے ہوں تو جو تعبیر یا مفہوم ملزم کے حق میں جاتا ہو، اسی کو اختیار کیا جاتا ہے، لیکن ممتاز قادری کے مقدمے میں پاکستان کی 65 سالہ عدالتی تاریخ اور روایت کے برعکس انداز اختیار کیا گیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عدالت کو ہر وہ بات زیادہ اپیل کرتی تھی جو استغاثے کے حق میں جاتی ہو۔ قانونی اور عدالتی مشاہدے یا تجربے میں اس طرح کی مثال اس سے پہلے کبھی نہیں آئی۔ عدالت نے اس کیس میں استغاثہ کو اپنے ''فیورٹ چائلڈ'' کے طور پر رکھا۔ اگر میرے اس نکتہ نظر پر کسی کو شبہ ہو تو وہ عدالتی فیصلے اور اس کیس کی پروسیڈنگ کے ریکارڈ پر نظر ڈال لے۔ ممتاز قادری کے خلاف سامنے آنے والا فیصلہ صاف طور پر ''پروپر اسیکیوشن'' فیصلہ ہے۔ اس طرح کے فیصلے کی پہلے شاید کوئی نظیر نہ ہو۔

سوال: اس مقدمے میں گواہوں کی تعداد کیا رہی اور انہیں پیش کرنے کا معاملہ کیسا رہا؟

جواب: ایک مسلمہ ضرورت ہوتی ہے کہ استغاثہ اپنے مقدمے کو ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ثابت کرے۔ استغاثہ کا فرض ہوتا ہے کہ وہ گواہوں خصوصاً عینی شاہدین کو پیش کرے۔ لیکن اس مقدمے میں عجیب بات ہوئی کہ ایک طرف ایلیٹ فورس کے انتیس گواہوں کو پیش نہیں کیا گیا اور دوسری طرف سلمان تاثیر کے دوست وقاص شیخ، جو ان کے ساتھ کھانا کھانے کے لئے ہوٹل گئے تھے اور آخری وقت تک ساتھ رہے، کو بھی بطور گواہ پیش نہیں کیا گیا۔ اس کے باوجود فیصلہ ممتاز قادری کے خلاف آ گیا ہے۔ واضح رہے کہ وقاص شیخ کو استغاثہ کی طرف سے پیش کئے گئے ابتدائی نقشے میں سلمان تاثیر کو گولی لگتے وقت صرف پانچ فٹ کے فاصلے پر پوائنٹ نمبر تین پر دکھایا گیا تھا۔

(روزنامہ امت، کراچی)

ملک ممتاز قادری کے بھائی

ملک دلپذیر اعوان

کی ایمان افروز گفتگو

سوال: آپ سلمان تاثیر کے قتل کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ کیونکہ اس وقت مختلف قیاس آرائیاں کی جا رہی ہیں۔ کچھ لوگ اس قتل کو مذہبی رنگ دے رہے ہیں جبکہ کچھ اسے سیاسی قتل قرار دے رہے ہیں۔ کیا آپ اس حقیقت سے پردہ اٹھانا چاہیں گے؟

جواب: حقیقت یہ ہے کہ میرے بھائی کا نہ کسی سیاسی جماعت سے تعلق تھا اور نہ ہی کسی مذہبی جماعت سے، لہٰذا یہ قتل نہ تو سیاسی ہے اور نہ کسی جماعت یا پارٹی کا، بلکہ یہ قتل ممتاز قادری کا انفرادی فعل، ایمانی عمل اور عاشقانہ رویہ ہے۔ اس کے پیچھے کسی جماعت یا تنظیم کا ہاتھ نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کام کے لئے اللہ نے میرے بھائی کا انتخاب کیا ہے۔ ہم چھ بھائی اور ہماری چار بہنیں ہیں اور اللہ معاف کرے، ہم باقی سب دنیادار زیادہ ہیں اور دین دار کم، جبکہ ملک ممتاز قادری سرکاری ملازم ہونے کے باوجود دین دار زیادہ تھا۔

سوال: کیا ممتاز قادری کا کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق بھی رہا ہے؟

جواب: کسی بزرگ سے باضابطہ تعلق تو نہیں تھا البتہ بزرگان دین کے ساتھ عقیدت و محبت ہم سب بہن بھائیوں سے زیادہ رکھتا تھا۔ میلاد شریف کا اہتمام باقاعدہ کرتا اور بزرگوں کے مزارات پر حاضری دیتا تھا۔

سوال: آپ کو اپنے بھائی کے اس فعل پر کوئی ندامت یا پریشانی؟

جواب: ہرگز نہیں۔ ہمیں تو اس بات پر فخر ہے کہ ہمارے بھائی نے یہ کارنامہ انجام دے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا عاشق ہونے کا ثبوت دیا۔

سوال: حکومت یا کسی پارٹی کے کارکنان کی طرف سے کیا آپ کو کوئی دھمکی وغیرہ ملی ہے؟

جواب: پی پی پی کی طرف سے ہمیں کسی قسم کی کوئی دھمکی موصول نہیں ہوئی اور نہ ہی ہمیں اس طرح کی امید ہے کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ پیپلز پارٹی والے بھی مسلمان ہیں البتہ حکومتی سطح پر شروع میں ہمیں گرفتار کیا گیا تھا۔ پوچھ گچھ کے بعد ہمیں چھوڑ دیا گیا۔ ہمارا ایک بھائی تا حال گرفتار ہے۔ اس کا نام ملک نصیر ہے۔ یہ بھی ایلیٹ فورس کا ملازم ہے۔ ہمیں امید ہے کہ پوچھ گچھ کے بعد اسے بھی رہا کر دیا جائے گا۔

سوال: کیا کسی مذہبی یا سیاسی جماعت نے باضابطہ آپ کی حمایت کا اعلان کیا ہے اور آپ کے ساتھ تعاون کا یقین دلایا ہے؟

جواب: جی ہاں! جماعت اہل سنت نے باقاعدہ ہماری ہر طرح حمایت کا اعلان کیا ہے اور سب سے پہلے انہوں نے آ کر ہماری حوصلہ افزائی کی۔ یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے گھرانے کا خرچہ، کیس کا خرچہ اور ممتاز قادری کے بچے کی تعلیم و تربیت کا خرچہ کا ذمہ اٹھایا ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار لوگ دینی و سیاسی جماعتوں کے ہماری حمایت کر رہے ہیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس مسئلے میں جو بھی ہمارے ساتھ تعاون کرے گا اس کی اپنی آخرت سنورے گی۔

سوال: مظفر گڑھ کے سابق تحصیل ناظم (ملک عباد ڈوگر) نے ملک ممتاز قادری کے لئے جس انعام کا اعلان کیا ہے کیا ان کی طرف سے آپ کو کوئی پیغام ملا ہے؟

جواب: ہم سے کسی نے کوئی رابطہ نہیں کیا۔ نہ ہی ہمیں اس طرح کا کوئی لالچ ہے کیونکہ ہمارے بھائی نے یہ کام اس لئے نہیں کیا کہ اسے بعد میں دنیا کمانے کا ذریعہ بنائیں گے۔

سوال: آپ عدالت سے کس قسم کے فیصلے کی توقع رکھتے ہیں؟ آپ کے خیال میں عدالت آپ کے بھائی کو بری کر دے گی یا اسے سزا سنائی جائے گی؟

جواب: ہمیں اُمید ہے کہ عدالت اس مسئلے پر ہمارے بھائی کے ساتھ انصاف کرے گی۔عدالت سے بڑھ کر ہمیں اللہ کی ذات پر بھروسہ ہے کہ وہ ہماری ضرور مدد کرے گا۔

سوال: آپ اپنے مسلمان بھائیوں کو کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟

جواب: ہمارا پیغام اپنے کلمہ گو بھائیوں کے لئے یہ ہے کہ ہم بھوکے رہ سکتے ہیں۔ پیاس برداشت کر سکتے ہیں۔گیس، بجلی اور دوسری بنیادی انسانی ضروریات کے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں لیکن ایمان و عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے، کیونکہ ایمان اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ایک مسلمان کا اصل سرمایہ ہے۔تمام مسلمان اپنے دل میں ایسا ہی جذبہ پیدا کریں تاکہ یہ سرمایہ ہمیں ہر چیز سے زیادہ عزیز ہو جائے۔(ضرب مومن ۲۱ تا ۲۷ جنوری ۲۰۱۱ء)

غازی کی کہانی چچا کی زبانی

6 مارچ بروز اتوار کی صبح شدید بارش میں بھیگتے ہوئے جب میں غازی ممتاز حسین شہید کے گھر پہنچا تو وہاں گھر کے سامنے ہی پراپرٹی آفس میں ممتاز شہید کے والد گرامی آنے والے دیگر مہمانوں کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ لوگ مسلسل اس واقعے کے ضمن میں حکومت کے خلاف شدید غم و غصے اور نفرت کا اظہار کر رہے تھے اور اس بات کا اظہار کر رہے تھے کہ جس طرح افغانستان میں طالبان نے تحریک کا آغاز کر کے حکومت وقت کے مظالم کا خاتمہ کرتے ہوئے اسلامی نظام کا نفاذ کیا تھا، پاکستان کے اندر بھی اسی طرح ہونا چاہئے اور مسلمانوں کو بیدار ہونا چاہئے۔

اس دوران غازی ممتاز قادری کے والد صاحب فرمانے لگے:

''غازی شہید نے آخری پیغام جو دیا تھا عام مسلمانوں اور علمائے کرام کے لئے وہ یہ تھا............

آپ لوگ میری فکر نہ کریں، مجھے اگر کچھ ہوا تو میرے بعد ان شاء اللہ دوسرے بہت سے غازی ممتاز پیدا ہو جائیں گے۔''

اسی اثناء میں دیگر مہمانوں کی آمد کے باعث میں وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور غازی شہید کے والد سے اجازت چاہی۔ انہوں نے انتہائی شفقت اور محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے رخصت کیا۔

باہر نکل کر غازی شہید کے چچا سے ملاقات ہوئی اور ان سے غازی شہید کے بارے میں گفتگو کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ گفتگو ہدیہ ناظرین ہے۔

سوال: غازی صاحب کی تعلیم کے بارے میں بتائیں؟

جواب: عصری تعلیم میٹرک تک حاصل کی اور دینی تعلیم باقاعدہ کسی مدرسہ سے حاصل نہ کرنے کے باوجود بھی دینی معاملات میں کافی گہری نظر رکھتے تھے۔

سوال: غازی صاحب کی عمر کیا تھی؟

جواب: تقریباً اٹھائیس سال کے قریب قریب تھے۔

سوال: غازی صاحب کے بھائیوں اور بہنوں کے بارے میں بتائیں؟

جواب: غازی صاحب کے علاوہ ان کے پانچ بھائی اور چار بہنیں ہیں۔ غازی صاحب سب سے چھوٹے اور لاڈلے تھے۔شادی بھی غازی صاحب کی سب سے آخر میں ہوئی تھی۔

سوال: غازی صاحب کے سسرال کے بارے میں بتائیں؟

جواب: غازی صاحب کا سسرال اٹھال، بہارہ کہو کے علاقے سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے سسر کا نام راجہ نفسی ہے اور غازی صاحب کے مزار کے قریب ہی ان کا گھر واقع ہے۔

سوال: غازی صاحب کی شادی سے متعلق کچھ بتائیں؟

جواب: میری غازی صاحب کے ساتھ چونکہ کافی بے تکلفی اور دوستانہ تعلق تھا، اس لئے ایک مرتبہ غازی صاحب نے مجھ سے کہا کہ اب میری عمر شادی والی ہوگئی ہے لیکن ابھی تک آپ لوگوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ کل خدانخواستہ کوئی مجھے اغوا کر کے لے گیا تو آپ لوگ کہیں گے کہ ممتاز کسی لڑکے کے ساتھ چلا گیا ہے۔ اس بات سے غازی صاحب کی زندہ دلی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

پھر انہوں نے کہا کہ میری شادی کے لئے تین شرائط ہیں۔

☆ میری مہندی کے موقع پر محفل نعت ہوگی۔

☆ شادی کے دوران گانے بجانے کا کوئی سلسلہ نہیں ہوگا۔

☆ بارات کے دوران درود وسلام کا ورد کرتے ہوئے بارات چلے گی۔

میں نے کہا کہ بیٹا! یہ سب کیسے ہوسکتا ہے؟ کیونکہ ہمارے خاندان میں تو عام دنیاداری والا رواج ہے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ اگر میری خوشی عزیز ہے تو آپ کو یہ سب کرنا ہوگا۔ میں نے کہا بیٹا! میں تمہارے والد سے بات کروں گا چنانچہ پھر غازی صاحب کی شادی اسی طرح ہوئی، جو دین کی سمجھ رکھنے والے لوگ تھے، انہوں نے تو خوشی کا اظہار کیا لیکن دوسرے لوگوں نے مختلف باتیں بنائیں۔

سوال: غازی صاحب کے مزاج کے بارے میں کچھ بتائیں؟

جواب: غازی صاحب نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھتے تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے بہت کچھ حاصل کیا تھا۔

☆ وہ محافل نعت میں شرکت کرتے اور وہاں نعتیں پڑھتے تھے

☆ سنت نبوی، عمامہ کا اہتمام کرتے تھے جس پر لوگ انہیں طعنے دیتے تھے لیکن وہ کوئی پروانہیں کرتے تھے۔

☆ جھوٹ سے انہیں شدید نفرت تھی۔ چنانچہ جب وکلاء نے یہ کہا کہ آپ بس یہ بیان دے دیں کہ میں نے یہ عمل جذبات میں کیا ہے تو ہم آپ کو بچالیں گے تو انہوں نے کہا کہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ میں اس وقت غیر حاضر دماغ تھا اور میں نے بلا سوچے سمجھے یہ عمل کیا ہے حالانکہ میں نے تو سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ گستاخ کو جہنم پہنچانا میری ذمہ داری تھی اور میں نے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا ہے۔

☆ وہ زندہ دل آدمی تھے اور لوگوں کو خوش رکھتے تھے۔ ان کا ''موٹو'' یہ تھا کہ ''کسی کا دل نہ دکھے۔''

☆ اکثر ان کی جیب میں ٹافیاں وغیرہ پڑی رہتی تھیں جو وہ بچوں کو خوش کرنے کے لئے دیتے رہتے تھے۔ بچوں کو گود میں اٹھاتے اور انہیں نعتیں سناتے۔ وہ رہتے بھی مشترکہ خاندانی نظام میں تھے۔

الغرض! وہ ایک متوسط زندگی گزارنے والے بہت بڑے انسان تھے۔

سوال: غازی صاحب کی اولاد کے بارے میں بتائیں؟

جواب: ان کا ایک پانچ سالہ بیٹا ہے "محمد علی رضا" اور وہ آج کل دینی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

سوال: آپ کے خیال میں واقعہ کی وجوہات کیا ہیں؟

جواب: وہ عاشقِ صادق تھے، اسی لئے اللہ پاک نے انہیں چنا ہے اور اللہ پاک نے ان کے مقدر میں یہ سعادت لکھ دی تھی۔ چنانچہ بڑے بڑے مشائخ آتے ہیں، آکر ہمارے دروازے کو چومتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غازی ہم سے آگے نکل گیا۔

سوال: کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟

جواب: میرا نام حاجی ضمیر احمد ہے اور میں عرصہ چھبیس سال تک سعودی عرب میں مقیم رہا ہوں۔

(غازی ممتاز حسین شہید۔ احمد۔ ادارہ المقصود)

باب: پنجم

ممتاز قادری اوراقِ صحافت میں

ناصحو، پند گرو، رہگذر تو دیکھو!	محمد عابد ضیائی
جنازوں کا فیصلہ	طارق اسماعیل ساگر
بات واضح ہو چکی	اوریا مقبول جان
جاتا ہوں میں حضور رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ میں	ڈاکٹر محمد اجمل نیازی
جانشینِ غازی علم الدین شہید	نوید مسعود ہاشمی
جانشین غازی علم الدین شہید ممتاز قادری	نوید مسعود ہاشمی
ممتاز قادری کا جنازہ اور "آزاد میڈیا" کی بے رخی	مصدق گھمن
عاشق کا جنازہ بڑی دھوم سے نکلا	سید مبشر الماس
عشق وفا کی سولی پر جھول گیا	سید مبشر الماس
ممتاز قادری شہید کی پھانسی	روزنامہ اوصاف کا اداریہ
ممتاز دو جہاں میں ممتاز ہو گیا	عمر فاروق
ممتاز قادری کی اوصاف سے محبت	ملک عمران
ملک ممتاز قادری اور نواز حکومت	میر افسر امان
ایک اور غازی شہید ہو گیا	محمد ناصر اقبال خان
آزاد میڈیا یا غلام	نوید مسعود ہاشمی
وہ اکیلا تختہ دار تک گیا	سید مبشر الماس
غازی علم الدین کا ہمسفر ممتاز قادری	میاں اشرف عاصمی
لیاقت باغ راولپنڈی قومی تاریخ کا امین	محمد ریاض اختر
ممتاز قادری، پاکستانی حکومت اور میڈیا	ایس ایم عرفان طاہر
ممتاز قادری کی شہادت میڈیا کی نظر میں	سید مطاہر علی زیدی

ناصحو، پند گرو، رہگذر تو دیکھو!

محمد عابد ضیائی

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ شان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ذرا سی لفظی و معنوی بے ادبی و گستاخی بھی غارت گر ایماں ہو سکتی ہے۔ ممتاز قادری شہید کے جنازے میں ذرائع ابلاغ کی طرف سے مکمل بلیک آؤٹ کے باوجود لاکھوں افراد کی پر جوش شرکت اپنے اندر صاحبان علم و دانش کے لئے اک جہان معنی سمیٹے ہوئے ہے۔ ذرائع ابلاغ پر پابندی عائد کرنے کا مشورہ دینے والے مشیران بھول گئے کہ اس کائنات میں ابلاغ کا ایک اور باطنی نظام بھی کارفرما ہے جو ان کے ذرائع ابلاغ سے زیادہ مؤثر و طاقتور ہے، جس کا مقابلہ وہ نہیں کر سکتے۔ یہ وہ نظام قدرت ہے کہ حق و صداقت کی بات اگر محبت و اخلاص کے ساتھ سرگوشی میں بھی کی جائے تو اللہ کے فرشتے اسے لے کر اکناف عالم میں نکلتے اور دلوں میں القا کرتے ہیں۔ سخت ترین پابندیوں اور تمام تر ابلیسی حربوں کے باوجود شمع رسالت کے لاکھوں پروانوں کا گھروں سے نکل کر شہید ناموس رسالت کے جنازہ میں شرکت کرنا اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے۔ جنازے میں تمام مسالک اور معاشرے کے تمام طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد اور خاص طور پر تعلیم یافتہ نوجوانوں کی بھرپور شرکت نے واضح کر دیا کہ وہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے پیروکار اور امن و سلامتی کے پیغامبر ہیں لیکن ان کی خموشی کو ان کی کمزوری پر محمول نہ کیا جائے عوام نے ثابت کر دیا کہ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے ان کی دینی عصبیت بھی کسی سے کم نہیں۔ وہ ناموس رسالت کے مسئلہ پر تمام تر مذہبی، سیاسی و لسانی اختلافات کے باوجود یک جان و یک زبان ہیں اور ممتاز قادری شہید

کے اقدام کی توثیق کرتے ہیں۔

دوسری جانب مذہبی جماعتوں اور دینی قیادتوں کا پھانسی سے قبل مقدمے کی کارروائی کے دوران اور بعدازاں جنازے سے پہلے کسی متفقہ لائحہ عمل پر نہ پہنچنا ان کی صفوں میں موجود داخلی انتشار اور منافقانہ رویوں کی غمازی کرتا ہے۔ ایوان ہائے اقتدار سے وابستہ بعض مذہبی شخصیات بھی اس موقع پر اپنی بے بسی ولاچارگی کے باعث حاسدین و ناقدین کے طعن و تشنیع کا ہدف بنی رہیں۔ نماز جنازہ میں تاخیر اور اس نازک موقع پر بعض دینی رہنماؤں کی اس حساس مسئلہ پر فتنہ انگیزی کی کوشش سے بھی اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ لقمۂ تر کی ہوس اور ذاتی و گروہی مفادات نے رہنماؤں کو باہم مل بیٹھ کر سوچ بچار کرنے اور اجتماعی فیصلہ سازی کی قوت وصلاحیت سے محروم کر دیا ہے۔ یہ بات البتہ باعث اطمینان ہے کہ اس نازک موقع پر بزرگ و محترم علماء کی رہنمائی میں عوام نے شرانگیزی کی کوششوں کو مکمل رد کرتے ہوئے تاریخی نظم وضبط کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ معاشی مفادات، ریاستی جبر اور کاروباری مصلحتوں کے شکار ذرائع ابلاغ کی طرف سے جنازے کی تقریب اور عوامی رد عمل کے مکمل بائیکاٹ اور شرمین عبید چنائے کو ملنے والے آسکر ایوارڈ کی تقریب سمیت غیر اہم مسائل کی بے جا کوریج نے حکومتی اداروں، سیاسی عمائدین، ارکان پارلیمان میڈیا مالکان اور ان کے زرخرید دانشوروں کی حریت فکر وعمل اور دیانت وامانت کا بھی پردہ چاک کر دیا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا کی بزدلانہ اور خودغرضانہ عدم موجودگی میں ہزاروں تعلیم یافتہ نوجوانوں کا ممتاز قادریؒ کی اچانک سزائے موت پر اظہار خیال اور جنازے کی وسیع پیمانے پر کوریج کے لیے سماجی میڈیا کا استعمال پیمرا اور اس کے غلام میڈیا پھر بھرپور عدم اعتماد اور متبادل ذرائع ابلاغ کی ابلاغی طاقت کو ظاہر کرتا ہے۔

ممتاز حسین قادری شہید کی پھانسی نے ہمارے معاشرہ میں موجود فکری وعملی تضادات اور منافقت کو بھی مزید نمایاں کر دیا ہے۔ ممتاز قادری اور سلیمان تاثیر دو الگ الگ کردار ہیں جو

ہمارے دو مختلف قسم کے دینی وسماجی رویوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اول الذکر کا تعلق ایک نچلے متوسط طبقہ سے ہے۔ وہ ایک دینی گھریلو ماحول اور عام تعلیمی اداروں میں، اپنی ثقافت و روایات کے ساتھ سختی سے جڑے اساتذہ کے زیر سایہ، زندگی کی بنیادی سہولتوں سے محروم انہی گلی محلوں میں پل کر جوان ہوا ہے۔ اس نے محلہ کی مسجد کے روایتی امام اور خطیب سے قرآن مجید پڑھا، ثنائے خواجہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلیقہ سیکھا اور دین کی بنیادی تعلیم و تربیت حاصل کی ہے۔ بزرگوں کا ادب اسے ورثہ میں ملا ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، اہل بیت اطہار اور اولیاء کرام سے عقیدت اس کی گھٹی میں پڑی ہے اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو اس کے خمیر میں رچی ہے۔ وہ خونی رشتوں اور روحانی نسبتوں کو بڑی اہمیت دیتا اور ان کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے پر یقین رکھتا ہے۔ وہ عزت و ناموس کا پاسدار، ملک وقوم کا وفادار اور آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتہائی عقیدت و محبت کی ڈور سے بندھا، ایک جانثار اور اسی معاشرے کا ایک جیتا جاگتا، ہوشیار و باخبر کردار ہے۔ محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اس کی کل متاع ہے، وہ معاشی محرومیوں، زندگی میں ناکامیوں اور سماج کی زیادتیوں سے گھبرا کر اپنے اسی آقا کی بارگاہ بیکس پناہ میں استغاثہ پیش کر کے سکون قلب محسوس حاصل کرتا ہے۔ اس کا ایمان ہے کہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان کی روح اور تعظیم و توقیر مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحفظ اس کا دینی وملی فریضہ ہے۔ وہ اس فرض کی ادائیگی میں موقع آنے پر کسی بھی گستاخ رسول کی جان لے سکتا اور اپنی جان قربان کر سکتا ہے۔ ایمان و یقین کی یہی وہ قوت محرکہ ہے جو اسے مسلح افواج، ملکی سلامتی کے اداروں اور دیگر محازوں پر دہشت گردوں اور دشمنان دین وملت کے خلاف صف آرا ہونے اور اپنی جان کی بازی لگانے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔

دوسری جانب وہ کردار ہے جو سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوتا، مغربی طرز کے جدید اور مہنگے ترین تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرتا اور اپنی دینی وملی اقتدار سے نامانوس یکسر مذہب

بے زار ماحول میں پروان چڑھتا ہے۔ مذہب اس کے نزدیک نجی معاملہ ہے۔ اسے بتایا اور پڑھایا گیا ہے کہ عقل انسانی وحی ربانی کی محتاج نہیں، انسان کے لیے مغربی طرز معیشت و معاشرت ہی بہترین ماڈل ہے۔ دین و مذہب اس کے نزدیک پنڈت و پروہت اور پیرو پادری کے کاروباری نسخے ہیں جو اس نے جاہل و پسماندہ افراد و اقوام کے استحصال کے لئے ایجاد کر رکھے ہیں۔ رشتوں کی تقدیس و حرمت پر مبنی مذہبی تعلیمات پر اصرار ایک دقیانوسی سوچ اور پسماندگی کی علامت ہے۔ ہر انسان کو آزادی رائے کا حق حاصل ہے۔ ریاست اور اس کے امور میں مذہب کا عمل دخل ترقی کی راہ میں رکاوٹ اور معاشرہ میں انتہا پسندی کے فروغ کا باعث ہے۔ اس لیے قومی ترقی اور اقوام عالم میں نمایاں مقام حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دستور پاکستان سے اسلامی دفعات کو نکال کر اسے از سر نو مدون کیا جائے۔ ہمارے معاشرہ کا یہ کردار مالی طور پر آسودہ، سیاسی طور پر بااختیار اور سماجی سطح پر انتہائی بارسوخ و باوقار طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ عالمی ادارے اس کے پشت پناہ اور ایوان ہائے اقتدار اس کی سیر گاہ ہیں۔ یہ اپنی بے پناہ دولت، سیاسی طاقت اور اثر و رسوخ کے باعث ذرائع ابلاغ، سیاسی و سماجی اداروں اور ملکی پالیسیوں پر اثر انداز ہونے کی بے پناہ صلاحیت کا حامل ہے۔ آئین شکنی سمیت بڑے سے بڑے جرم کا ارتکاب کر کے بھی یہ ہر قسم کی باز پرس، عدالتی چارہ جوئی اور قانون کے مطابق سزا سے بچ نکلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہوس دولت، جنسی تلذذ اور عقلیت پرستی پر مبنی مغربی سامراجی اقدار کی دلدادہ ایک معمولی اقلیت کا نمائندہ یہ سماجی و سیاسی کردار مکروہ پروپگنڈے کے جدید ہتھیاروں سے پوری طرح لیس اور سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی بھرپور اہلیت رکھتا ہے۔

ہمارا پورا معاشرہ فکری و عملی سطح پر ان دو انتہاؤں کے درمیان سانس لے رہا ہے۔ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی غالب اکثریت سماجی، تعلیمی اور مذہبی تنوع اور اپنی بے عملی کے باوجود محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبہ سے سرشار اور توہین رسالت کے حوالے سے

اول الذکر کردار کی ہمنوا ہے۔ اگر اس اکثریت کے کچھ افراد اپنی دینداری، کم علمی و کم فہمی اور محبت و عقیدت کے پر خلوص و پاکیزہ جذبہ کے باوجود غلط پروپگنڈے سے متاثر ہو کر حقیقی دشمن کی نشاندہی اور تعیین اہداف میں صریح غلطی کے باعث انتہا پسند اور فتنہ پرور طاقتوں کا آلہ کار بننے کا احتمال رکھتے ہیں تو دوسری جانب موخر الذکر سوچ و کردار کے حامل بعض دانشور بھی سامراجی طاقتوں کے آلہ کار بن کر مسلم معاشرہ کی تباہی و بربادی کا باعث بن سکتے ہیں۔ ہمارے دانشوروں کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ خود کو سیکولر اور لبرل کہلانے والے طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد کی ذراسی کجروی اور حساس سماجی و دینی معاملات میں غیر ذمہ دارانہ طرز فکر و عمل سے عوامی حلقوں میں شدید بھونچال پیدا ہو سکتا ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے معاملہ کی حساسیت کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے اور اس مسئلہ کے سیاسی، سماجی اور قانونی پہلوؤں پر بات کرتے ہوئے انتہائی حزم واحتیاط سے کام لیا جائے۔

یہ امر تشویشناک ہے کہ آسیہ نامی خاتون سمیت توہین رسالت کے متعدد مقدمات میں عدالتوں سے سزا پانے والے مجرمین ابھی تک ملکی قانون کے مطابق اپنے منطقی انجام کو نہیں پہنچ سکے اور اعلیٰ سطح پر انہیں ریمنڈ ڈیوس کی طرح تحفظ دینے کا سلسلہ جاری ہے۔ دریں صورتحال سوال پیدا ہوتا ہے کہ قانون تحفظ ناموس رسالت کے غلط استعمال کو روکنے، اس قانون سمیت دستور میں دی گئی دیگر اسلامی دفعات کے تحفظ اور ان پر دانشمندی کے ساتھ عمل درآمد کو کس طرح ممکن بنایا جا سکتا ہے؟ ہمارے منتخب نمائندوں اور خاص طور پر حکومت میں شامل بااثر مذہبی قائدین کو توہین رسالت سے متعلق قانونی دفعات کو مؤثر بنانے کے لیے اس حوالے سے اب تک درج ہونے والے مقدمات اور ان پر ہونے والی عدالتی پیش رفت کا سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لینے کی ضرورت ہے تاکہ اس قانون کے غلط و بے جا استعمال سے متعلق شکایات و اعتراضات کا تنقیدی جائزہ لے کر علما کرام اور قانونی ماہرین کی مشاورت سے ایک بہتر قانونی و عدالتی طریقہ کار وضع کیا جا سکے۔

غازی ممتاز حسین قادریؒ تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبہ سے سرشار نوجوان تھا۔ پنجاب کے ایک گورنر، جسے ان کے انتہائی متنازع اور غیر ذمہ دارانہ بیانات کی بنا پر وہ شاتم رسول سمجھتا تھا، کے قتل عمد کی سزا پا کر، اس شان سے تختہ دار سے اپنی منزل مراد کو پہنچا کہ ایک عالم کو حیراں کر گیا۔ حکومت، عدلیہ، مقننہ، میڈیا، سیاسی و دینی جماعتیں اور فریقین مقدمہ سمیت اس معرکہ کے تمام کردار ہمارے سامنے ہیں۔ عقل و خرد اور عشق و جنوں کی اس کشمکش میں کس کی سوچ سرنگوں ہوئی اور کون سرفراز ٹھہرا، کون کروڑوں اہل ایمان کی عقیدتوں کا مرکز بنا اور کس نے مال و متاع دنیا اور جاہ منصب کی حرص میں اپنے اور اپنی آنے والی نسلوں کے لیے نفرتوں کے بیج بو ڈالے؟ اس کا فیصلہ تو لوح ایام پر کبھی کا ثابت ہو چکا۔

ہمارے دینی، تعلیمی، تبلیغی اداروں اور تنظیمات کے سامنے یہ چیلنج بھی بدستور موجود ہے کہ عوام پاکستان کے قلوب میں جاگزیں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توانائی کو فزوں تر کرتے ہوئے اسے کس طرح ایک پرامن، علم دوست اور ترقی پسند مصطفائی معاشرہ کی تشکیل کے لیے بروئے کار لایا جا سکتا ہے؟ ہمارے خیال میں محبت سول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فروغ اور سیرت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں دینی و سماجی شعور بیدار کر کے معاشرے سے فرقہ واریت، قتل و غارت گری اور مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے فکری و عملی سطح پر بھرپور، پرخلوص، مربوط ہمہ جہت اور ہمہ وقت کوششوں کی ضرورت ہے۔ ذاتی اغراض اور گروہی مفادات کے اسیر علماء اور دانشوروں سے اس کار خیر کی توقع رکھنا عبث ہے۔ اس کے لیے دین کا درد اور تعمیر وطن کا جذبہ رکھنے والے صاحبان علم و دانش اور معاشرہ میں موجود معاشی طور پر آسودہ، دینی و سماجی شعور اور جدید تعلیم سے بہرہ وران رجال کار کو آگے آنے کی ضرورت ہے جنہیں قدرت نے دنیا کی نعمتوں کے ساتھ دینی حمیت، ذوق و شوق، اخلاص عمل اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت سے بھی نواز رکھا ہے۔ اللہ اور اس کا حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارا حامی و ناصر ہو۔

(ماہنامہ مصطفائی نیوز کراچی کا اداریہ، مارچ، اپریل 2016ء)

جنازوں کا فیصلہ

طارق اسماعیل ساگر

گزشتہ تین روز سے سوشل میڈیا پر جو ماتم پاکستانی صحافت کا ہورہا ہے، اس پر کسی اور کو شرم آئے یا نہ آئے، میں بہرحال شرمندہ ہوں کہ بہرکیف میں بھی اسی کشتی کا سوار ہوں۔ میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ میڈیا کا کردار صحیح ہے یا غلط، نہ ہی اس بحث سے کبھی کسی کو کچھ حاصل ہوا ہے، البتہ میں یہ ضرور کہوں گا کہ بہرحال کسی صحافی کا ذاتی کردار ضرور اس کے اچھے یا برے ہونے کا تعین کرتا ہے۔ کسی کے ذاتی خیالات ،نظریات اور وابستگیاں اگر خلوص نیت سے بھی ہوں، قارئین کے نزدیک وہ ضرور متنازعہ بن جاتی ہیں۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ صحافی کو غیر جانبدار رہنا چاہئے۔ اس ''غیر جانبداری'' کی تشریح اتنی بھیانک ہے کہ اس کے تصور سے ہی خوف آتا ہے۔ جن لوگوں نے سائیکلوں سے پجیرو تک کا سفر برق رفتاری سے طے کیا اور کرائے کے کمروں سے اسلام آباد کے محلات اور فارم ہاؤسوں کے مکین بن گئے وہ سب خود کو غیر متعصب، ترقی پسند اور غیر جانبدار کہتے ہیں اور اس غیر جانبداری کی قیمت بھی اپنی مرضی کے بینکوں اور اکاؤنٹس میں وصول کرتے ہیں۔ اس لئے وہ غیر جانبدار یا غیر متنازع تو نہیں البتہ لعن طعن و تشنیع کا شکار ضرور رہتے ہیں۔ یہ الگ بات کہ وہ ہر طرح کی تنقید سے کان اور آنکھیں بند رکھ کر اپنا سفر جاری رکھتے ہیں اور ان کا شمار بہرحال کامیاب لوگوں میں ہوتا ہے۔

غازی ممتاز قادری کی پھانسی کے حوالے سے میڈیا کے کردار کو لعن طعن کرنے والوں کو کم از کم یہ سمجھ ضرور آ گئی ہوگی کہ حکومتی دعوؤں کے باوجود پاکستان میں میڈیا کتنا آزاد ہے؟ میرے محبت کرنے والے بھی مجھ سے مسلسل تقاضا کررہے تھے کہ میں اس ''لڑائی'' کا

حصہ بنوں لیکن حکومتی بے حسی اور ڈھٹائی نے اس مرتبہ مجھے دنگ کر دیا۔ میرا موضوع غازی ممتاز قادری کی وکالت یا مخالفت نہیں۔ کوئی مسلمان بھلے وہ ایمان کے کمزور ترین درجے پر کیوں نہ ہو، اس بات کا تصور ہی نہیں کر سکتا کہ وجہ تخلیق کائنات، مولائے کل، ختم الرسل، سید الانبیاء، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کسی بھی درجے کی گستاخی کرنے والے ملعون کو زندہ رہنے کا حق دے۔ آپ کسی مرزائی دوست سے سوال کریں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی مانتا ہے یا نہیں؟ وہ حلف اٹھا کر کہے گا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور آخری نبی ہونے پر ایمان رکھتا ہے لیکن اجماع امت ہے کہ مرزائی کافر ہیں اور علماء کرام نے ثابت کیا ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور شان کو کسی بھی حوالے سے چیلنج کرنا اس پر بحث کرنا، تنقید کرنا ناقابل معافی ہے۔ سلمان تاثیر کی اس ضمن میں آزاد خیالی کا ممکن ہے اس کے ذاتی محافظ سے زیادہ اور کوئی عینی شاہد نہ رہا ہو۔ اس کی غیرتِ ایمانی نے یہ قبول نہ کیا اور ہم جیسے دنیا داروں کی اصطلاح میں اس نے ''جذباتی'' ہو کر اپنے مالک کی جان لے لی۔

اس حوالے سے ہمارے لبرل ساتھی جو عذر بھی پیش کریں وہ عذر لنگ ہے، ناقابل قبول ہے۔ شان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی بھی سطح، کسی بھی حوالے پر تکذیب ناقابل برداشت ہے اور کوئی غیرت مند مسلمان اس کا فیصلہ ایسی حکومت اور عدالت پر نہیں چھوڑ سکتا جو ہر فیصلے کے لئے مصلحت کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس ملک کی تاریخ سکینڈلز اور مقتولین سے بھری پڑی ہے۔ آپ کو اس حوالے سے درجنوں کمیشن، جے آئی ٹی رپورٹس تو ملیں گی لیکن عدالتی فیصلہ اور اس پر عمل درآمد کی کوئی مثال پیش کرنے کے لئے بھی نہیں ملے گی۔ حکومت کی یہ نالائقی اور نااہلی کسی بھی شخص کو قانون اپنے ہاتھوں میں لینے پر مجبور کرتی ہے اور وہ اپنی کر گزرتا ہے۔ غازی ممتاز قادری نے بھی یہی کیا۔

حکومت کی عظمت کو سلام کریں چونکہ انہوں نے باقی تمام اہم مقدمات از قسم درجنوں جے آئی ٹیز کی کراچی کے حوالے سے رپورٹس، بلدیہ کیس، قصور کیس، ''را'' کے لئے کام کرنے والے دہشت گردوں کے کیس، موجودہ اور گزشتہ حکمرانوں کے کرپشن کے

درجنوں کیس جن میں کھربوں روپے کی لوٹ مار کی گئی، کا فیصلہ کر کے ملزموں کو سزا دے دی تھی، سو انہوں نے یہاں بھی انصاف کے تقاضے پورے کرنا ضروری سمجھا اور گورنر سلمان تاثیر کے قاتلوں کے خلاف عدالتی فیصلے کا احترام لازم جانتے ہوئے چوروں اور بزدلوں کی طرح ممتاز قادری کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ یہاں تک بھی معاملات نہیں رہے اس کے ساتھ ہی میڈیا کو پابند کر دیا کہ وہ اس حوالے سے مکمل بائیکاٹ کرے، نہ جنازہ دکھائے نہ عوامی احتجاج کو ریکارڈ پر لائے نہ کوئی مباحث ہوں۔

سبحان اللہ! یہ ہے وہ دانش مندی اور آپ کے کارِ خاص لوگوں کی کارروائیاں جو ان شاء اللہ جلد ہی آپ کا کہان بچہ کو لہو کر دار کر رہیں گی۔ ہمارے وزیر اعظم کی طبیعت جولائی پر ہوتو یہ بم کو لات ضرور مارتے ہیں اور یہاں بھی آپ نے وہی کچھ کیا۔لیکن کیوں؟ خود کو لبرل ثابت کرنے کے لئے؟ مغربی دنیا کی خوشنودی کے لئے؟ یا اپنا سافٹ چہرہ نمایاں کرنے کے لئے؟ لیکن واللہ آپ نے اس میں سے کچھ حاصل نہیں کیا۔میاں صاحب! یہ ''لاحاصل'' ہے۔آپ اس کھیل میں بری طرح پٹ گئے۔آپ نے لاکھوں نہیں، کروڑوں مسلمانوں کے کلیجوں میں خنجر اتار دیا۔ان کی آنکھیں خون روتی ہیں۔ چند سو این جی او، مغربی دنیا کے تنخواہ دار نام نہاد لبرل یا چند ٹکوں پر ضمیر فروشی کرنے والے میڈیا پرسن۔ان سب کی تعداد کتنی ہے میاں صاحب! اور یہ کتنے بہادر ہیں۔کس کی جرأت ہے آپ کے اس ''احسن اقدام'' کے لئے ایک لفظ بھی کھل کر کہہ سکے؟ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آپ نے اس قوم کی ہڈیوں سے گودا نکال لیا ہے لیکن غیرت ایمانی نہیں۔عرفان صدیقی صاحب سے پوچھ لیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس دور کے حکمرانوں سے کیا کہا تھا۔آپ نے فرمایا ''ہمارے جنازے فیصلہ کریں گے کہ کون سچا تھا اور کون جھوٹا؟ میاں صاحب! غازی ممتاز قادری کے جنازے نے فیصلہ کر دیا ہے۔اب منتظر رہئے مکافات عمل کے۔

(روزنامہ جہانِ پاکستان، لاہور)

بات واضح ہوچکی

اوریا مقبول جان

وہ جن کو زعم تھا کہ ہم رائے عامہ تخلیق کرتے ہیں۔ ہم انہیں، آزادیٔ اظہار کا راستہ دکھاتے ہیں۔ ہمیں صحافتی آزادی کسی ڈکٹیٹر نے تحفے میں نہیں دی بلکہ ہم نے مدتوں جدوجہد کرکے یہ آزادی حاصل کی۔ ۲۹ رفروری اور یکم مارچ ۲۰۱۶ء کو لوگوں میں ان کے یہ تمام دعوے غلط ثابت ہوئے۔ عوام نے یہ ثابت کردکھایا کہ تم وہ بزدل مصلحت کوش ہجوم ہو جو صرف اپنے نہیں بلکہ اپنے آقاؤں کے مفاد میں لکھتا اور بولتا ہے۔ جس آزادیٔ صحافت اور حرمتِ قلم کو اپنا آدرش اور مقصد حیات سمجھتے تھے، کوئی اتنی آسانی سے ان سے چھین کے لے جائے گا۔ پورے ملک میں پھیلے لاکھوں صحافیوں میں سے کسی ایک نے بھی صدائے احتجاج بلند نہ کی۔ یہ وہی لوگ تھے جن کے چند پروگراموں پر افتخار چودھری کی بحالی کی تحریک میں پرویز مشرف نے پابندی لگائی تھی تو وہ تمام اینکر پرسن اپنے پروگرام لے کر اسلام آباد کی سڑک پر آ گئے تھے اور وہاں عوام کے سامنے اپنے پروگرام منعقد کرتے لیکن ان سب کو ان دنوں میں یہ سب کچھ یاد نہ آیا۔ اپنے خوبصورت دفاتر میں بیٹھے اس بات پر بحث کررہے کہ ٹھیک ہوا یا نہیں ہوا۔ لیکن شاید سب لوگ یہی چاہتے تھے۔

ذرا اس پورے قصے کی تاریخ میں جائیں تو آپ کو میڈیا کے بڑے بڑے نام اس داستان سے کھیلتے ہوئے اپنا مقصد حاصل کرتے نظر آئیں گے۔ جس دن آسیہ کو توہین رسالت کے جرم میں عدالت سے سزا ہوئی، اس دن سے لے کر سلمان تاثیر کے واقعے تک آپ تمام ٹی وی چینلز کے پروگرام ملاحظہ فرمائیں۔ آپ کو یہ سب کے سب عدالت،

قانون، انصاف اور حکومت کا مذاق اڑاتے نظر آئیں گے۔ مملکت خداداد پاکستان کی وہ این جی اوز جو اس ملک میں موجود مغرب کے سفارت خانوں سے ایک خاص نظریے اور مقصد کی ترویج کے لئے مسلسل مدد حاصل کرتی ہیں، جن کے گروہ کو سول سوسائٹی کا نام دیا جاتا ہے۔ ایسا گمراہ کن نام جیسے اٹھارہ کروڑ لوگوں میں یہ چار یا پانچ سو لوگ ہی سول ہیں، جبکہ باقی پوری قوم تو غیر مہذب یا غیر سول ہیں۔ ان پروگراموں میں ان کے کرتا دھرتا لوگ آ کر آسیہ کی سزا، عدالت اور توہین رسالت کے قانون پر بحثیں کرتے رہے۔ ان کے لہجے میں تمسخر بھی تھا اور تحقیر بھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر پروگرام میں گورنر سلمان تاثیر کو بلا وجہ گھسیٹا گیا۔ میڈیا کو تو اپنا چورن بیچنا تھا۔ ریٹنگ کی دھن میں پاگل ہوئے یہ سب لوگ اسے بار بار دکھاتے اور بار بار پروگراموں میں اس کے منہ سے ایسے فقرے اگلوانے کی کوشش کرتے جس سے اشتعال پیدا ہو۔ ان کا ایک خاص طریقہ کار ہے۔ پاکستان میں کسی بھی قسم کی کوئی برائی، ظلم، زیادتی ہو، انہوں نے بدنام کرنے کے لئے اسلام کو نشانہ ضرور بنانا ہوتا ہے۔ مثلاً کاروکاری سندھی یا بلوچ معاشرہ کی ہزاروں سال پرانی رسم ہے جو اسلام کے آنے سے پہلے سے جاری ہے لیکن جب بھی غیرت کے نام پر کوئی قتل ہوتا ہے، یہ سندھی یا بلوچ قوم پرست کو نہیں بلائیں گے بلکہ کمزور سے مولوی کو بلائیں گے اور اس کو گھیر گھار کر یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ سارا قصور مذہبی طبقے کا ہے۔

کس قدر بھونڈی دلیل ہے کہ مولوی منبر پر بیٹھ کر ایسے جرائم کو روکتا کیوں نہیں۔ تم مولوی کی سنتے ہو کیا؟ تم نے تو اسے بچوں کے کان میں اذان دینے، نکاح پڑھانے اور جنازے کی دعا کے لئے رکھا ہوا ہے۔ پورے دو ماہ پاکستان کے ٹیلی ویژن چینلز پر ایک ہنگامہ برپا رہا۔ وہ جس نے آئین کے تحفظ کا حلف اٹھایا تھا۔ جس نے کہا تھا کہ "میں اسلام جو اس پاکستان کا نظریہ اور بنیاد ہے، اس کا تحفظ کروں گا۔ جسے اسمبلی کے بنائے ہوئے قانون اور عدالت کے فیصلوں کا بھی احترام پیدا کرنا تھا۔ ان ٹاک شوز نے اسے گھسیٹ گھسیٹ کر

اس سے ایسے الفاظ کہلوائے جو ان قانون اور عدالت کے فیصلے کو مشکوک کرتے تھے۔ پھر ایک دن وہ اپنی جان سے چلا گیا۔ میڈیا تو ایک جانب، اس کی اپنی پارٹی میں بھی سناٹا چھا گیا اور اس کے لیڈر منہ چھپاتے پھرتے رہے۔ ایسے میں اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میڈیا کے یہ بڑے بڑے نام ممتاز قادری کے جنازے پر لگائی گئی پابندی کو ناپسند کرتے تھے، اسے آزادی صحافت پر قدغن خیال کرتے تھے تو یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جسکے حق میں کوئی شواہد موجود نہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ خود بھی اس جنازے کو دکھانا ہی نہیں چاہتے تھے۔ کیسے دکھاتے؟ جس میڈیا نے گزشتہ پندرہ سالوں میں اسلام اور مسلمانوں کا یہ چہرہ لوگوں کے سامنے پیش کیا ہو کہ یہ شیعہ، سنی، دیوبندی اور بریلوی مسالک میں الجھے ہوئے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ ایسے میں میڈیا کی موت تھی کہ وہ ان لوگوں کو دکھاتا جو ہر مسلک سے تعلق رکھتے تھے، لیکن عشق رسول کی لڑی نے انہیں ایک ساتھ پرو دیا تھا۔

میڈیا کا دوسرا ہتھیار یہ تھا کہ وہ یہ ثابت کرتا پھرے کہ اسلام کے پیروکار تشدد پسند ہوتے ہیں، توڑ پھوڑ کرتے ہیں۔ انہیں یہ سب کیسے گوارہ تھا کہ اتنا بڑا ہجوم کہ پاکستان کی تاریخ میں ایسا نہ ہو سکا، اس قدر پر امن رہے۔ دو جنازے اس ملک میں نزدیکی دور میں ہیں۔ ایک بے نظیر کا جنازہ اور سوگ کہ تین دن تک اس ملک میں ہر طرح کا ظلم روا رکھا گیا۔ درجنوں ریلوے اسٹیشنوں کو آگ لگائی گئی۔ ہزاروں گھروں کو لوٹا گیا۔ عصمتیں تک تار تار کی گئیں اور یہ سب میڈیا نے دکھایا اور پھر اس کی کوکھ سے اپنی پسند کا ہیرو آصف زرداری نکالا جس کے "پاکستان کھپے" پر امن قائم ہوا، لیکن میڈیا کو داڑھی اور عمامے والے نظر نہ آئے جو یہ کہہ رہے تھے کہ ہم امن کی ضمانت دیتے ہیں اور انہوں نے وہ کر دکھایا۔ لیکن ایسا کچھ لکھنے سے ان کالم نگاروں کے دل پر چھریاں چلتیں۔ ان اینکر پرسنوں کا دل بیٹھ جاتا جو یہ ثابت کرنے میں اپنی زندگیاں گزار چکے تھے کہ مسلمان صرف شدت پسند اور دہشت گرد ہوتا ہے۔

دو دن پاکستان میڈیا کے ۸۰ سے زیادہ چینلز کو چار یا پانچ انچ کے موبائل فون

پر لگی ہوئی سکرین نے شکست دے دی اور اسی سوشل میڈیا کی فوٹیج نکال کر ٹی وی چینلوں پر چلانے کو مجبور ہیں، ماتم کر رہے ہیں کہ ہمارے صحافیوں پر تشدد ہوا۔ کس قدر دوغلا معیار ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کو پاکستان کی اعلیٰ ترین عدالت نے قاتل کہا اور پھانسی کی سزا سنائی۔ اسے پاکستان کا پورا میڈیا شہید بھی کہتا ہے اور اس کی برسی کو ہر سال براہ راست نشر بھی کرتا ہے۔ ایمل کانسی نے امریکہ میں دو لوگوں کو قتل کیا۔ اسے امریکہ کے حوالے کیا گیا اور ہم نے امریکی اٹارنی جنرل سے یہ فقرہ بھی سنا کہ پاکستانی سرمائے کے لئے اپنی ماں کو بھی بیچ دیتے ہیں۔ جس دن اسے سزا دی گئی، پرویز مشرف کی آمریت تھی، لیکن اس پر پروگرام ہوتے رہے۔ میں خود کوئٹہ میں اس کے جنازے میں موجود تھا۔ اسے لائیو دکھایا جا رہا تھا۔ اسامہ بن لادن کی موت کے بعد ٹیلی ویژن چینلوں پر کیا کچھ نہیں کہا گیا۔ ایک مصنوعی خوف پھیلایا گیا کہ پتہ نہیں کیا ہو جائے گا۔ لیکن ان سب کو اندازہ نہیں کہ کچھ جرم ایسے ہوتے ہیں جن کی ایف آئی آر، زمینوں پر نہیں آسمانوں پر درج ہوتی ہے۔ جیسے یہاں اعانت جرم پر سزا سنائی جاتی ہے بلکہ وہ سزا شاید جرم کرنے والے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے جبریل کو ایک بستی پر عذاب مسلط کرنے کے لئے بھیجا۔ جبریل واپس آ گئے کہا وہاں ایک ایسا شخص ہے جس نے آپ کی عبادت میں آنکھ جھپکنے جیسی غفلت بھی نہیں برتی۔ اللہ نے فرمایا: ''یہ وہ بد بخت ہے جو عابد وزاہد تھا لیکن میرے نام کی غیرت پر اس کے چہرے کا رنگ نہیں بدلتا تھا۔ اس کے اوپر پوری بستی الٹ دو۔'' (مفہوم حدیث) اہل نظر جب یہ کہتے تھے کہ پاکستان اللہ کے غیظ وغضب کا شکار ہونے والا ہے۔ سیلابوں اور زلزلوں کی آمد ہے۔ سمجھ نہیں آتی تھی کہ کیسے لیکن شاید اب تو بات روشن ہو چکی ہے۔ اللہ ہمیں اپنے عذاب سے محفوظ رکھے اور ہماری موت یقینی ہے تو ہمیں ان لوگوں کی معیت میں اٹھائے جو اللہ کے محبوب ہیں۔

(۴/ مارچ ۲۰۱۶ء، روزنامہ ایکسپریس)

جاتا ہوں میں حضور رسالت پناہ ﷺ میں

ڈاکٹر محمد اجمل نیازی

صرف ممتاز قادری کے جنازے کی بات کرتا ہوں کہ یہ ایک تاریخ ہے۔ چشم دید گواہوں کی طرح خدا گواہ ہے۔ کئی لوگوں نے کہا کہ ہم نے اتنا بڑا جنازہ نہیں دیکھا۔ علامہ احمد علی قصوری نے کہا کہ میں نے اپنی زندگی میں اتنا بڑا اجتماع نہیں دیکھا۔ مولانا ڈاکٹر راغب نعیمی نے کہا شانہ بشانہ کے محاورے کی سچی تصویر یہاں دیکھی۔ جنازے کی نماز میں رکوع و سجود نہیں ہوتے۔ محسن انسانیت، رحمت للعالمین، رسول کریم ﷺ کی ابدی اور ازلی ہمہ گیر اور عالم گیر بصیرت کی روحانی اور عالمی نشانیاں ثابت ہوتی رہیں گی۔ ڈاکٹر نعیمی نے بتایا کہ صف بندی کی کوئی کیفیت موجود نہ تھی۔ لوگ شانہ بشانہ تو تھے، لوگوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے تھے۔

علامہ قصوری صاحب نے کہا کہ مجھے نشتر پارک کراچی میں میلاد النبی ﷺ کے جلوس میں فائرنگ کے نتیجے میں شہید ہونے والوں کے جنازے کا منظر نہیں بھولتا مگر ممتاز قادری کے جنازے کا احوال تو لفظوں میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ ممتاز قادری کا چہلم مینار پاکستان لاہور میں ہوگا۔

خدا کی قسم! عشق رسول ﷺ ایٹم بم سے بھی بہت زیادہ طاقتور ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے کہ دنیا والے بھی جانتے ہیں۔ عالم اسلام میں اتنی بے بسی اور بے حسی مفاد پرستی ، بے مقصدی پھیلی ہوئی ہے۔ انتشار، خلفشار، دہشت گردی اور آلودہ گرد و غبار کی ایسی فضا ہے کہ کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ اس کے باوجود دنیا والے اور بڑی طاقتیں مسلمانوں سے ڈرتی

ہیں۔ پاکستان سے ڈرتی ہیں۔ میری یہ ناقابل تردید رائے ہے کہ بھارت، چین سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا پاکستان سے ڈرتا ہے۔ بھارت سمجھتا ہے کہ انڈیا کے سامنے ایک ہی سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور وہ پاکستان ہے۔

پاکستان ایٹمی طاقت ہے۔ پاک فوج دنیا کی بہترین فوجوں میں سے ایک ہے۔ جب افغانستان سے ایک سپر پاور کو پاک فوج نے نکالا تو ایک بھی امریکی فوجی افغانستان میں نہ تھا۔فوجی تعاون سے ہمیں انکار نہیں ہے مگر اب بہت سے فوجی ہتھیار اور اسلحہ پاکستان میں بن رہا ہے۔ ایف 16 طیارے پاکستان کو ملتے ہیں تو بھارت کے پیٹ میں مروڑ اٹھنے لگتے ہیں۔ ایف 16 چلانے کیلئے جذبہ چاہئے۔ یہ جذبہ کسی عشق کی روایت سے حکایت بنتا ہے۔

رب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم! میرے اس علاقے کی طرف میرے آقا ومولا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگشت شہادت کے اشارے سے فرمایا تھا کہ مجھے ادھر سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔ یہ ٹھنڈی ہوا طوفان بن گئی تو سب کچھ بکھیر دے گی مگر ہمارا عظیم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہم غلامانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں نکھارنے کے لئے آئے ہیں۔ طائف میں تمام تر زیادتیوں اور تکلیفوں کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ ان پر عذاب نہ توڑو۔ میرے ساتھ انہوں نے جو بدسلوکی کی ہے تو یہ مجھے جانتے نہیں ہیں۔ اس کا مطلب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جاننا بھی ضروری ہے۔ مجھے لگتا ہے اور میں بڑے کرب میں مبتلا ہو کر کہہ رہا ہوں کہ ہم آپ کو مانتے ہیں مگر ہم بھی آپ کو جانتے نہیں ہیں۔

خدا کی قسم! دنیا والے بھی آپ کو نہ ماننے والے بھی آپ کو جان لیں تو ہم سے بھی بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشق ہو جائیں۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ اسلامیات پڑھاؤ مگر سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھاؤ تا کہ ہمارے دلوں میں درد و گداز پیدا ہو۔ طاقت اور قربانی کا جذبہ بڑھتا رہے۔

آج ممتاز قادری کے جنازے کے لئے سوچتے ہوئے میرے دل میں آیا ہے کہ ہمیں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبے کو چینلائز کرنا چاہئے۔ اپنی زندگی میں اس جذبے کو تحریک بنایا جائے اور دنیا والوں کو بتایا جائے کہ ہم اصل میں کون ہیں؟

ایک اور حوصلہ افزاء بات ہے کہ جنازے کے بعد لاکھوں لوگوں نے ڈسپلن کا بھی عظیم مظاہرہ کیا۔ نعرے بازی تو ہوئی مگر کہیں کوئی شیشہ نہیں ٹوٹا، کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی، کہیں لوٹ مار نہیں ہوئی، ہر طرف امن و امان کی صورت حال رہی۔ امان ایمان کی بدولت آتا ہے۔ ہمیں قدیم و جدید کے تقاضوں کے مطابق زندگی کو گل و گلزار بنا دینا چاہئے۔ اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ بندے کو باخبر ہونا چاہئے۔ اسے اہل خبر بھی ہونا چاہئے۔ لوگوں کو کیسے پتا چلا اور لاکھوں کی تعداد میں وہ کیسے لیاقت باغ پہنچے۔ یہاں لیاقت علی خان اور بے نظیر بھٹو کو شہید کیا گیا تھا۔ لیاقت باغ ہمیشہ کی طرح آج بھی تاریخ ساز جگہ ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور، 3 مارچ 2016)

جانشین غازی علم الدین شہید
ممتاز قادری کی پھانسی

نوید مسعود ہاشمی

29 فروری کی شام کراچی کے ایک بڑے ہوٹل میں منعقدہ روزنامہ اوصاف کے اجراء کی افتتاحی تقریب سے خطاب کے دوران مولانا فضل الرحمن نے حکمرانوں کو للکارتے ہوئے کہا تھا کہ:

''تم نے سلمان تاثیر کا جنازہ بھی دیکھا تھا، اب کل تم ممتاز قادری کا جنازہ بھی دیکھنا۔''

صدیوں پہلے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ:

''ہمارے جنازے بتادیں گے کہ حق پر کون تھا؟''

اور پھر واقعی یکم مارچ کو حضرت غازی ممتاز قادری کے جنازے کے عظیم اجتماع نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا فضل الرحمن کے چیلنج کو سچا ثابت کر دیا۔ سلمان تاثیر کا جنازہ پڑھانے والا ہی کوئی نہیں ملتا تھا۔ تمام الیکٹرانک چینلز نے قتل کے بعد سے لے کر سلمان تاثیر کو قبر میں اتارنے تک لمحہ بہ لمحہ کوریج کی، مگر اس کے باوجود اس کا جنازہ چند صفوں تک محدود رہا۔ اہل سنت کے دو بڑے مکاتب فکر دیوبندی، بریلوی حتیٰ کہ بعض اہل حدیث علماء اور مفتیان کرام جن کی تعداد پانچ سو تھی، نے متفقہ طور پر ایک فتویٰ جاری کیا کہ:

''گستاخ سلمان تاثیر کا جنازہ پڑھانا حرام ہے۔''

لیکن یکم مارچ کو سلمان تاثیر کے قاتل ممتاز قادری کے جنازے میں تمام مکاتب

فکر کے ہزاروں علماء سمیت لاکھوں مسلمانوں نے انتہائی والہانہ انداز میں شریک ہو کر دنیا پر واضح کر دیا کہ امریکی پٹاری کے دانش فروش اور دجالی میڈیا جتنا مرضی قاتل، قاتل کی رٹ لگائے رکھے مگر پاکستان کے مسلمانوں کی اکثریت ممتاز قادری کو سچا عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھتی ہے۔

یہاں تک یہ بات درست ہے کہ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو قتل کرے، مگر سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان میں کہیں قانون بھی موجود ہے؟ اگر ہے تو پھر جس وقت سلمان تاثیر نے دس کروڑ مسلمانوں کے صوبہ پنجاب کا گورنر ہونے کے باوجود قانون توہین رسالت کو ''کالا قانون'' کہہ کر کروڑوں مسلمانوں کی دل آزاری کی تھی، تب ''قانون'' نے اس کی گرفت کیوں نہ کی؟ شاتم رسول آسیہ مسیح کو جس کو عدالت پھانسی کی سزا دے چکی تھی، سلمان تاثیر کو یہ حق کس نے دیا تھا کہ وہ اپنے گورنری کے منصب کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے اس سے نہ صرف جیل میں ملاقات کرے بلکہ اسے بے گناہ اور معصوم بھی قرار دے ڈالے؟

یہ قرآن وسنت کا ارشاد عظیم ہے کہ:

''کوئی شخص اس وقت تک کامل ایمان والا ہو ہی نہیں سکتا جب تک اسے اپنے مال، اولاد اور جان سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیار نہ ہو۔''

فرنگی سامراج کے دور میں جب ایک بدمعاش ملعون راج پال نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف گستاخانہ کتاب لکھی تو محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرشار ایک نوجوان غازی علم دین رحمۃ اللہ علیہ نے اسے واصل جہنم کر ڈالا۔ غازی علم دین رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر لیا گیا مگر یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے والے قاتل غازی علم دین شہید کے دفاع کے لئے بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ میدان میں اترے۔ قائداعظم نے غازی علم دین رحمۃ اللہ علیہ کو بچانے کے لئے لاہور ہائیکورٹ میں درخواست دائر کی تھی جسے ہندو جسٹس شادی لال نے محض تعصب کی بنیاد پر مسترد کر دیا تھا۔

31 اکتوبر 1929ء کو غازی علم دین رحمۃ اللہ علیہ کو جب پھانسی دے کر شہید کیا

گیا تو ان کی میت کی وصولی کے لئے مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور محسن قوم مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ نے بھرپور اور کامیاب تحریک چلائی۔ یہاں تک کہ غازی علم دین رحمۃ اللہ علیہ کی میت کو میانی کے قبرستان میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا تھا۔

اس موقع پر شاعر مشرق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا تھا کہ:

''ہم تو دیکھتے ہی رہ گئے اور ترکھانوں کا لڑکا بازی لے گیا۔''

مولانا ظفر علی خان نے آنسو بہاتے ہوئے کہا تھا کہ:

''کاش! یہ مقام مجھے نصیب ہوتا۔''

کوئی شریف برادران اور ان کے ترجمانوں سے پوچھے کہ اگر گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاتل کو پھانسی دینا درست تھا تو پھر قائداعظم محمد علی جناح نے غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بچانے کی کوشش کیوں کی تھی؟ اگر گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاتل کو ''مجرم'' کہا جاتا ہے تو مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے غازی علم دین رحمۃ اللہ علیہ کی میت کی وصولی کے لئے تحریک کیوں چلائی تھی؟ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے غازی علم دین رحمۃ اللہ علیہ کے جسد خاکی کو لحد میں کیوں اتارا تھا؟ یہ قوم کیسے یقین کر لے کہ شریف برادران اور ان کی جماعت بانیان پاکستان کی پیروکار ہے؟

جب روشن خیالی کی حسینہ ہونٹوں پر لالی لگائے گھونگھٹ اٹھائے اقتدار کے ایوانوں میں فرحاں و رقصاں ہو، لبرل اور سیکولر لادینیت کا جادو سر چڑھ کر بولنا شروع ہو جائے تو پھر ترجیحات کے ساتھ ساتھ شخصیات اور ہیروز بھی بدلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ غازی علم دین رحمۃ اللہ علیہ کے وقت محمد علی جناح کے سر پر مستقبل میں خدا نے ''قائداعظم'' کا تاج سجانا تھا، اس لئے انہیں عاشق رسول کا وکیل بنا دیا اور ممتاز قادری کے وقت حکمرانوں کے لئے نجم سیٹھی، ابصار عالم اور دیگر سیکولر شدت پسند قائداعظم، علامہ اقبال اور

ظفر علی خان کا درجہ پا گئے (استغفر اللہ)۔ شاید اسی لئے ممتاز قادری کو نہایت عجلت اور پر اسرار انداز میں تختہ دار پر لٹکا یا گیا۔

قائداعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ قاتل مگر سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، غازی علم دین رحمۃ اللہ علیہ کے حامی، وکیل اور طرفدار تھے اور مرتے دم تک انہیں اس سے محبت تھی۔ سلمان تاثیر نے جب قرآن وسنت پر مبنی قوانین کو ضیاء الحق کی طرف منسوب کر کے ''کالا قانون'' قرار دیا تھا (نعوذ باللہ) تو تب ایک یا دو نہیں بلکہ پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے سینکڑوں علماء کرام اور مفتیان عظام نے اسے گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرار دیا تھا۔

ممکن ہے کہ باطل میڈیا کے پنڈتوں اور شریف برادران کو علماء دیوبند سے چڑ ہو۔ باطل پرست اینکرز اور اینکرنیوں کی فوج ظفر موج کو جہاد کو عبادت سمجھنے کی بناء پر دیوبندی علماء سے نفرت ہو، لیکن سلمان تاثیر کے خلاف گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فتوٰی دینے والے علماء اور مفتیان میں اکثریت بریلوی علماء اور مفتیان کی تھی، شہباز ہوں یا شہباز شریف، انہیں گڑھی شاہو میں واقع جامعہ نعیمیہ کے بڑا قریب سمجھا جاتا ہے، ہر سال داتا دربار پر چادریں چڑھانا اور دربار کو غسل دینا یہ اپنے اوپر لازم سمجھتے ہیں۔

کاش کہ انہوں نے مولانا سرفراز نعیمی شہید کے بیٹے مولانا ڈاکٹر راغب نعیمی سے ہی پوچھا ہوتا، کاش کہ انہوں نے ممتاز قادری کو پھانسی دینے کے حوالے سے بریلوی مسلک کے غیر متنازع قائد حضرت شاہ احمد نورانی کے صاحبزادوں اویس نورانی یا شاہ انس نورانی سے ہی مشورہ کیا ہوتا۔ اے کاش! کہ انہوں نے بریلوی مسلک کے مفتی اعظم مفتی منیب الرحمن یا داتا دربار کی مسجد کے امام سے ہی رائے لی ہوتی، مگر برا ہو لبرل لادینیت کی فاحشہ کا کہ جس نے آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور سیکولر شدت پسند کے نرغے میں آیا ہوا ''اقتدار'' اسلام پسندوں کو دیوار سے لگانے پر آمادہ و تیار ہے۔

(روزنامہ اوصاف، لاہور، 3 مارچ 2016ء)

اچھا ہوا غازی ممتاز قادری کو پھانسی دے کر جامِ شہادت پلا دیا گیا۔ غازی ممتاز قادری تو پہلے دن سے ہی شہادت کا متلاشی تھا۔ اس نے تو اپنے وکلاء کو مقدمے کی پیروی سے بھی منع کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے اپنے گھر والوں کو بھی کئی بار کہا تھا کہ ''محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر مجھے زندگی پیاری نہیں ہے، بلکہ میں تو شہادت کا جام نوش کر کے اس نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل میں پہنچنا چاہتا ہوں جس نبی محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وحرمت کی خاطر میں نے ایک گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قتل کیا تھا۔''

دیوانۂ ختم نبوت قاری وحید قاسمی کا منگل کی صبح فون آیا۔ میں ''روزنامہ اوصاف، کراچی'' کی اوپننگ میں مصروفیات کے سلسلے میں کراچی میں ہوں، فون اٹینڈ کیا تو قاری وحید قاسمی نے بڑے جذباتی انداز میں کہا کہ ہاشمی صاحب! مبارک ہو، غازی ممتاز قادری کو پھانسی دے کر شہید کر دیا گیا۔ خیر مبارک......! بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔ وہ تو سچا عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا اور غازی علم دین شہید سے لے کر غازی ممتاز قادری شہید تک عشاق رسول کی تاریخ پھانسیوں سے ہی عبارت ہے اور ویسے بھی ہمارے حکمران ''شریف برادران'' پاکستان کو سیکولر بنانے کے مشن پر نکل کھڑے ہوئے ہیں۔

سیکولر پاکستان کی ضرورت شرمین عبید، ملالہ یوسف زئی تو ہیں، سیکولر پاکستان میں بیویاں اپنے شوہروں کو نہ صرف گھروں سے دھکے دے کر نکال سکیں گی بلکہ ان کے خلاف مقدمات بھی قائم کروا سکیں گی۔ سیکولر پاکستان میں مسجدوں کے اسپیکروں پر پابندی ہوگی مگر رقص وسرور اور ناچ گانے والوں کے لئے پروٹوکول ہوگا۔ لیکن شریف برادران کے سیکولر پاکستان میں غازی ممتاز قادری کا زندہ رہنا ناممکن تھا۔ آسیہ مسیح کہ جس پر توہین رسالت کا ارتکاب ثابت ہوا اور تمام گواہوں اور ثبوتوں کی روشنی میں عدالت نے اسے پھانسی کی سزا دی مگر وہ چونکہ یورپ اور امریکہ کو پیاری ہے، اس لئے اسے پھانسی نہیں ہو سکتی۔ پاکستان میں فحاشی وعریانی، بے حیائی، کرپشن، لوٹ مار اور انتشار پھیلانے والوں کو

پھانسی تو بہت دور کی بات، گرفتار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

سلمان تاثیر نے چونکہ توہین رسالت کا مذاق اڑایا تھا، سلمان تاثیر نے چونکہ ایک گستاخ رسول ﷺ آسیہ مسیح کے حق میں کمپین چلائی تھی، سلمان تاثیر چونکہ برطانیہ اور یورپی یونین کا فرستادہ تھا، اسلئے اس کے قاتل کو تو سزا ملنی ہی چاہئے تھی، پاکستان کو سیکولر بنانے کے لئے شرمین عبید کو ہیرو بنانا اور غازی ممتاز قادری کو پھانسی پر چڑھانا ضروری تھا۔

ممتاز قادری کا بریلوی مسلک سے تعلق تھا اور وہ اپنے ہی مسلک کے ایک خطیب کی تقریر سے متاثر تھے، مگر میں بڑی معذرت کے ساتھ یہ لکھنے پر مجبور ہوں کہ آپس کی نااتفاقیوں اور فرقہ وارانہ دوریوں کی وجہ سے علماء غازی ممتاز قادری کے لئے کوئی مؤثر کمپیین نہیں چلا سکے۔ پورا پاکستان اس بات کا گواہ ہے کہ گزشتہ سال ایک اینکرنی شائستہ واحدی، وینا ملک اور ایک بخاری گروپ کے سربراہ کے خلاف ملک بھر میں توہین اہل بیت کے سینکڑوں مقدمات درج ہوئے۔ پورے ملک میں اہل بیت اطہار کی گستاخی اور توہین کی وجہ سے ان کے خلاف جلوس نکلے، مگر سینکڑوں مقدمات درج ہونے کے باوجود ان میں سے کسی ایک کو بھی گرفتار نہ کیا گیا۔

بلکہ وہ میڈیا گروپ نواز حکومت کی گڈ بک میں ہے۔ وزیراعظم ہاؤس میں محترمہ مریم نواز کی زیر قیادت بننے والے میڈیا سیل کا اگر کوئی ترجمان اس بات کا جواب دے سکتا ہے تو ضرور دے کہ میر شکیل الرحمن، وینا ملک اور ایک اینکرنی کے خلاف توہین اہل بیت کے الزامات کے تحت درج ہونے والے سینکڑوں مقدمات کا کیا بنا؟ انہیں گرفتار کیوں نہیں کیا گیا؟ گستاخ رسول ﷺ آسیہ مسیح کو اب تک پھانسی کیوں نہ دی گئی؟

افسوس تو ان مولویوں پر ہے جو حاضر، ناظر، نور و بشر ختم چالیسویں جیسے فروعی مسائل پر جنگ وجدل میں مشغول رہے اور امریکہ نے اس کی فرقہ وارانہ کشیدگی والے مائنڈ سیٹ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پوری قوم پر سیکولر لادینیت کا جن مسلط کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ہم بھی کیا لوگ ہیں، اگر کوئی رائے ونڈ تبلیغی جماعت کے اجتماع میں دعا کے لئے یا داتا دربار پر چادر چڑھانے کے لئے چلا جائے تو ہم اسے اسلام کا سچا خادم سمجھ کر اس کے دیوانے ہو جاتے ہیں۔ جب تک بریلوی، دیوبندی اور دیگر مسالک کے علماء کرام آپس کی نفرتوں اور کدورتوں کو ختم کر کے، پاکستان میں نفاذ اسلام کے لئے ایک پرامن اور جاندار تحریک شروع نہیں کرتے، اس وقت تک عشاق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پھانسیاں ہوتی رہیں گی۔ کیا بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث اور شیعہ علماء دیکھ نہیں رہے کہ حکمران پاکستان کو زبردستی سیکولر بنانے پر تل چکے ہیں؟ اگر دیکھ رہے ہیں تو انہیں انتظار کس بات کا ہے؟ آپس کی نفرتیں ختم کر کے اسلام کے نفاذ کے مشن کے لئے اتفاق و اتحاد کے ساتھ تحریک شروع کیوں نہیں کرتے؟ اگر دجالی میڈیا اور حکومتی ڈنڈے کے زور پر سیکولر لادینیت کو مسلط کرنا دہشت گردی نہیں ہے تو پُرامن طور پر لاکھوں کی تعداد میں نفاذ اسلام کی حمایت میں لوگوں کو سڑکوں پر نکالنا دہشت گردی یا جرم کیسے ہو گیا؟

میری بدنصیبی کہ میں کراچی میں ہونے کی وجہ سے شہید غازی ممتاز قادری کا جنازہ پڑھنے سے محروم رہ گیا، ورنہ اگر میں راولپنڈی میں ہوتا تو اس نیت سے کہ ممکن ہے شہید کے جنازے میں شرکت کی بدولت مجھ گنہگار کی بھی بخشش ہو جاتی، میں اس کے جنازے میں ضرور شریک ہوتا۔ ”خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طنیت را“

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور، یکم مارچ 2016ء)

ممتاز قادری کا جنازہ اور ’’آزاد میڈیا‘‘ کی بے رُخی

مصدق گھمن

اس بات کو آج تاریخ کی سند حاصل ہے کہ ایک باخبر قوم ہی اپنی آزادی کی سب سے بڑی محافظ ہوتی ہے۔ جمہور حکمرانوں کا سب سے مضبوط ہتھیار میڈیا کی آزادی رہا ہے جبکہ آمریت کے لئے میڈیا کی آزادی زہر قاتل کے مترادف سمجھی جاتی ہے۔ ہر دور کے آمر نے چاہا کہ خبر کا راستہ روکا جائے کیونکہ قوم کو بے خبر رکھ کر ہی اس کی گردن پر طویل عرصہ مسلط رہا جاسکتا ہے۔ جمہوریت کی بقا البتہ اس میں ہے کہ عوام باخبر رہیں۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ایک جمہوری حکومت کے عہد میں پیمرا نے ٹی وی چینلز کی نشریات کو روکنے کے لئے سخت ہدایات کیونکر جاری کیں؟ مزید حیران کن بات یہ ہے کہ ٹی وی چینلز نے ایسے احکامات کیونکر تسلیم کئے کہ مشرف کے عہد آمریت میں یہ پاکستانی میڈیا تھا جس نے جبر اور دباؤ کے تمام ہتھکنڈے برداشت کئے لیکن جھکنے سے انکار کر دیا۔ آج اس میڈیا نے راولپنڈی شہر کے سب سے بڑے جنازے کی رپورٹنگ سے گریز کیا جو کسی گڑھے میں جانے والے جانور کی بریکنگ نیوز نشر کرتا ہے اور گھنٹہ بھر کی لائیو کوریج کرتا ہے۔

کیا بروز منگل اختیار کیا جانے والا میڈیا کا متعصب عمل عامۃ الناس کی نظر میں نفرت کا باعث نہ بنا ہوگا؟ کیا اس دن راولپنڈی میں جو کچھ ہوا وہ ٹی وی چینلز کے لئے کوئی خبر نہ تھی؟ کیا راولپنڈی شہر کے تمام کاروباری مراکز کا بند ہونا جو کسی دھمکی یا دباؤ کے نتیجے میں نہیں بلکہ رضا کارانہ طور پر خود بند کئے گئے ایک ایسی خبر نہ تھی جس کا خصوصی طور پر ذکر کیا جاتا اور شہر بھر کی بند مارکیٹوں کی تصاویر دکھائی جاتیں؟ ممتاز قادری کے جنازے کے

احترام میں راولپنڈی شہر کے گلی محلوں کے ایسے بازار بھی بند تھے جو کامیاب ترین سمجھی جانے والی ہڑتالوں میں بھی کبھی بند نہ ہوئے تھے۔ 1992ء میں بے نظیر بھٹو شہید کے لانگ مارچ کے موقع پر راولپنڈی شہر کو بری طرح سیل کیا گیا تھا اور دن بھر شہر کی مرکزی شاہراہ کے گردونواح میں پولیس اور جیالوں کے درمیان آنسو گیس پھینکنے اور پتھراؤ کا کھیل جاری رہا لیکن باوجود یہ کہ شہر کے مضافاتی بازار کھلے رہے، یہ پہلا موقع ہے کہ راولپنڈی شہر کے بڑے بازاروں سے لیکر چھوٹے گلی محلوں والے بازار بھی بند رہے۔ کیا سب سے پہلے خبر دینے کے دعویدار کسی نیوز چینلز کے لئے یہ کوئی خبر نہ تھی؟ راولپنڈی اور اسلام آباد کے درمیان چلنے والی میٹرو بس سروس دو دن بند رہی، کیا یہ اتنی بڑی خبر نہ تھی جس کا چرچا دن بھر رہتا؟ ممتاز قادری کو پھانسی دینے والے اور جنازے والے دن اسلام آباد کا ریکارڈ دن بند رہا اور اسلام آباد جانے والے راستوں کو رکاوٹیں کھڑی کر کے بند رکھا گیا۔ کیا یہ غیر معمولی پیش رفت نہ تھی جس کا ٹی وی چینلز پر ذکر کیا جاتا؟

راولپنڈی کی سڑکوں نے جذبات اور عقیدت کے وہ مناظر پہلی مرتبہ دیکھے ہیں جو ممتاز قادری کے جنازے میں شریک ہونے والے خاص وعام کے تھے۔ کیا میڈیا نے وہ مناظر رپورٹ کئے؟ کیا دھاڑیں مار کر روتے ہوئے اور لبیک یا رسول اللہ ﷺ کی صدائیں بلند کرتے سفید ریش بزرگ افراد اور میلوں پیدل چلتی ہوئی خواتین ٹی وی کیمروں کو دکھائی نہ دیں؟ میڈیا کی باخبر آنکھوں سے سارا دن ممتاز قادری کے میلوں پر محیط جنازے کے شرکاء غالب رہے۔ ایک تاریخی اجتماع جس کی حدیں ایک جانب کمیٹی چوک جبکہ دوسری جانب مریڑ چوک تک تھیں اور جس کے شرکاء کے سامنے لیاقت باغ کا میدان چھوٹا پڑ گیا۔ ہمارے باخبر اور آزاد میڈیا کی آنکھ سے دن بھر اوجھل رہا؟ میڈیا کی یہ کیسی آواز ہے جس سے نواز عہد میں ہمیں واسطہ پڑا ہے اور ٹی وی چینلز کی یہ کیسی خبریت ہے جو خبر کی سلیکشن میں بڑی حد تک جانبدار اور متعصب ہے؟ ایک روز قبل، جی ہاں محض ایک روز

قبل سارا دن میڈیا شرمین عبید چنائے کے ''عہد ساز کارنامے'' کے تبادلے میں ہمارے کان کھاتا رہا۔آسکر ایوارڈ جیتنے والی اس کی فلم کا کمال یہ ہے کہ اس کے ذریعے پاکستانی معاشرے کے ایک تاریخی پہلو کو دنیا بھر میں عام کیا گیا۔اس کی فلم کو آسکر ایوارڈ کی مستحق اس لئے سمجھا گیا ہے کہ دنیا جان سکے کہ دنیا میں جس ''اسلامی نظریاتی ریاست'' کا ڈنکا بجایا جاتا ہے وہاں کے وحشی مرد غیرت کے نام پر اپنی بہو بیٹیوں کو جان سے مار ڈالتے ہیں۔ایسی فلمیں مغرب کے ہاں لائق تحسین ہیں جو مسلمان معاشروں کی خرابیوں کو اجاگر کرتی ہیں۔شرمین عبید چنائے کی ''سیونگ فیس'' بھی ایسی ہی ایک فلم تھی جس نے گواہی دی کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مرد عورتوں کے چہروں پر تیزاب پھینک دیتے ہیں۔

میڈیا کی آزادی اور ایک قوم کی آزادی ہم معنی اور مترادف قرار دی جاتی ہیں جبکہ جمہور حکمرانوں کے لئے آزاد میڈیا لائف لائن کی مانند ہوتا ہے۔سمجھ میں نہیں آرہا کہ لمحہ موجود کے جمہوری حکمرانوں نے میڈیا کی آزادی سلب کر کے اپنے لئے مشکلات کا سامان کیوں کیا ہے؟ (3مارچ2016،روزنامہ اوصاف،لاہور)

عاشق کا جنازہ بڑی دھوم سے نکلا

سید مبشر الماس

سنٹرل جیل اڈیالہ میں پھانسی کی سزا پانے والے عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ممتاز قادری کی نماز جنازہ راولپنڈی کے تاریخی لیاقت باغ میں ادا کی گئی۔ نماز جنازہ میں تمام مکاتب فکر کے علماء، سیاسی وسماجی اور مذہبی جماعتوں کے قائدین سمیت لاکھوں افراد شریک ہوئے۔

سلمان تاثیر قتل کیس میں سزائے موت پانے والے ممتاز قادری کی نماز جنازہ لاکھوں افراد کی موجودگی میں ادا کر دی گئی۔ نماز جنازہ کے لئے راولپنڈی کا تاریخی لیاقت باغ چھوٹا پڑ گیا۔ لاکھوں کی تعداد میں شرکاء پنڈال کے اندر اور باہر موجود تھے جو درود شریف پڑھتے رہے۔ نماز جنازہ میں مختلف سیاسی و مذہبی تنظیموں کے رہنماؤں نے شرکت کی جبکہ ملک بھر سے لوگ قافلوں کی صورت میں راولپنڈی پہنچے۔

پاکستان کے علاوہ خلیجی و یورپی ممالک سے کئی افراد نماز جنازہ میں خصوصی طور پر شریک ہوئے۔ ممتاز قادری کے جنازے میں تاحد نگاہ عوام کا جم غفیر تھا۔ جنازے میں شرکت کے لئے آنے والے نعرے بازی کرتے رہے جبکہ میڈیا کوریج نہ ہونے پر میڈیا کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا گیا تاہم اس قدر بڑی تعداد میں آنے والے عاشقان مکمل طور پر پُر امن رہے اور دنیا کو پیغام دے دیا کہ ان سے زیادہ امن پسند کوئی نہیں ہے۔ انہوں نے اگرچہ جذبات کا اظہار نعرہ بازی سے کیا تاہم توڑ پھوڑ نہیں کی اور مکمل طور پر امن قائم رکھتے ہوئے ڈسپلن کے ساتھ ممتاز قادری کے سفر آخرت میں شریک ہوئے۔ ہر لب پر درود شریف تھا اور ہر آنکھ اشکبار تھی۔

ممتاز قادری کی میت کو ایمبولینس کے ذریعے اسلام آباد لے جایا گیا۔ میت کے

ہمراہ لوگ پیدل سفر کرتے رہے اور تا حد نگاہ انسانوں کا ایک سمندر نظر آ رہا تھا۔شرکاء کی بڑی تعداد کے باعث منٹوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہوا۔نماز جنازہ کے موقع پر سکیورٹی کے سخت انتظامات کئے گئے تھے اور پولیس اور رینجرز کے اہلکاروں کے ساتھ ساتھ نشانہ ور شوٹر اور خصوصی فورس کے اہلکاروں کی بھاری نفری تعینات تھی۔

راولپنڈی شہر کی بیشتر سڑکوں سے ٹریفک غائب اور کاروباری مراکز بند رہے۔ ممتاز قادری سے اظہار یکجہتی کے لئے راولپنڈی شہر غم اور سوگ کی تصویر بنا رہا۔شہر کے مختلف علاقوں میں گزشتہ روز سے بند ہونے والی کاروباری مارکیٹیں آج بھی بند رہیں۔شہر میں عملی طور پر تجارتی اور تعلیمی سرگرمیاں معطل رہیں۔ بیشتر تعلیمی اداروں میں تعطیل رہی جبکہ سرکاری اسکولوں میں حاضری نہ ہونے کے برابر تھی۔

دوسری جانب وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں بھی سکیورٹی کو ہائی الرٹ کیا گیا تھا اور ریڈ زون کو کنٹینر لگا کر بند کر دیا گیا۔سکیورٹی فورسز کے چاق و چوبند دستے سکیورٹی کے لئے تعینات کئے گئے تھے۔

دوسری طرف امیر جماعت اسلامی پاکستان سینیٹر سراج الحق کی اپیل پر ممتاز قادری کو پھانسی دیے جانے کے خلاف ملک بھر میں احتجاجی مظاہرے کئے گئے جبکہ ادھر ضلع باغ میں امیر جماعت اسلامی آزاد کشمیر کی قیادت میں ممتاز قادری کی شہادت پر احتجاجی مظاہرہ کیا گیا اور بعد ازاں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔

ملک ممتاز حسین قادری کی نماز جنازہ راولپنڈی کی تاریخی جلسہ گاہ لیاقت باغ میں ادا کی گئی۔ جسدِ خاکی ان کی رہائش گاہ صادق آباد سے 12 بجے کے قریب صندوق میں رکھ کر ایمبولینس کے ذریعے لیاقت باغ کی طرف لے جایا گیا۔ غازی ممتاز حسین قادری کے گھر سے لے کر لیاقت باغ پہنچنے تک مذہبی جماعتوں کے رضا کاروں نے ایمبولینس کو اپنے حصار میں لئے رکھا۔

ممتاز حسین قادری کے گھر سے ایمبولینس کے روانہ ہونے پر عقیدت مندوں کا

ایک سمندر ایمبولینس کے ہمراہ لیاقت باغ کی طرف روانہ ہوا۔اس موقع پر ایمبولینس میں ممتاز حسین قادری کے والد بشیر اعوان، بھائی دلپذ یر اعوان اور عابد ملک موجود تھے۔ ایمبولینس جس طرف سے گزرتی، عقیدت مندوں کی جانب سے نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، نعرۂ رسالت، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ،نعرۂ حیدری، یاعلی، یاعلی رضی اللہ عنہ کے فلک شگاف نعروں سے عقیدت مندوں کا خون گرمایا جاتا رہا۔ اسی طرح بڑی تعداد میں عقیدت مندوں کی نگاہیں نم تھیں۔ ہر کوئی ممتاز حسین قادری کی قسمت اور مقدر کوخراج تحسین پیش کررہا تھا۔

صادق آباد سے روانہ ہونے والی ایمبولینس کو لیاقت باغ پہنچنے تک دو گھنٹے کا وقت لگا جبکہ عقیدت مندوں کا جم غفیر لیاقت باغ کے چاروں اطراف اس طرح امڈ آیا تھا جس طرف دیکھو تو سر ہی سر نظر آتے تھے۔ اگر مری روڈ کو فیض آباد سے دیکھا جائے تو شمس آباد سے لوگ جوق در جوق لیاقت باغ کی طرف چلے آرہے تھے اور یہ سلسلہ جنازہ پڑھے جانے کی یقینی خبر سننے تک جاری رہا جبکہ کوہاٹی بازار تک عقیدت مندوں نے صفوں کو ترتیب دیا اور نماز جنازہ میں شرکت کی۔ اسی طرح لیاقت باغ سے صدر کی طرف جایا جائے تو موتی محل سے آگے تک صف بندی کی گئی جبکہ عقیدت مندوں کے لئے کئے جانے والے انتظامات ناکافی نظر آئے۔ لاؤڈ سپیکر کمیٹی چوک سے پہلے تک لگائے گئے تھے جبکہ دوسری طرف سپورٹس کمپلیکس تک عقیدت مندوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ان انتظامات سے آگے بڑھ چکا تھا۔

عقیدت مندوں کی لیاقت باغ آمد کا سلسلہ رات گئے شروع ہو گیا تھا۔ بیرون ملک اور ملک کے دور دراز علاقوں سے عقیدت مند لاکھوں کی تعداد میں آئے جہاں غیر متوقع طور پر اتنی بڑی تعداد میں عقیدت مند اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم راولپنڈی پہنچے، وہیں پر راولپنڈی کے گردونواح کے علاقوں سے آنے والے شہری ٹرانسپورٹ کی سہولیات میسر نہ آنے کی وجہ سے ممتاز قادری کے جنازے میں شریک نہ ہونے پر ندامت اور پچھتاوے کا اظہار کرتے رہے۔

نمازِ جنازہ کی ادائیگی کے لئے بڑی تعداد میں مذہبی، سیاسی، سماجی، سول سوسائٹی کی

نمایاں شخصیات نے خصوصی شرکت کی۔ اس موقع پر مفتیٔ اعظم مفتی منیب الرحمن، سربراہ سنی تحریک ثروت اعجاز قادری، ڈاکٹر اشرف آصف جلالی، علامہ حامد سعید کاظمی، پیر سید ریاض حسین شاہ، صاحبزادہ حامد رضا، علامہ خادم حسین رضوی، پیر سعادت علی شاہ سمیت بلاتفریق معاشرے کے ہر مکتبہ فکر کے لوگوں نے جنازے میں شرکت کی۔ نماز جنازہ میں شریک افراد یہ دعوٰی کرتے بھی نظر آئے کہ ممتاز حسین قادری کا جنازہ پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ ہے۔

نماز جنازہ 3 بج کر 45 منٹ پر ادا کی گئی جس کی وجہ سے ہزاروں کی تعداد میں افراد آواز نہ پہنچنے کی وجہ سے نماز جنازہ سے محروم رہے اور بعض اس وہم میں کہ جنازہ ہو چکا ہے، قبل از وقت ہی واپس ہو گئے۔

نماز جنازہ کی ادائیگی

نماز جنازہ ممتاز حسین قادری کی وصیت کے مطابق پیر سید حسین الدین شاہ نے پڑھائی۔ بعد ازاں تدفین کے لئے جسد خاکی کو غازی ممتاز حسین قادری کے آبائی گاؤں اٹھال کی جانب روانہ کر دیا گیا جہاں پر ان کی تدفین کا عمل مکمل کیا گیا۔ ضلعی انتظامیہ کی جانب سے نماز جنازہ کی ادائیگی کے موقع پر سکیورٹی کے لئے فول پروف انتظامات کرنے کا دعوٰی بھی دھرے کا دھرا رہ گیا۔ محرم الحرام کی طرز پر سکیورٹی انتظامات کرنے کا اعلان کیا گیا تھا کہ ممتاز حسین قادری کی رہائش گاہ سے لے کر لیاقت باغ تک صرف اور صرف پیدل افراد کو جامہ تلاشی کے بعد داخلے کی اجازت دی جائے گی، تاہم نماز جنازہ سے قبل موٹر سائیکلوں کی بڑی تعداد پیدل افراد کے درمیان ہارن بجاتی اور راستہ مانگتی نظر آئی۔ اسی طرح مری روڈ کے اطراف میں بڑی تعداد میں موٹر سائیکل پارک کر دیئے گئے تھے، تاہم عقیدت مندوں نے جذبۂ ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پرامن طریقے سے نماز جنازہ پڑھی اور بغیر کسی اشتعال انگیزی اور توڑ پھوڑ کے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔

(روزنامہ اوصاف، لاہور، 2 مارچ 2016ء)

عشق وفا کی سولی پر جھول گیا

سید مبشر الماس

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا، وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی کوئی بات نہیں

وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فرق تھا، لبوں پر درود شریف کا ورد، جس پر سجدے سجے رہتے تھے۔ دل میں اسلام اور بانیٔ اسلام کی محبت کا سمندر موجزن تھا کہ 4 جنوری 2011ء کی سرد شام اس کی روحانی زندگی کو امر کر گئی۔ محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تڑپتی ہوئی ایک آہ ممتاز قادری کے لبوں سے اس طرح نکلی کہ وہ پنجاب کے گورنر سلمان تاثیر کا سینہ چیر گئی۔ اس روز سلمان تاثیر بحیثیت گورنر پنجاب شیخوپورہ میں قید توہین رسالت کی ملزمہ آسیہ کی رہائی کا پروانہ لینے گئے تھے لیکن آسیہ جیل خانے کے در و دیوار سے کان لگائے سلمان تاثیر کی آہٹ کی منتظر ہی رہی اور وہ راہِ عدم کے مسافر بن کر اپنے نظریات اور عقائد کی لحد میں اتر گئے۔ چار جنوری 2011ء کی سہ پہر تک کوئی نہ جانتا تھا کہ ممتاز حسین قادری کون ہے؟ لیکن وقت کا پہیہ اس تیزی سے گھوما کہ ملک ممتاز حسین قادری راتوں رات ہیرو بن گیا۔ جب یہ واقعہ ہوا تو پورا معاشرہ دو حلقوں میں بٹ گیا۔

ایک وہ جو اس واقعہ کو افسوس کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور دوسرا وہ حلقہ جو توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قانون میں تبدیلی کے سخت مخالف ہے۔ اول الذکر سوچ کے حامی افراد نے سلمان تاثیر کے قتل کے خلاف مظاہرے کئے اور قاتل کو کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کیا۔ وہیں دوسری سوچ کے حامل افراد نے ممتاز حسین قادری کے حق میں اس امر کو

طشت از بام کیا کہ انہوں نے غازی علم الدین شہید کے افکار کو دوبارہ زندہ کر دیا ہے۔

راولپنڈی کے رہائشی میٹرک پاس 31 سالہ ممتاز قادری 1985ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے بھائی دل پذیر اعوان کے مطابق وہ انتہائی شریف النفس، باادب اور ملنسار تھے۔ پانچ وقت کے پابند صوم وصلوٰۃ، تمام بھائیوں میں چھوٹے اور سب سے زیادہ دین دار تھے۔ ممتاز قادری پنجاب پولیس میں ملازم ہوئے تو ان کی ڈیوٹی گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے حفاظتی دستے میں لگا دی گئی۔ گورنر سلمان تاثیر نے توہین رسالت کی ملزمہ آسیہ کے لئے قانون کو کالا قانون کہا تو ممتاز قادری اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ ممتاز قادری نے سلمان تاثیر سے استدعا کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخی کرنے والی آسیہ بی بی کا ساتھ نہ دیں اور ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قانون کا احترام کریں تاکہ آئندہ کوئی ایسی گستاخی نہ کر سکے لیکن سلمان تاثیر اپنے مؤقف پر ڈٹے رہے۔

تب 4 جنوری 2011ء کو ممتاز قادری نے سلمان تاثیر کو 27 گولیاں ماریں اور وہ جانبر نہ ہو سکے۔ اس واقعہ کے بعد ممتاز حسین وہاں سے بھاگا نہیں بلکہ خود کو قانون کے حوالے کر دیا اور اقبال جرم کرتے ہوئے ہر سزا کو قبول کرنے کا عہد کیا۔ ممتاز قادری نے عدالت کے روبرو اپنے اعترافی بیان میں کہا کہ اُس نے سلمان تاثیر کو اس لئے قتل کیا کہ انہوں نے توہین رسالت کے قانون میں ترمیم کی حمایت کی تھی۔

اسلام آباد کی انسداد دہشت گردی کی ایک عدالت نے 2011ء میں ممتاز قادری کو دو بار سزائے موت اور جرمانے کی سزا سنائی تھی۔ ممتاز قادری نے اس سزا کے خلاف اسلام آباد ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی تھی جس پر عدالت عالیہ نے انسداد دہشت گردی کی دفعات کے تحت ممتاز قادری کو سنائی گئی سزائے موت کو کالعدم قرار دے دیا تھا، تاہم فوجداری قانون کی دفعہ 302 کے تحت اس کی سزائے موت کو برقرار رکھا گیا۔ اسلام آباد ہائیکورٹ کے فیصلے کے خلاف جب سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی گئی تو عدالت عظمٰی

نے ممتاز قادری کی اپیل خارج کرتے ہوئے انسداد دہشت گردی کی عدالت کے فیصلے کو بحال کر دیا۔ سپریم کورٹ کے تین رکنی بنچ نے اپنے ریمارکس میں کہا تھا کہ توہین مذہب کے مرتکب کسی شخص کو اگر لوگ ذاتی حیثیت سے سزائیں دینا شروع کر دیں تو اس سے معاشرہ میں انتشار پیدا ہو سکتا ہے۔ عدالت عظمیٰ کے تین رکنی بنچ کے فیصلے کے خلاف ممتاز قادری نے سپریم کورٹ میں نظر ثانی کی بھی درخواست کی لیکن اسے بھی خارج کر دیا گیا جبکہ صدر پاکستان نے بھی ممتاز قادری کی رحم کی اپیل مسترد کر دی تھی۔ چنانچہ گورنر پنجاب سلمان تاثیر کو قتل کرنے کے جرم میں اتوار اور پیر کی درمیانی رات کو انہیں اڈیالہ جیل میں تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ وہ عشق کی سولی پر جھول گئے اور غازی علم دین شہید کی یادوں کو تازہ کر گئے۔

یہ خبر دنیا بھر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ حکومت نے احتجاج کے پیش نظر راولپنڈی اور اسلام آباد سمیت ملک بھر میں سکیورٹی ہائی الرٹ کر دی۔ پھانسی کے وقت اڈیالہ جیل جانے والے تمام راستوں کو سیل کر دیا گیا تھا اور ان کا جسد خاکی قانونی کارروائی پوری کرنے کے بعد اہل خانہ کے حوالے کر دیا گیا۔

پاکستان کی 70 سالہ تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کا انوکھا واقعہ ہے کہ کسی حکومتی عہدیدار کو توہین رسالت کی بنا پر قتل کرنے والے سرکاری اہلکار کو ملکی عدالتوں نے موت کی سزا سنائی۔ صدر پاکستان نے رحم کی اپیل مسترد کر دی اور وہ پھانسی کے پھندے پر جھول گیا۔ ایسے میں یہ اشعار بے اختیار لبوں پر مچل جاتے ہیں:

کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں، کب ہاتھ میں تیرا ہاتھ نہیں
صد شکر کہ اپنی راتوں میں، اب ہجر کی کوئی رات نہیں
مشکل ہیں اگر حالات وہاں، دل بیچ آئیں جاں دے آئیں
دل والو! کوچۂ جاناں میں، کیا ایسے بھی حالات نہیں

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا، وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی تو کوئی بات نہیں
میدان وفا دربار نہیں، یاں نام ونسب کی پوچھ کہاں؟
عاشق تو کسی کا نام نہیں، کچھ عشق کسی کی ذات نہیں
گر بازی عشق کی بازی ہے، جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا، ہارے بھی تو بازی مات نہیں

(روزنامہ اوصاف، لاہور، 2 مارچ 2016)

ممتاز قادری کی پھانسی

شمع رسالت ﷺ کا پروانہ ناموس رسالت ﷺ پر فدا ہوگیا

روزنامہ اوصاف کا اداریہ

توہین رسالت قانون پر کڑی تنقید کرنے اور توہین رسالت کی مرتکب عیسائی خاتون کے حق میں بیان دے کر اہل اسلام کے جذبات کو مجروح کرنے والے سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے قتل کے جرم میں عاشق رسول ممتاز قادری کو پھانسی دے دی گئی ہے۔ سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے قتل کے مجرم ممتاز قادری کو علی الصبح راولپنڈی کی اڈیالہ جیل میں تختہ دار پر لٹکایا گیا۔ اس موقع پر جیل کے اندر اور اطراف سکیورٹی کے انتہائی سخت انتظامات کئے گئے تھے۔ ممتاز قادری شہید کو سزائے موت کے خلاف ملک کے مختلف شہروں میں احتجاجی ریلیاں نکالی گئیں اور لاہور میں مظاہرین نے ممتاز قادری کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی اور ٹائروں کو آگ لگا کر سڑک بلاک کر دی۔ راولپنڈی میں بھی مظاہرین ممتاز قادری کو سزائے موت کے خلاف میٹرو بس کے ٹریک پر آ گئے تاہم لاہور اور راولپنڈی، اسلام آباد میں انتظامیہ نے میٹرو بس سروس کو بند رکھا۔ حیدر آباد میں مظاہرین نے ٹائر جلا کر روڈ بلاک اور سکول بند کروا دیئے۔ عاشق رسول ممتاز قادری شہید نے سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر کو 4 جنوری 2011ء کو اسلام آباد کی کوہسار مارکیٹ میں فائرنگ کر کے موت کے گھات اتار دیا تھا۔

غازی ممتاز قادری کے خلاف پہلے انسداد دہشت گردی کی عدالت نے سزائے موت کا حکم دیا پھر اسلام آباد ہائی کورٹ نے بھی سزائے موت کے فیصلے کو برقرار رکھا اور پھر

گزشتہ برس دسمبر میں سپریم کورٹ نے بھی ممتاز قادری کی درخواست مسترد کر دی تھی اور صدر ممنون حسین نے بھی چند روز قبل ممتاز قادری کی رحم کی اپیل مسترد کر دی تھی۔

سنی تحریک کی جانب سے جاری کئے گئے بیان میں کہا گیا ہے کہ ممتاز قادری کی نماز جنازہ آج منگل کی دوپہر راولپنڈی کے لیاقت باغ میں ادا کی جائے گی۔ سزائے موت پر عمل درآمد کے خلاف احتجاج کے پیش نظر، راولپنڈی اور اسلام آباد کے علاوہ ملک بھر میں سکیورٹی سخت کر دی گئی ہے۔ اسلام آباد میں ریڈ زون کو سیل کر دیا گیا۔ پولیس اور رینجرز کے جوانوں کی بڑی تعداد راولپنڈی اور اسلام آباد میں تعینات ہے۔ اسلام آباد میں وکلاء کی تنظیم اسلام آباد کونسل نے بھی پھانسی کے خلاف ہڑتال کرنے اور احتجاجاً عدالتوں میں پیش نہ ہونے کا اعلان کیا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ممتاز قادری شہید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے انتہا محبت کا ثبوت دیا اور انہوں نے نبی ختمی مرتبتکو اپنی جان، اپنے مال اور اپنے بچوں سے زیادہ عزیز رکھنے کا عملی ثبوت پیش کیا۔ وہ پھانسی کی سزا پانے کے بعد اپنے رب کے حضور پیش ہو گئے۔ پھانسی دیئے جانے کا معاملہ انتہائی خفیہ رکھا گیا اور اس بارے میں پنجاب کے محکمہ جیل خانہ جات کے چند افسران ہی باخبر تھے۔ یہاں تک کہ جلاد کو خصوصی گاڑی کے ذریعے اتوار کی شب لاہور سے راولپنڈی کی اڈیالہ جیل پہنچایا گیا جبکہ عموماً پھانسی دینے والے جلاد کو دو دن پہلے آگاہ کر دیا جاتا ہے کہ کس جیل میں قیدیوں کو تختہ دار پر لٹکانا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ممتاز قادری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پایاں محبت کا ثبوت دیا اور انہیں اپنی جان، مال و اولاد سے بڑھ کر فوقیت دی اور ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحفظ کی خاطر ایک مثال بن کر پھانسی کا پھندہ چوم لیا۔ اسی حوالے سے مولانا ظفر علی خان نے بھی کہا تھا کہ نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ یثرب کی عزت پر، خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا۔

ہم اس موقع پر جڑواں شہروں کے مکینوں سے بالخصوص اور ملک بھر کے عوام

سے بالعموم یہ گزارش کریں گے کہ وہ اس موقع پر جذبات کی رو میں بہہ کر قومی اور نجی املاک کو ہرگز نقصان نہ پہنچائیں، مکمل امن قائم رکھیں اور ایمان کے تقاضوں اور اسلام کی ابدی تعلیمات کو پیش نظر رکھیں۔ شر پسندوں کو اپنی صفوں میں نہ گھسنے دیں۔ نبی پاک ﷺ سے بے انتہا محبت کا ثبوت دیں انہیں اپنی جان، مال اور ہر شے پر مقدم رکھیں اور فوقیت دیں۔ ایمان کا یہی تقاضا ہے۔ عوام کا یہ کہنا غلط نہیں کہ ریمنڈ ڈیوس کو رہائی اور ممتاز قادری کو پھانسی انصاف کا دہرا معیار نہیں؟

(منگل یکم مارچ 2016ء)

ممتاز دو جہاں میں ممتاز ہو گیا

مقدمے کی تاریخ بہ تاریخ روئیداد

عمر فاروق

29 فروری کی صبح سب سے پہلے جو میسج میرے موبائل پر آیا وہ یہ تھا کہ لبرل اور سیکولر حکمرانوں نے غازی ممتاز کو پھانسی دے دی جبکہ تھوڑی دیر بعد جو فون آیا تو وہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ایک رہنما تھے جنہوں نے سلام ودعا کے بعد فوراً کہا کہ ممتاز قادری کی شہادت مبارک ہو۔ میں نے خبر کی مزید تصدیق کے لئے ٹی وی کا بٹن آن کیا تو ٹی وی پر آسکر ایوارڈ کی تقریب چل رہی تھی اور کوئی پاکستانی شرمین عبید چنائے نامی خاتون یہ ایوارڈ جیتنے میں کامیاب ہوئی تھیں جس پر مبارک بادوں کا سلسلہ جاری تھا۔ خیر انہی خبروں میں ایک چھوٹی سی خبر غازی ممتاز قادری کی پھانسی کی بھی چل رہی تھی۔

اس نے وہ ساز چھیڑ دیا بسوز دل
سارا جہاں اس کا ہم آواز ہو گیا
تاریخ کچھ ایسی ہمت و جرأت کی رقم کی
ممتاز دو جہاں میں ممتاز ہو گیا

حکمرانوں نے ممتاز قادری کے لئے ایک ایسی تاریخ کا انتخاب کیا جو چار سال بعد آتی ہے، یعنی فروری کی 29 تاریخ۔ اس سے حکمرانوں کا مقصد واضح ہو رہا تھا کہ مولوی لوگ ہر سال ممتاز قادری کا یوم شہادت نہ منا سکیں۔ حکمرانوں کی اس ذہنیت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ملک کی نظریاتی سرحدوں سے کیا کھیل کھیل رہے ہیں۔ اس پھانسی سے قبل

''بیانیہ'' کے نام سے ایک مہم چلائی گئی جس میں سیکولر طبقے نے ''مذہبی طبقے'' کو خوب رگیدا اورانہیں پس منظر میں دھکیلنے کی کوشش کی۔ غازی ممتاز حسین قادری کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا کر حکمرانوں نے روزروز کی وہ ٹائیں ٹائیں ختم کر دیں جو مذہبی جماعتیں کر رہی تھیں۔ ویسے مذہبی جماعتوں نے بھی سخت مایوس کیا۔ ایک طرف غازی ممتاز قادری کو قومی ہیرو قرار دیا تو دوسری طرف وہ چند سو سے زائد افراد کو بھی سڑکوں پر نہیں لا سکے جس سے حکمرانوں کے حوصلوں کو مہمیز ملی اور انہوں نے وہ قدم اٹھایا جس کی کسی کو توقع نہیں تھی۔ واضح رہے کہ یہ وہ اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے کہ جس میں کسی بھی گستاخ رسول کو آج تک پھانسی نہیں دی گئی۔

غازی ممتاز حسین قادری کو جس مقدمے میں پھانسی دی گئی ہے، اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

ملک ممتاز حسین قادری ولد محمد بشیر اعوان۔ قوم اعوان، ساکن مکان نمبر 4501-B.V.۔ سٹریٹ نمبر 5، مسلم ٹاؤن، راولپنڈی

مقدمہ: ایف۔ آئی۔ آر نمبر 6 سال 2011

تھانہ: کوہسار مارکیٹ۔ اسلام آباد

جرم زیر دفعہ 302/109 تعزیرات پاکستان، دفعہ (7(a۔ انسداد دہشت گردی ایکٹ 1997۔

ملک محمد ممتاز حسین قادری سابقہ گورنر سلمان تاثیر کے حفاظتی دستے میں شامل اور ان کی حفاظت پر مامور تھا۔ سابقہ گورنر اپنے ایک دوست کے ساتھ کوہسار مارکیٹ اسلام آباد میں واقع ایک ریسٹورنٹ میں لنچ کرنے گیا۔ واپسی پر ملک محمد ممتاز حسین قادری نے سابقہ گورنر کے گاڑی میں بیٹھنے سے قبل اس سے یہ بات کی کہ آپ قانون توہین رسالت کو کالا قانون کیوں کہتے ہیں حالانکہ آپ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہیں؟ یہ سن کر گورنر نے انتہائی حقارت آمیز لہجے میں کہا کہ میں کہتا ہوں کہ نہ صرف کالا قانون ہے بلکہ میں اس

قانون کونہیں مانتا۔ اس مقدس قانون کے خلاف سابقہ گورنر کے یہ توہین آمیز اور اشتعال انگیز جملے سن کر ملک محمد ممتاز قادری اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور انہوں نے بوجہ حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشتعال میں آ کر گورنر کو اپنی گن سے فائر کرتے ہوئے مار ڈالا اور فوراً اپنی گن کو زمین پر رکھ کر اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔

چنانچہ ان کے خلاف 4 جنوری 2011ء کو FIR نمبر 6 / 11 درج کی گئی اور انسداد دہشت گردی اسلام آباد/ راولپنڈی کی عدالت میں ان کے خلاف مقدمہ چلایا گیا۔ عدالت نے انہیں بطور تعزیر (302(b تعزیرات پاکستان کے تحت تابع توثیق ہائیکورٹ موت کی سزا دی اور مقتول کے ورثا کو 544-A تعزیرات پاکستان کے تحت مبلغ ایک لاکھ روپیہ معاوضہ ادا کرنے کا بھی حکم دیا۔ عدم ادائیگی کی صورت میں چھ ماہ قید کا حکم سنایا پھر انسداد دہشت گردی ایکٹ 1997 کی دفعہ (7(a کے تحت تابع توثیق ہائی کورٹ نے سزائے موت کا حکم سنایا اور ایک لاکھ جرمانہ بھی عائد کیا اور جرمانہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں چھ ماہ قید محض کا حکم سنایا۔ چنانچہ ملک ممتاز حسین قادری نے اپنی اس سزا کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل کی اور ہائی کورٹ اسلام آباد نے انسداد دہشت گردی ایکٹ 1997ء کی دفعہ (7(a کے تحت دی جانے والی سزا کو منسوخ کر کے ممتاز حسین قادری کو بری کر دیا تاہم دفعہ (302(b تعزیرات پاکستان کے تحت دی جانے والی سزائے موت کو اپنے حکم جاری کردہ 9 مارچ 2015ء میں برقرار رکھا۔

ملک ممتاز حسین قادری نے اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ آف پاکستان سے اپیل دائر کرنے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے ایک پٹیشن دائر کی۔ ریاست کی طرف سے بھی ہائیکورٹ اسلام آباد کے فیصلے کے اس حصہ کے خلاف اپیل دائر کرنے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے پٹیشن داخل کی گئی جس کے تحت ملک محمد ممتاز قادری کو انسداد دہشت گردی ایکٹ کی دفعہ (7(a کے تحت ملنے والی سزا سے بری کر دیا گیا تھا۔ یاد رہے کہ پٹیشن مقتول کے

ورثا کی طرف سے دائر کی گئی تھی گویا مقتول کے ورثا اس فیصلے سے مطمئن تھے بلکہ ریاست نے ازخود یہ پٹیشن دائر کردی تھی۔ دونوں پٹیشنز میں سپریم کورٹ آف پاکستان نے اپیل دائر کرنے کی اجازت دے دی جن کے نمبر 210 اور 211 بابت سال 2015ء تھے۔

دونوں اپیلیں مورخہ 5 اکتوبر تا 7 اکتوبر 2015ء سپریم کورٹ آف پاکستان میں سنی گئیں جس میں ملک محمد ممتاز قادری کی طرف سے دائر کردہ اپیل کو مسترد کردیا گیا جبکہ ریاست کی طرف سے دائر کردہ اپیل کو قبول کرلیا گیا جس کی وجہ سے انسداد دہشت گردی کی عدالت کی طرف سے انسداد دہشت گردی ایکٹ کی دفعہ (a)7 کے تحت دی جانے والی سزا کو برقرار رکھا گیا اور ہائی کورٹ اسلام آباد نے ملک محمد ممتاز قادری کی بریت کا جو حکم دیا تھا اسے منسوخ کردیا گیا۔

مذہبی جماعتیں یہ سمجھتی ہیں کہ ہائی کورٹ اسلام آباد اور سپریم کورٹ آف پاکستان کے فیصلے کتاب وسنت اور چودہ سو سالہ امت کے اجماعی مؤقف کے سراسر خلاف ہیں۔ عدالتوں نے یہ فیصلے کرتے ہوئے آئین پاکستان اور مروّجہ قوانین کا لحاظ نہیں رکھا جن کی رو سے ہماری عدالتیں پابند ہیں کہ وہ کتاب وسنت کو ملک کا سپریم لاء سمجھتے ہوئے اسلامی قوانین کی روشنی میں فیصلے کریں اور اگر انہیں کسی مسئلے پر ایسا محسوس ہو کہ مروّجہ قوانین اسلامی قوانین سے متصادم ہیں تو وہ ان کی وہ تعبیر وتشریح کریں جو اسلامی قوانین کے مطابق ہو، آئین پاکستان اور مروجہ قوانین کے علاوہ بہت سے عدالتی فیصلوں سے بھی یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ملی مجلس شرعی نے اس ساری صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے ایک شرعی فتوی بھی مرتب کیا جس میں کتاب وسنت اور مجتہدین امت سے سابقہ گورنر کے گستاخ اور مباح الدم ہونے کے بارے میں ناقابل تردید دلائل پیش کئے گئے۔ اسی فتوی میں ملک ممتاز قادری کے اقدام کے صائب اور مبنی برجواز ہونے

پر بھی ٹھوس دلائل پیش کئے گئے اور یہ بھی واضح کیا گیا کہ کتاب وسنت کی تصریحات اور امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ گستاخ رسول اور مرتد کو قتل کرنے والے پر کوئی قصاص و دیت نہیں ہے لہٰذا اسلامی قانون کے سپریم لا ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ عدالتیں ملک محمد ممتاز قادری کو باعزت بری کرتیں اور انہیں کوئی سزا نہ دی جاتی۔ اندریں صورت ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ملک ممتاز حسین قادری کے ساتھ عدالتوں نے انصاف نہیں کی اور انہیں جو سزا دی گئی ہے وہ نہ صرف اسلام کی رو سے غلط ہے بلکہ یہ اسلامی قوانین اور چودہ سو سالہ امت کے اجماعی مؤقف کو مسخ کرنے کی کوشش بھی ہے جس سے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کا شدید خطرہ ہے۔

ملک ممتاز قادری کے والد نے ایک ماہ قبل صدر مملکت کے نام برائے حصول انصاف و تنسیخ سزائے موت وغیرہ، درخواست زیر آرٹیکل 45 آئین پاکستان 1973ء تحریر کی۔

محترم صدر صاحب!

آپ کو آئین پاکستان کی دفعہ 45 کے تحت اختیار حاصل ہے کہ آپ کسی بھی عدالت کی طرف سے کسی بھی ملزم کو دی جانے والی سزا کو جزوی یا کلی ختم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ بنیادی طور پر آپ سربراہ مملکت ہیں اور ملک میں رائج نظام، قضا و عدل درحقیقت آپ ہی کے اختیارات کا ایک تسلسل ہے اور آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ آپ ازراہ کرم ایک عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غلط عدالتی فیصلوں کی بھینٹ چڑھنے سے بچالیں کیونکہ اس طرح ایک مرتد کے بدلے مسلمان کا قتل لازم آئے گا اور شریعت اسلامیہ کی مسلمہ تعلیمات مسخ ہو کر رہ جائیں گی۔ جس پر ہم سب کو اس دنیا میں اللہ رب العزت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غیظ و غضب کا سامنا کرنا پڑے گا اور آخرت میں بھی باز پرس ہوگی۔ آپ کا غازی ملک

ممتاز حسین کی سزاؤں کو ختم کرنا نہ صرف آپ کے منصب کا تقاضا ہے بلکہ یہ آپ کے لئے دنیاوی اور اخروی فلاح کا باعث بھی بن سکتا ہے۔

انہوں نے مزید لکھا کہ سب سے افسوس ناک بات یہ ہے کہ فاضل جج صاحبان نے ملک ممتاز قادری کو انسداد دہشت گردی ایکٹ کے تحت بھی سزائے موت سنادی جبکہ ریکارڈ پر کوئی بھی ایسی شہادت موجود نہ تھی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اس نے دہشت گردی کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

یہ طے شدہ قانون ہے کہ دہشت گردی کے جرم کا ارتکاب کسے کہتے ہیں۔ یہ طے شدہ قانون ہے کہ دہشت گردی اسے ہی سمجھا جائے گا جب ملزم کی یہ نیت آشکار ہو کہ وقوعہ کے وقت وہ اپنے فعل سے لوگوں میں خوف و ہراس، سراسیمگی اور عدم تحفظ کا احساس پیدا کرنا چاہتا تھا۔ وقوعہ کے بعد کیا ہوتا ہے یہ غیر متعلق ہے جیسا کہ لاہور ہائیکورٹ کے ایک معروف مقدمہ میں یہی کہا گیا ہے۔ ''بشارت علی بنام سرکار پی ایل ڈی 2004 لاہور صفحہ 199 ڈی بی'' عدالت نے وقوعہ کے وقت دہشت پھیلانے کی نیت کو ملک محمد ممتاز قادری کے اس بیان سے ثابت ہونا سمجھ لیا جو اس نے دفعہ 342 تعزیرات پاکستان کے تحت واقعہ کے 8 ماہ بعد دیا اور وہ بیان بھی بالکل کسی اور تناظر میں دیا گیا جس کا مقصد یہ تھا کہ ارتداد اختیار کرنے والوں کو بالآخر اسی انجام سے گزرنا پڑے گا اور یہ ایک تنبیہ تھی جسے دہشت پھیلانے کی نیت بنا دیا گیا لہٰذا اسے دہشت گردی قرار دینا اور انسداد دہشت گردی ایکٹ کی دفعات کا اس پر اطلاق کرنا قانون کا مذاق اڑانا اور سراسر ناانصافی ہے۔ اگر اسلامی تناظر میں دیکھا جائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاتمین کو جہنم رسید کرنے کی تحسین فرمائی ہے۔

جناب صدر! یہ کیسی دہشت گردی تھی کہ جس پر پورے ملک میں خوشی سے مٹھائیاں بانٹیں گئیں اور اسلام آباد میں کاروبار اس وقوعہ کے بعد بھی مکمل امن و امان اور سکون و عافیت کے ساتھ چلتا رہا؟

غازی ممتاز حسین قادری کی سزا پر اعتراض کرنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بات بھی تعجب خیز ہے کہ اس حساس مقدمے میں کسی مرحلہ پر علماء کرام سے رائے لینا مناسب نہ سمجھا گیا اور عدالتوں نے خالصتاً اپنے فہم پر انحصار کرتے ہوئے حتمی رائے قائم کر لی کہ سابقہ گورنر سے توہین رسالت کا صدور نہیں ہوا ہے۔ جج صاحبان تو شریعت اسلامیہ کی بنیادی اصطلاحات اور اس کے ابجد تک سے واقف نہ تھے۔ انہوں نے فقہاء، علماء اور اماموں کی آراء تحقیق اور استنباط و اشتہاد کو محض انسانی آراء کہہ کر نظرانداز کر دیا لیکن اپنی ذاتی رائے کو سب پر ترجیح دی۔'' (روزنامہ اوصاف، لاہور، 1 مارچ 2016ء)

ممتاز قادری کی ''اوصاف'' سے محبت

ایک رشتہ جاں جو سب سے سوا تھا

ملک عمران

سابق گورنر سلمان تاثیر کو قتل کرنے والے غازی ممتاز حسین قادری سنٹرل اڈیالہ جیل راولپنڈی میں باقاعدگی سے اوصاف کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔اس بات کا ذکر وہ اپنے اہل خانہ کو لکھے گئے خطوط میں بھی کیا کرتے تھے۔ممتاز قادری اپنے اہل خانہ سے ملاقاتوں کے دوران نہ صرف اوصاف کا ذکر کرتے بلکہ ملاقات کے آخر میں دعا کی جاتی جس میں پاکستان، پاکستان آرمی، امت مسلمہ اور اوصاف کی ترقی کے لئے بھی خصوصی دعا کرتے۔اوصاف کو ان کے بھائی دلپذیر اعوان سے ملنے والی معلومات کے مطابق ممتاز قادری سنٹرل اڈیالہ جیل میں ایک کتاب لکھ رہے تھے جو مکمل کر لی گئی تھی تاہم اس کی اشاعت کے حوالے سے ابھی تک انہوں نے فیصلہ نہیں کیا تھا۔اہل خانہ سے آخری ملاقات میں انہوں نے کتاب شائع کرنے کی بھی وصیت کی ہے جو آئندہ آنے والے دنوں میں شائع کر دی جائے گی۔اس کتاب میں بھی انہوں نے اوصاف کے کردار کو سراہا ہے تاہم وہ باقی میڈیا کے حوالے سے مایوسی کا اظہار کیا کرتے تھے۔اوصاف نے بھی ہمیشہ ممتاز قادری اور تحفظ ناموس رسالت کے لئے اپنی تمام تر کاوشوں کو بروئے کار لانے کی کوشش کی یہاں تک کہ دو سال قبل جب ممتاز قادری کے کیس میں سلمان تاثیر فیملی نے صلح کی حامی بھر لی تھی تو اوصاف واحد اخبار تھا جس نے نہ صرف اس حوالے سے خبروں کی اشاعت کی بلکہ صلح کے لئے کردار ادا کرنے والے علماء کرام اور اکابرین کے کردار کو بھی سراہا۔

اس موقع پر بھی غازی ممتاز حسین قادری نے اوصاف کے نام اپنے ایک پیغام میں اپنے ایک خواب کا ذکر کیا اور اپنے بھائی دلپذیر اعوان کو تلقین کی کہ وہ اس خواب کا ذکر اوصاف کی رپورٹنگ ٹیم سے ضرور کریں۔ دلپذیر اعوان نے وہ خواب کچھ یوں بیان کیا کہ ممتاز قادری کا کہنا ہے کہ صبح نماز سے قبل انہوں نے خواب میں دیکھا کہ انہیں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک خوب صورت باغ میں تشریف فرما ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اصل زندگی مرنے کے بعد کی ہی ہے پھر روشنیوں کا ایک مینار بلند ہوتا ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ اڈیالہ جیل کی کال کوٹھڑی میں روشنی ہی روشنی ہے۔ اسی دوران فجر کی آواز میرے کانوں میں گونجتی ہے اور میں اٹھ کر بیٹھ جاتا ہوں، میرے ماتھے پر پسینہ اور جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے اور زار و قطار رونے لگ جاتا ہوں اور اپنے رب سے دعا کرتا ہوں کہ اے رب العالمین! میری حاضری قبول فرما۔

ممتاز قادری کے بھائی دل پذیر اعوان اوصاف سے ملاقات کے دوران اکثر اس خواب کا ذکر بھی کرتے اور کہا کرتے تھے کہ غازی ممتاز حسین قادری زندگی اور موت کے معاملے میں کسی امید یا خوف سے بالاتر ہو کر اپنی عقبیٰ کو سنوارنے میں مصروف رہتے تھے۔ نہ تو انہیں زندگی کا لالچ تھا اور نہ ہی ان کو موت سے کبھی ڈرتے دیکھا۔ اوصاف نے دل پذیر اعوان کے ذریعے ممتاز قادری کو مختلف اوقات میں، کچھ سوالات بھی بھجوائے تھے جو وقتاً فوقتاً اوصاف میں شائع بھی ہوتے رہے، ان میں قابل ذکر سوال یہ بھی تھا کہ آپ نے سلمان تاثیر کو قتل کرنے کے بعد فوراً زمین پر لیٹ کر اپنی زندگی کیوں بچائی۔ اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ آپ کو زندگی سے پیار ہے تو ممتاز قادری نے اس کے جواب میں کہا کہ میرا پختہ ایمان ہے کہ خودکشی حرام ہے اور بزدل شخص ہی خودکشی کرتا ہے اور مومن میں بزدلی کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا اور اگر میں موقع پر لیٹ کر اپنی جان نہ بچاتا تو بھی اپنے فعل کی ذمہ داری خود کیسے اٹھاتا۔

ممتاز قادری اپنے وکلاء کو کہا کرتے تھے۔ وہ عدالت یا کسی بھی موقع پر ہرگز یہ بات نہ کریں اور نہ ہی کوئی ایسا تاثر دیں کہ میں نے سلمان تاثیر کو قتل نہیں کیا یہاں تک کہ صدر پاکستان کو بھجوائی جانے والی آخری درخواست میں بھی انہوں نے رحم کی اپیل کا کوئی لفظ استعمال نہیں کرنے دیا۔ اپنی وصیت میں انہوں نے اپنے اہل خانہ کو صبر کی تلقین کی اور اس بات پر بارہا زور دیا کہ اپنی زندگی اسلام کے اصولوں کے مطابق بسر کی جائے۔ میرے بیٹے محمد علی قادری کے حوالے سے انہوں نے وصیت کی تھی کہ میرے لخت جگر کی تربیت ایسے کی جائے کہ وہ حافظ قرآن و نعت خواں بننے کے ساتھ ساتھ سچا عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور محب وطن پاکستانی بن کر ملک وملت کی خدمت اور پاسبانی کرے۔

(روزنامہ اوصاف، 1 مارچ 2016ء)

ملک ممتاز حسین قادری شہید اور نواز حکومت

میر افسر امان

ملک ممتاز حسین قادری شہید کو رات کے اندھیرے میں پھانسی دے دی گئی۔
سلمان تاثیر جو کہ پنجاب کا گورنر تھا، شہید اس کے ساتھ سکیورٹی کی ڈیوٹی دیتا تھا۔ سلمان تاثیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی۔ اس پر شہید نے اسے قتل کر دیا تھا اور اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دیا تھا۔ اس قتل کے جرم میں شہید کو پھانسی کی سزا سنائی گئی تھی۔ سلمان تاثیر ہمیشہ اسلام اور اسلامی عقائد پر تنقید کرتا تھا۔ اس کو اس کے دوستوں نے کئی دفعہ سمجھایا بھی تھا مگر سلمان تاثیر پر مغربی آقاؤں کی آشیر باد ہمیشہ غالب رہتی تھی۔ اس کا کیس نچلی عدالت سے اعلیٰ عدالت تک گیا۔ شہید کو انگریزی قانون شہادت کے مطابق پھانسی دی گئی تھی جو اسلامی قانون کی روح کے مطابق نہیں تھی۔ اگر ملک میں اسلامی عدلیہ کا نظام ہوتا تو شہید کو بری کر دیا جاتا۔ ہماری عدالتیں پارلیمنٹ سے پاس شدہ قانون کے مطابق فیصلے کرنے کی پابند ہیں۔ اس لئے پاکستان کی اسلامی جماعتیں ملک میں اسلامی شہریت کے لئے زور لگاتی رہتی ہیں مگر عوام نے ہمیشہ اسلام کی روح سے ناواقف لوگوں کو ہی ووٹ دیئے جس کا یہ نتیجہ ہے کہ ہمارے پیارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو آزادی ہے مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والوں کو ایسے ہی پھانسیوں پر لٹکا دیا جاتا ہے، بلکہ اب تو فیشن بن گیا ہے کہ پاکستان میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں غیر مسلم گستاخی کرتے ہیں اور مغرب سے مرعوب حکمران ان کو برطانیہ، جرمنی اور امریکہ بھیج دیتے ہیں۔
مغرب کی فنڈز اور اسلام بیزار این جی اوز اس کام میں پیش پیش ہیں۔

اس میں قادیانی لابی بھی شامل ہے جو پاکستان کو کمزور کرنے والے ہر موقعہ کی تلاش میں رہتی ہے تاکہ پاکستان کے اسلامی آئین کو ختم کریں جس میں قادیانیوں کو کافر قرار دیا گیا ہے۔ پاکستان کے سیکولر طبقے اسلام کے نام سے الرجک ہیں اور ہر وقت اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اسلامی نام کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے۔ پاکستان اسلام کے نام سے بنا تھا۔ قائداعظم نے کہا تھا کہ ہم پاکستان میں اسلام کے قوانین کو رائج کر کے ایک فلاحی حکومت قائم کریں گے مگر مغرب مرعوب ایک طبقہ جو کہ مغرب کی مادر پدر آزادی سے لگاؤ رکھتا ہے، پاکستان کو سیکولر بنانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اگر یہی بات ہوتی تو ہندوستان سے علیحدہ ملک بنانے کی ضرورت کیا تھی؟ قائداعظم نے اس بنیاد پر ایک علیحدہ وطن کی بنیاد رکھی تھی اور قائداعظم نے کہا تھا کہ ہندوستان میں دو قومیں رہتی ہیں دونوں کے مذہب علیحدہ ہیں۔ ایک مسلمان اور دوسرے ہندو۔ ان کے عقائد جدا ہیں۔ ایک قوم بتوں کی پوجا کرتی ہے تو دوسری توحید پر عمل پیرا ہے۔ دونوں قوموں کے ہیرو تک جدا جدا ہیں۔ اسی بنیاد پر برصغیر کے مسلمانوں نے ''پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ'' کا نعرہ لگا کر مملکت خداداد پاکستان حاصل کر لیا تھا۔ اگر یہاں اسلام کا قانون نافذ ہوتا تو نہ سلمان تاثیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا اور نہ شہید ممتاز قادری اسے قتل کرتا۔ مسلمانوں کے لئے اللہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محترم ہیں۔ ان کے لئے کہ دین اسلام کا ماخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں گستاخ رسول کی سزا موت تھی جس کو اسلامی دنیا میں 1400 برس تک برقرار رکھا گیا تھا۔ کعب بن اشرف اور ابورافع یہودی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہنے پر قتل کیا گیا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر عبداللہ بن خطل کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہنے پر قتل کیا گیا تھا۔ (صحیح بخاری)

قرآن کی تعلیمات کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ اپنی جان، مال، اولاد اور دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

محبت کرتے تھے۔ایک نابینا صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی لونڈی کو اس لئے قتل کر دیا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں سب وشتم کرتی تھی۔(سنن،نسائی،سنن ابی داؤد)

اس کے علاوہ اور بھی واقعات ہیں جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گستاخ رسول اللہ کو قتل کیا تھا۔ اسلامی تاریخ میں مسلمان حکمرانوں نے اس پر ہی عمل کیا اور گستاخ رسول کو قتل کی سزا دی گئی اور اگر کسی مسلمان فرد نے گستاخ رسول کو ختم کیا تو مسلمان حکمرانوں نے اس کو کوئی بھی سزا نہیں دی۔ برصغیر میں قائداعظم نے غازی علم الدین کا مقدمہ لڑا اور اسے بچانے کی کوشش کی۔اقبالؔ نے حسرت سے کہا تھا کہ ''ہم جیسے لوگ سوچتے ہی رہ گئے اور بڑھیوں کا لڑکا بازی لے گیا۔'' یہ ہیں شاتم رسول اللہ کے حوالے سے مسلمانوں کی روایات۔

سلمان تاثیر نے غیر مسلمہ سزا یافتہ شاتمہ رسول اللہ سے اظہار محبت و یکجہتی، ہمدردی اور توہین رسالت کے قانون کو ظالمانہ اور کالا قانون کہا تھا اور اسے منسوخ کرانے کا عندیہ ظاہر کیا تھا تو لوگوں میں اشتعال پھیل گیا تھا۔علماء نے اس کے خلاف توہین رسالت کے فتوے دیئے تھے اور توبہ کا مطالبہ بھی کیا تھا مگر سلمان تاثیر برسر عام میڈیا پر اپنے مؤقف کو دہراتا رہتا تھا۔لوگوں نے مقدمہ قائم کرنے کی کوشش کی مگر پولیس نے استثنٰی کی بنیاد پر مقدمہ قائم نہ کیا تو پھر ملک ممتاز حسین قادری شہید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور ایمانی جوش میں آ کر اسے قتل کر دیا۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تمام علماء نے متفقہ فیصلہ دیا تھا کہ شہید نے شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلمان تاثیر کو قتل کر کے کوئی جرم نہیں کیا مگر مغرب زدہ حکمرانوں،سیکولر اور مغربی فنڈ ڈ این جی اوز نے شہید کی سزا کی تائید کی جو اسلام کے خلاف ہے۔

راولپنڈی لیاقت باغ میں عاشق رسول اللہ کا جنازہ حکومت کے خلاف ریفرنڈم ثابت ہوا ہے۔لیاقت باغ سے مری چوک تک صف بندی میں ہر مسلک کے لاکھوں لوگ شامل ہوئے ہیں۔ ملک بھر سے لوگوں کا جم غفیر امڈ آیا تھا۔طلوع آفتاب سے پہلے ہی

لیاقت باغ بھر گیا تھا۔سینکڑوں ٹن پھولوں کی پتیاں نچھاور کی گئیں۔جڑواں شہر غلامئ رسول میں موت بھی قبول ہے کے نعروں سے گونجتا رہا۔معروف شخصیت پیر سید حسین الدین شاہ نے امامت کی۔سراج الحق، مفتی منیب الرحمن، ثروت قادری، ابوالخیر زبیر، اویس نورانی، صاحبزادہ حامد رضا، کوکب نورانی سمیت پورے ملک کی دینی جماعتوں کے نمائندوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ بہر حال نواز حکومت نے اپنی سلطنت کے خاتمے کی الٹی گنتی شروع کر دی ہے۔ اللہ جناب ملک ممتاز حسین قادری شہید کی شہادت قبول فرمائے اور مسلمانوں کو ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی توفیق بخشے، آمین۔

(روزنامہ اوصاف، لاہور، 5 مارچ 2016ء)

ایک اور غازی شہید ہو گیا

محمد ناصر اقبال خان

4 جنوری 2011ء کو میں برادرم اقبال سندھو اور وفاقی وزیر کامران مائیکل کے ہمراہ لندن میں تھا جس وقت سابق گورنر پنجاب کے قتل کی اطلاع موصول ہوئی۔ مقتول گورنر کو اس کے متنازعہ اور اشتعال انگیز بیانات کے سبب پنجاب پولیس کے ایک اہلکار ممتاز حسین قادری نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور وہاں گرفتاری بھی دے دی۔ سابق گورنر کے قتل کو اس کی جماعت نے سازش بنانے کی بہت کوشش کی مگر کامیابی نہیں ملی۔ سابق گورنر نے ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قانون میں تبدیلی بارے کوئی سنجیدہ اور مثبت تجویز نہیں دی تھی بلکہ موصوف نے نجی و سرکاری میڈیا پر مسلسل اس قانون کو تنقید اور توہین کا نشانہ بنایا۔ راقم نے ان دنوں ''گورنر پنجاب ہوش کریں'' کے عنوان سے کالم لکھا تھا مگر وہ ہوش میں آیا اور نہ ریاست سمیت کسی عدالت نے کوئی ایکشن لیا جس پر ممتاز حسین قادری کو جوش آ گیا۔ ریاست کی مجرمانہ خاموشی اور انتظامی ناکامی نے ممتاز حسین قادری کو قاتل بنا دیا۔ اگر غازی ممتاز حسین قادری یا کوئی دوسرا عام شہری کسی تھانہ میں جاتا تو کیا ایف آئی آر درج ہوتی؟ ہرگز نہیں۔ سابق گورنر 10 دسمبر 2010ء کو بھی بغیر بتائے بیرون ملک گیا تھا اور صوبہ پنجاب کے گورنر کا عہدہ کئی روز تک خالی رہا تھا جبکہ پنجاب اسمبلی کے سپیکر رانا اقبال خاں کی طرف سے سابق وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی کو لکھے گئے مکتوب کے باوجود سابق گورنر کی اس آئین و قانون شکنی پر کوئی قانونی کارروائی نہیں کی گئی تھی کیونکہ ہمارے ہاں قانون شکنی کی صورت میں قانون کا ہنٹر صرف کمزوروں کی چمڑی ادھیڑتا ہے۔ انصاف کی عدم

دستیابی سے انتقام کا راستہ کھلتا ہے۔ ممتاز حسین قادری اس وقت کے گورنر پنجاب کو قتل کرنے سے قبل پاکستان کا ایک عام اور گمنام آدمی تھا جبکہ پاکستان کا حکمران طبقہ عام آدمی کو اچھوت سمجھتا ہے مگر سراپا رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت اور والہانہ محبت نے انہیں شہادت کے اعلیٰ مقام سے ہمکنار اور سرفراز کر دیا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ ''ہمارے جنازے فیصلہ کریں گے کہ حق پر کون تھا۔'' ایک بزرگ فرماتے ہیں ''جس کی قبر زندہ ہے وہ زندہ ہے۔''

جنازہ کے ساتھ ساتھ قبروں سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ حق پر کون تھا۔ ملعون راج پال کو جہنم واصل کرنے والے غازی علم الدین شہید کی قبر آج بھی زندہ ہے اور یقینا غازی ممتاز قادری کی قبر بھی زندہ رہے گی۔

میں چیلنج کرتا ہوں کہ ایک طرف نوے برس قبل جام شہادت نوش کرنے والے غازی علم الدین شہید کی قبر کشائی کی جائے اور دوسری طرف کسی ملعون کی قبر کھودی جائے تو سچائی تک رسائی آسان ہو جائے گی۔ آج بھی ہزاروں عالم دین ایک علم دین شہید کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ عمل کے بغیر علم کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔

ہمارے ہاں جو سورۃ اخلاص کی تلاوت نہیں کر سکتا وہ بھی اسلامی شریعت پر نکتہ چینی کر کے معاشرے میں بے چینی اور اضطراب پیدا کرنے میں آزاد ہے۔ اگر کسی کو قتل کرنا انتہا پسندی ہے تو دوسروں کے مذہبی عقائد پر ضرب لگانا یعنی انہیں اضطراب اور مشتعل کرنا اس سے بھی بڑی شدت پسندی ہے۔ اگر ممتاز حسین قادری کے پاس کسی کو قتل کرنے کا اختیار نہیں تھا تو مقتول کو عدالت سے سزا یافتہ آسیہ بی بی کو بے گناہ و بے بس قرار دینے اور متفقہ قانون پر اشتعال انگیز تبصرے کرنے کا حق کس نے دیا تھا؟ سابق گورنر کو صرف اس سزا یافتہ خاتون کے ساتھ ہمدردی کیوں تھی؟ اس قت اور بھی ہزاروں بے بس اور بے گناہ قیدی جیل کی کال کوٹھڑیوں میں بند ہوں گے۔ شرعی قوانین پر مستند علماء کے درمیان بحث

ہوسکتی ہے یا پارلیمنٹ کے اندر تجاویز پیش کی جاسکتی ہیں مگر کسی کو شرعی قوانین کی توہین کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ جس وقت سابق گورنر میڈیا پر ناموس رسالت کے متفقہ قانون کو متنازعہ بنانے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا اگر اس وقت ریاستی قانون نے اسے گرفت میں لے لیا ہوتا تو قانون کا محافظ ممتاز حسین قادری قانون شکن کا ارتکاب نہ کرتا۔

ارباب اقتدار کے مطابق غازی ممتاز حسین قادری شہید کو قانون کی رٹ کے لئے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا جبکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ناپاک حملے کی جسارت کرنے والے کئی ملعون پچھلی کئی دہائیوں سے کال کوٹھڑیوں میں ہمارے پیسوں پر پل رہے ہیں۔ غازی ممتاز حسین قادری شہید کے ہاتھوں جو شخص مارا گیا اس کے ساتھ ان کی کوئی ذاتی رنجش یا عداوت نہیں تھی۔ انہوں نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تقاضا پورا کرتے ہوئے اپنا فرض اور قرض ادا کیا اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے کروڑوں پاکستانیوں میں سے انہیں اس کام کے لئے منتخب کیا تھا اور ان کے نام کی طرح ان کے کام نے بھی انہیں اپنے عہد کے مسلمانوں میں ممتاز و محبوب بنا دیا۔ غازی ممتاز حسین قادری شہید کے خلاف دہشت گردی کی دفعہ درست تھی اور نہ انسداد دہشت گردی میں ان کی سماعت، کیونکہ شرعی معاملات صرف شرعی عدالت میں سنے جاسکتے ہیں۔ غازی ممتاز حسین قادری شہید کے ہاتھوں مارے جانے والے شخص کی نماز جنازہ کے لئے جید علماء میں سے کوئی تیار نہیں ہوا جبکہ غازی ممتاز حسین قادری شہید کی نماز جنازہ کی امامت کرنا پاکستان کے سبھی ممتاز علماء کی آرزو تھی۔ پاکستان سمیت دنیا بھر کے متعدد ممالک میں انتخابات کے دوران کئی لوگ مارے جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کی پارٹی کا پوسٹر یا پرچم پھاڑنے یا مدمقابل سیاست دان کو گالی دینے پر یا جعلی ووٹ کاسٹ کرنے پر کئی افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے، دنیا کے متعدد ممالک میں توہین مذہب کی سزا موت ہے تو ناموس رسالت کی حفاظت کے لئے کسی ملعون کو جہنم واصل کیوں ضروری نہیں؟

(5 مارچ 2016ء روزنامہ اوصاف، لاہور)

آزاد میڈیا یا غلام؟

نوید مسعود ہاشمی

یکم مارچ کو ممتاز قادری شہید کے جنازے کا مثالی اجتماع کہ جس میں لاکھوں فرزندانِ توحید شامل تھے نہ صرف یہ کہ انتہائی پرامن بلکہ مذہبی ہم آہنگی کی بھی بہترین مثال تھا۔ جنازے میں بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث علماء کے علاوہ لاکھوں عوام نے جس نظم وضبط اور رواداری کا مظاہرہ کیا، وہ بھی اپنی مثال آپ تھا۔

لیکن میڈیا بالخصوص الیکٹرانک چینلز نے مسلمانوں کے اس عظیم اجتماع کا مکمل بلیک آؤٹ کر کے یہ بات ثابت کر دی کہ الیکٹرانک چینلز کے پنڈت اور پردھان نہ تو پاکستانی قوم میں مذہبی ہم آہنگی دیکھنا یا دکھانا چاہتے ہیں اور نہ ہی انہیں پرامن لاکھوں کے اجتماع سے کوئی غرض ہے۔ انڈین اداکاروں اور بھانڈ میراثیوں کے ''رت جگے'' پر گھنٹوں گھنٹوں صرف کرنے والے الیکٹرانک چینلز شرمین عبید چنائے اور یورپ کی کوئین ملالہ یوسف زئی پر منٹوں، گھنٹوں یا دنوں نہیں بلکہ مہینوں اور سالوں میں بار بار پروگرام اور ٹاک شوز پیش کرنے والے الیکٹرانک چینلز نے ممتاز قادری کے پر امن لاکھوں کے اجتماع والے جنازے پر مکمل خاموش رہ کر ثابت کر دیا کہ میڈیا آزاد نہیں غلام ہے۔

ہاں! میڈیا آزاد ہے مگر اسلامی شعائر، مساجد اور مدارس کے خلاف، اسلامی احکامات کے خلاف، میڈیا آزاد ہے مگر پاکستان میں بے حیائی، فحاشی اور عریانی پھیلانے کے لئے میڈیا آزاد ہے مگر سیکولر لادینیت اور لبرل شدت پسندی پھیلانے کے لئے، موم بتی مارکہ ڈالر خور این جی او کی چند عورتیں اور مرد اگر کراچی، لاہور یا اسلام آباد کی کسی سڑک پر

ایک بینر لے کر بھی کھڑے ہو کر احتجاج کریں تو میڈیا کی دوڑیں لگ جاتی ہیں۔ان ڈالر خور این جی اوز کے خواتین وحضرات کی اس چھوٹی سی ''جلوسی'' کو ایسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے کہ جیسے خدانخواستہ پاکستان میں بھونچال آ گیا ہو۔

ابھی گزشتہ روز ہی دبئی سے واپس آ کر کراچی میں پریس کانفرنس کرنے والے مصطفی کمال کی پریس کانفرنس کی ایسے لائیو کوریج کی گئی کہ جیسے مصطفی کمال کشمیر کے فاتح ہوں۔مصطفی کمال کے خلاف نائن زیرو میں ہونے والی نعرہ بازی اور سرگرمیوں کی بھی لائیو کوریج کی گئی۔ بے حیائی اور فحاشی پر مبنی اشتہارات روز عوام کو دیکھنے پر مجبور کیا جاتا ہے مگر ''پیمرا'' کے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگتی۔فوج اور دیگر ملکی اداروں کے خلاف الیکٹرانک چینلز کے ٹاک شوز میں خوب پراپیگنڈا کیا جاتا ہے اور الیکٹرانک چینلز کے مالکان اظہار رائے کی آزادی کے نام پر اسے لائیونشر کرتے ہیں اور ''دہلی'' کے غلام ایک الیکٹرانک چینل کے ٹاک شو میں بعض ''فتنہ'' پرور دانش فروش،علماء کرام کے خلاف روز بازاری جملے کستے ہیں مگر پیمرا کے سربراہ ابصار عالم اس کا نوٹس لینے کے لئے تیار نہیں۔کیا اظہارِ رائے کی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ سیکولر شدت پسند دانش فروش،سٹوڈیو میں بیٹھ کر قابل احترام علماء کے خلاف جو چاہے بک دیں؟

موجودہ دور میں الیکٹرانک میڈیا کے مالکان نے خبر،خبریت یا آگاہی کو پیچھے چھوڑ کر غیر ملکی آقاؤں کی خوشنودی کے لئے اپنے چینلز کو سیکولر لادینیت کے باقاعدہ مورچوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ بلاتخصیص اور بلاوجہ علماء کرام کو مطعون کیا جا رہا ہے۔دینی جماعتوں اور اسلامی عبادات کے خلاف کمپین چلائی جا رہی ہے۔'ہر خبر پر نظر'،'سب سے پہلے'،'سب سے آگے'۔ یہ وہ جملے ہیں کہ ہر ٹی وی چینل اپنے لئے استعمال کر رہا ہے۔سوال یہ ہے کہ یکم مارچ کو لیاقت باغ راولپنڈی میں ممتاز قادری شہید کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے جمع ہونے والا لاکھوں کا اجتماع، الیکٹرانک چینلز کی خبر کیوں نہ بن سکا؟ اس پرامن،

لاکھوں کے مثالی اجتماع پر ٹاک شوز کیوں نہ کئے جا سکے؟

اگر ''پیمرا'' نے اس اجتماع کی کوریج پر پابندی عائد کی تھی، اس لئے چینلز نے اس اجتماع کی کوریج نہیں کی تو پھر پیمرا نے تو چینلز پر اور بھی بہت سی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔ پیمرا کی ان پابندیوں کو چینلز قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ حکومت، الیکٹرانک چینلز اور پیمرا لگتا ہے کہ اسلام پسندوں کے خلاف ایک صفحے پر متحد ہیں۔ ملک کو زبردستی سیکولر بنانے کی کوششیں عروج پر پہنچ چکی ہیں۔

ممتاز قادری کے جنازے میں لاکھوں کے اجتماع کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے الیکٹرانک چینلز نے پاکستان کے کروڑوں عوام کے سامنے اپنے آپ کو مکمل طور پر ایکسپوز کر دیا ہے۔ میں نے عوام کی بات اس لئے لکھی ہے کیونکہ عوام میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔ گزشتہ روز کراچی کے کورنگی میں ایک عیسائی ٹیچر سے ملاقات ہوئی، اس عیسائی ٹیچر نے الیکٹرانک چینلز کے اس برے کردار پر بڑے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میڈیا بالخصوص چینلز نے ممتاز قادری کے لاکھوں کے اجتماع کو نظر انداز کر کے ملک کی اکثریتی مسلمان آبادی کو جس احساسِ محرومی سے دوچار کیا ہے اس کے تباہ کن نتائج برآمد ہوں گے۔

اس عیسائی ٹیچر کا کہنا تھا کہ میڈیا کے مکمل بلیک آؤٹ کے باوجود اگر اپنے پیسے خرچ کر کے ملک بھر سے لاکھوں لوگ راولپنڈی میں اکٹھے ہوئے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ الیکٹرانک چینلز عوام میں اپنا اعتبار یا وقار مکمل طور پر کھو چکے ہیں اور پاکستانی عوام یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ الیکٹرانک چینلز ڈرونز کی طرح امریکی ہتھیار ہیں جن کو صرف اور صرف اسلام، نظریہ پاکستان اور اسلام پسندوں کے خلاف وقتاً فوقتاً استعمال کیا جاتا ہے۔

شرم آنی چاہیے ان اینکر، اینکرنیوں اور دانش فروشوں کی فوج ظفر موج کو جو کترینہ کیف کے ٹھمکوں، ثانیہ مرزا کی شادی، ملالہ یوسف زئی اور شرمین عبید چنائے پر تو بار بار پروگرام کرتے ہیں مگر عاشق رسول غازی ممتاز قادری پر ٹاک شوز کرتے ہوئے ان کی

پتلونیں گیلی ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ انہیں عوام نے یہ کہتے ہوئے متعدد بار سنا کہ وہ سچی اور کھری بات کرتے ہیں مگر ممتاز قادری کے جنازے کے عظیم اجتماع کا ''سچ'' بیان کرتے ہوئے ان کی زبانیں لرزاں ہیں۔ وہ اتنے چھوٹے، کھوٹے، جھوٹے اور کم ظفر نکلے کہ پر امن، اشک بہاتے لاکھوں کے مثالی اجتماع کو خراج تحسین پیش نہ کر سکے۔

انسانی حقوق کے نام پر سیاپا ڈالنے والی این جی اوز بھی ایسی تنگ نظر نکلیں کہ لاکھوں عوام کے انسانی حقوق کو میڈیا اور پیمرا کے ہاتھوں پامال ہوتے دیکھ کر بھی انہوں نے انسانیت کے ناطے ہی سہی مگر انسانوں کے حق میں آواز بلند کرنا بھی گوارہ نہ کیا۔ یہ سب دکاندار ہیں، بودے ہیں، کم ظفر، دھوکے باز اور تماشہ گر ہیں۔ انہیں ڈالر خور این جی اوز کے چند خواتین اور حضرات کا تو خیال ہے مگر عوام کا کوئی پاس نہیں۔ یہ آزاد نہیں غلام ہیں۔ امریکہ، یورپ اور دہلی کے غلام، اپنی خواہشات اور بے پناہ آسائشات کے غلام۔

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور، 5 مارچ 2016ء)

وہ اکیلا گیا تختہ دار تک گیا

سید مبشر الماس

محوِ حیرت ہوں، کیا لکھوں؟ اور کیسے لکھوں؟ معاشرہ دو حصوں میں بٹ چکا ہے۔ سوچیں تقسیم کردی گئی ہیں۔ ایک طرف سیکولرازم اور روشن خیالی ہے تو دوسری طرف مذہب کے ساتھ عقیدت رکھنے والے افکار۔ روشن خیالی اور مذہبی افکار کی ہمیشہ سے آپس میں جنگ چلی آ رہی ہے۔ دنیا کے مختلف معاشروں کے عروج وزوال پر اگر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر معاشرہ ہی اس کشمکش کا شکار رہا ہے۔ کبھی روشن خیال طبقات نے پذیرائی حاصل کی تو کبھی تقدیر نے مذہب سے عقیدت رکھنے والوں کو عروج بخشا۔

عروج وزوال کی یہ کہانی اتنی ہی پرانی ہے جتنا کہ انسان قدیم ہے۔ تاریخ سے پہلے کی تاریخ کے اوراق بھی اس کہانی سے بھرے پڑے ہیں، مگر ان ساری داستانوں میں ایک کردار ہمیشہ سے انوکھا، عجیب اور لازوال دکھائی دیتا نظر آتا ہے اور وہ کردار ہے کہ عقیدت کے نام پر موت کو گلے لگانے والے عشاق کا کردار!

غازی علم دین شہید کا واقعہ ہو یا ممتاز قادری کو تختۂ دار پر لٹکائے جانے کی داستان...... یہ اپنے اندر ایک ایسا سوال رکھتی ہے جسے سوچ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ عشق، عقیدت، ناموس ومحبت کے نام پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والے یہ لوگ عالم دین نہیں ہوتے، صوفی نہیں ہوتے، پیر نہیں ہوتے، زہد وریاضت کے دعویدار نہیں ہوتے مگر اس کے باوجود وہ علماء، خطباء صوفیا اور پیروں کے خطابات اور تقاریر سن کر اپنے اندر قربانی کا جذبہ پیدا کر لیتے ہیں اور اسی جذبے کے پیش نظر یہ عظیم لوگ تاریخ کے چہرے پر ایک ایسے نقوش منقش کر جاتے ہیں جنہیں جابر سے جابر سلطان بھی مٹا نہیں سکتا۔

اس سارے پس منظر کا افسوس ناک منظر یہ ہوتا ہے کہ عقیدت کے نام پر جان

قربان کرنے والا وہ اکیلا وجود خود تختہ دار تک پہنچتا ہے۔اس کی موت کے ساتھ کوئی دوسرا شخص اپنی جان قربان کرنے کی ہمت نہیں کر پاتا۔ایسے میں واعظوں کے وعظ حلق میں اٹک جاتے ہیں، علماء کی تقریریں دم توڑ جاتی ہیں، خطباء کے خطاب گونگے ہو جاتے ہیں اور سب زندگی کی شاہراہ پر رواں دواں خیالات کے ساتھ بس اس بات پر اکتفا کرتے ہیں کہ وہ بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ قربانی دینے والے کے جنازے میں بڑی تعداد میں شریک ہوتے ہیں، نعرے لگاتے ہیں اور اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ محبت وعقیدت کے نام پر قربانی دینے والے نے عظیم مرتبہ حاصل کرلیا ہے۔کوئی آگے بڑھ کر وہ پھندا اپنی گردن میں ڈالنے کی جسارت نہیں کرتا جس پھندے پر وہ اکیلا جھول جاتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ نہ غازی علم دین شہید کے پھندے کو کسی نے اپنے ہاتھ میں لے کر اس خواہش کا اظہار کیا اور نہ ہی ممتاز قادری کو سُولی پر خود کو چڑھانے کی کسی نے جسارت کی۔آج ممتاز قادری کے حق میں نعرے لگانے والے نہ جانے اس بات کا ادراک کیوں نہیں کرتے کہ آخر وہ لحد میں کیوں اتر گیا؟ اور آپ زندہ کیسے ہیں؟ کیا آپ اسلام سے عقیدت نہیں رکھتے؟ کیا آپ کے دل میں قربانی کا جذبہ نہیں ہے؟ کیا آپ کا سینہ عشق سے معمور نہیں ہے؟ یا آپ صرف وعظ کرنے اور تقریریں کرنے پر مامور ہیں؟ یا پھر آپ کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ تختہ دار پر لٹکنے والے کے جنازے میں شرکت کرکے یہ سمجھتے ہیں کہ آپ نے عشق کا حق ادا کردیا؟

یہ تو ایک کھلا تضاد ہے۔سوچ کا تضاد، افکار کا تضاد، یہ تو بزدلی ہے کہ ہم جان نہیں دے سکتے۔ہاں! اگر کوئی جان دے دے تو اس کے گُن گا سکتے ہیں۔

تعجب ہے ایسے چلن پر......اور حیرت ہے ایسی پالیسی پر۔تاریخ خاموش ہے، مؤرخ بے زبان ہے، اور حالات حاضرہ اس پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں کہ ؎

وہ اکیلا گیا تختۂ دار تک

اور نمازِ جنازہ میں سب لوگ تھے

(اوصاف، سنڈے میگزین، 6 مارچ 2016ء)

غازی علم الدین شہید کا ہمسفر غازی ممتاز حسین قادری شہید

میاں اشرف عاصمی

مؤرخ جب تاریخ لکھے گا کہ غازی علم دین شہید کو پھانسی انگریز حکومت نے دی تھی اور غازی ممتاز قادری کو پھانسی اسلامی جمہوریہ پاکستان کی اسلام نواز، نواز شریف کی حکومت نے دی تھی۔ غازی علم دین شہید کے وکیل قائداعظم محمد علی جناح تھے اور غازی ممتاز حسین قادری شہید کے وکیل جناب خواجہ محمد شریف سابق چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ اور جسٹس (ر) نذیر اختر صاحب تھے اور نواز شریف کی حکومت تھی اور پیر محمد کرم شاہ الازہری جیسی عظیم شخصیت کے لخت جگر اس حکومت میں وفاقی وزیر مذہبی امور تھے۔

ممتاز حسین قادری شہید کو اللہ پاک نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل عظیم رفعتیں عطا فرمائیں، لیکن نواز حکومت نے امریکی ایجنڈے کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ ریمنڈ ڈیوس کو رہا کرنے والوں نے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پھانسی دے دی۔ اللہ پاک غازی ممتاز قادری شہید کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شفاعت نصیب فرمائے۔

تمام اہل اسلام سے گزارش ہے کہ جذبہ ایمانی کا مظاہرہ ضرور ہونا چاہئے لیکن تھوڑا پھوڑا اور اپنے ہی لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کرنے سے ہمیں گریز کرنا چاہئے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشقوں کی شہادتوں والی فہرست میں ایک اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشق کا نام شامل ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ ممتاز قادری اگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے سرشار تھا تو پھر سزائے موت کے خلاف انہوں نے اپیل کیوں کی۔ یہ ہی الزام غازی علم الدین شہید کے اوپر لگایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ غازی علم دین کا عشق ان کو پھر اپیل کرنے سے کیوں روک نہ سکا۔ درحقیقت بات یہ ہے کہ ممتاز قادری کے چاہنے والوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سرشار عوام نے ممتاز قادری کو اپیل کے لئے بمشکل آمادہ کیا۔ ایسی صورت حال ہی غازی علم دین شہید کے ساتھ محبت کرنے والوں کی تھی کہ قائداعظم جیسا عظیم قانون دان ان کی جانب سے پیش ہوا تھا۔

ممتاز قادری کے معاملے میں ہمیں کچھ سوالات کا جواب چاہئے ہوگا۔ جب ممتاز قادری نے یہ عمل کیا کہ اس وقت تک ریاست نے اس شخص کے خلاف کوئی کارروائی کی تھی جو سرعام توہین رسالت کے قانون کا مذاق بنا رہا تھا اور اس خاتون کو پاس بٹھا کر پریس کانفرنس کر رہا تھا کہ یہ کالا قانون ہے اور جرم کی مرتکب خاتون آسیہ بی بی بے گناہ ہے۔

کیا سلمان تاثیر عدالت لگائے بیٹھا تھا کہ وہ بطور جج اس طرح کا فیصلہ سنا رہا تھا اور پھر سلمان تاثیر نے یہاں تک کہا تھا کہ وہ زرداری سے ملاقات کر کے اس خاتون کو ملنے والی سزا ختم کروا دے گا۔ اب اگر ہم بطور مسلمان اپنے عقیدے کو دیکھیں تو ہمارا اس بات پر راسخ ایمان ہے کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ کائنات میں صرف ایک ہستی ایسی ہے کہ جس کی عزت وحرمت اور مقام کے حوالے سے خالق کائنات خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے دشمنوں کو وعید سناتا ہے اور جس وقت بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک کو ایذا پہنچائی گئی۔ رب پاک نے خود اس حوالے سے اپنا فرمان جاری کیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وحرمت کی حفاظت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے اور ایسا کر کے مؤمن مسلمان اپنے رب کی سنت ادا کرتا ہے جو رب یہ کہتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر میں تمہیں پیدا نہ کرتا تو کچھ بھی پیدا نہ کرتا حتیٰ کہ اپنے وجود کا اظہار نہ کرتا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وحرمت کی حفاظت کے حوالے سے ایک مسلمہ قانون جس پر تمام مسلمان مکمل طور پر متفق ہیں اور وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والوں کے لئے ایک ہی سزا ہے کہ ان کا سرتن سے جدا کردیا جائے۔ جو رب اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان مبارک کے حوالے سے اس طرح مخلوق سے مخاطب ہے کہ اپنی آوازیں تک بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے اونچی نہ کرو، کہیں تمہارے تمام اعمال ضائع نہ کردیئے جائیں۔ جو رب اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتا ہے کہ بے شک تمہارا دشمن بے نام ونشان رہے گا۔ جس طرح کی شخصیت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے، اس لحاظ سے ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وتکریم کی حفاظت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس شخص کا سرتن سے جدا کردیا جس نے یہ کہا تھا کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیصلہ کروایا ہے جو کہ مجھے پسند نہیں ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ میرا فیصلہ فرمادیں۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص کی جان لے لی جو کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بطور جج کئے گئے فیصلے کو مان نہیں رہا تھا۔ اگر ہم 295۔سی تعزیرات پاکستان کی شق کا جائزہ لیں تو یہ بات ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس کے خلاف بولنے والوں کو سزائے موت کا حکم ہے۔ پاکستان میں تمام فقہ کے ماننے والے مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ سلمان تاثیر کا جو ردعمل تھا۔ اگر تو ریاست اس حوالے سے اپنا کردار ادا کرتی تو پھر تو بات یہاں تک نہ پہنچتی۔ جس عمل کے حوالے سے حضرت اقبال نے غازی علم دین شہید کے لئے بھرپور تحریک چلائی۔ اس کام کو خلاف دین خلاف قانون کیسے کہا جاسکتا ہے۔ مجلس ملی شرعی جس میں تمام مسالک کے بلند پایہ علماء شامل ہیں نے متفقہ طور پر ممتاز قادری کی حمایت کی تھی۔

جو عمل 1929ء کو غازی علم دین کی سزا کے حوالے سے درست تھا۔ اس وقت کو انگریز متحدہ ہندوستان پر براجمان تھا۔ اب وہی مؤقف غلط کیسے کہ ممتاز قادری کو سزائے موت۔ انگریز جج اور پاکستانی ججوں کے افعال میں اتنی یکسانیت خدا کی پناہ، جس

معاشرے میں انصاف ملنے سے پہلے مظلوم مر جاتا ہے اس معاشرے کے جج صاحبان کو غازی ممتاز کے معاملے میں قانون کی بالادستی کا خیال کھائے جا رہا ہے اور ان بدبختوں کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وتوقیر کی کوئی پرواہ نہیں۔ جو عدالتیں ریمنڈ ڈیوس جیسے سفاک قاتل کو معاف کر سکتی ہیں۔ ان کو واقعی یہ حق ہے کہ وہ انگریز کی پیروی کرتے ہوئے غازی علم دین شہید کی طرح ممتاز قادری کو بھی پھانسی کی سزا دیتیں۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

عاشق مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہادت مبارک ہو۔ غازی علم دین کے ساتھی کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو۔ جتنی رفعتیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی بدولت ممتاز قادری کو مل چکی تھیں۔ وہ اگر رہا ہو جاتا تو کیسے جی پاتا۔ (روزنامہ طاقت، لاہور)

لیاقت باغ راولپنڈی

قومی تاریخ کا امین

محمد ریاض اختر

راولپنڈی کے دینی، سیاسی وسماجی حلقے اس بات پر متفق ہیں کہ جڑواں شہروں میں ممتاز قادری کے جنازے سے بڑا اجتماع خال خال ہی دیکھا گیا۔ اطمینان کی بات یہ ہے کہ کسی قسم کا کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما نہیں ہوا اور اجتماع مکمل طور پر پُرامن رہا۔ کوئی سوگوار لمحات ہوں یا دیگر تنظیمی سرگرمیاں، تاریخی واقعات کے مطابق 2007ء میں سابق وزیراعظم محترمہ بینظیر بھٹو کے الیکشن جلسہ میں اب تک ریکارڈ تعداد شریک رہی، تاہم یکم مارچ کو شرکائے جنازہ نے لیاقت باغ میں قومی تاریخ کا نیا باب رقم کردیا۔

بشیر احمد کی بات سن لیں، راشد الیاس کا تبصرہ جان لیں، وسیم شیخ کے دعوے ایک طرف، محسن صغیر کا تجزیہ اپنی جگہ اور ندیم اقبال کے خیالات کی جداگانہ حیثیت، تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ جڑواں شہروں کے باسیوں نے لیاقت باغ حاضری سے اپنی محبت اور عقیدت کا واضح ثبوت دے دیا۔

ممتاز حسین قادری کی رہائش مسلم ٹاؤن میں ہے۔ یہاں سے براستہ مری روڈ لیاقت باغ تک موٹر سائیکل پر مسافت دس سے بارہ منٹ کی ہے۔ پرسوں جنازے نے یہ سفر قریباً 3 گھنٹے میں طے کیا۔ سوا بارہ بجے سے شروع ہونے والا سفر پونے تین بجے تمام ہوا۔ یہ درست ہے کہ راولپنڈی کے لیاقت باغ کو تاریخی حیثیت حاصل ہے۔

وفاقی دارالحکومت کے جڑواں شہر کی پہچان یہ پبلک پارک ہے۔میٹرو بس منصوبہ کی تکمیل کے بعد شہر بالخصوص لیاقت باغ کی خوبصورتی کو مزید چار چاند لگ گئے۔لیاقت باغ کے اطراف میں موتی محل سینما، گارڈن کالج، راولپنڈی پریس کلب، گورنر ہاؤس اور قدیم آریہ محلہ موجود ہے۔لیاقت باغ کے اجتماع میں کبھی بھی کھانے پینے کا مسئلہ کسی سطح پر نہیں رہا۔

خطہ پوٹھوہار کے ماتھے کا جھومر راولپنڈی تاریخ میں اپنی جداگانہ شناخت اور حیثیت رکھتا ہے۔ یہ شہر بے مثال اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ جہاں اس کے ایک طرف ٹیکسلا جیسا قدیم اور تاریخی شہر آباد ہے، وہاں دوسری جانب پاکستان کا دارالحکومت اسلام آباد ہے۔ یوں تو راولپنڈی کی وجۂ شہرت کا ذکر کئی حوالوں سے کیا جا سکتا ہے۔شہر کے بیچوں بیچ تعمیر کی گئی اولین تفریح گاہ کمپنی باغ راولپنڈی بھی ہے جسے آگے چل کر لیاقت باغ کے نام سے مشہور ہو کر عالم گیر شہرت پانا تھی۔

تاریخ کے اوراق پلٹے جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ 1936ء میں کمپنی باغ (لیاقت باغ) کے ساتھ اسلامیہ ہائی سکول کے گراؤنڈ پر قائداعظم محمد علی جناح نے بھی عدیم المثال جلسہ عام سے خطاب کیا تھا۔یعنی راولپنڈی شہر کی تاریخ کا پہلا بڑا جلسہ عام آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ہوا تھا۔ برصغیر کی تقسیم کے دوران فسادات میں سینکڑوں لوگوں نے اس باغ کو گوشہ عافیت بنایا۔ایوب دور میں پارک کو بسوں کے اڈے کے طور پر مختص کر دیا گیا تھا۔بعد ازاں ذوالفقار علی بھٹو نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد اڈا پیرودھائی منتقل کر کے باغ کی تعمیرِ نو بھی کرائی اور یہاں ایک حصہ خواتین اور بچوں کے لئے مخصوص کیا۔

وسیع وعریض رقبے پر پھیلے اس باغ کو اصل شہرت اس وقت ملی جب 1951ء میں پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان کو اس پارک میں ہونیوالے بڑے جلسے میں گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ نو آزاد ملک کی قومی تاریخ میں پہلا سیاسی قتل تھا۔ چنانچہ لیاقت

علی خان کی شہادت کے بعد کمپنی باغ کا نام تبدیل کر کے لیاقت باغ رکھ دیا گیا۔

لیکن ابھی لیاقت باغ کی زمین پر ایک اور وزیر اعظم کا خون گرنا تھا۔ دسمبر 2007ء میں سابق وزیر اعظم، پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن محترمہ بینظیر بھٹو کو الیکشن مہم کے آخری جلسے میں اس وقت شہید کر دیا گیا جب وہ لیاقت باغ میں ایک بہت بڑے جلسہ سے خطاب کر کے واپس جا رہی تھیں۔ دو وزرائے اعظم کے خون سے رنگین لیاقت باغ کی زمین اب تفریح گاہ سے زیادہ جلسہ گاہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

وسیع و عریض رقبہ پر پھیلا ہوا یہ باغ اپنے اندر لگ بھگ 30 ہزار لوگوں کو سمیٹ سکتا ہے۔ ہر بڑی سیاسی پارٹی لیاقت باغ کے سیاسی پنڈال کو بھرنے کے دعوے کرتی آئی ہے اور یہاں منعقد کئے گئے جلسے جلوس تاریخ کے دھارے بدلتے رہے ہیں۔ یہ سیاسی پنڈال پاکستان کی تاریخ کا امین ہے۔

یکم مارچ کو ممتاز حسین قادری کی نماز جنازہ کے لئے بھی اسی جگہ کا انتخاب کیا گیا جس قدر بڑی تعداد میں لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی، اس کی نظیر اور مثال ملنا مشکل ہے۔ ماضی میں جتنے بھی اجتماعات اس میدان پر ہوئے وہ صرف چار دیواری کے اندر ہی رہے لیکن ممتاز قادری کی نماز جنازہ کا جمِ غفیر لیاقت باغ کی دیواروں سے باہر اردگرد کے علاقوں تک پھیل گیا جس سے مری روڈ اور لیاقت باغ میں لوگوں کے سر ہی سر دکھائی دے رہے تھے۔

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور، 4 مارچ 2016ء)

ممتاز قادری، پاکستانی حکومت اور میڈیا

ایس ایم عرفان طاہر

4 جنوری 2011ء پاکستانی تاریخ کا وہ موڑ جب ایک ایلیٹ فورس کے جوان ملک ممتاز حسین قادری نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ایک بڑے عہدے دار گورنر پنجاب سلیمان تاثیر کو اس بات پر قتل کر دیا کہ اس نے رحمت اللعالمین اور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخی کرنے والی آسیہ خاتون کی حمایت کی بلکہ 295 سی ناموس رسالت سے متعلقہ قانون کو کالا قانون کہا اور اس وقت کے صدر سے شاتم رسول کو معافی دلوانے کا وعدہ بھی کیا۔ عاشق رسول غازی ملک ممتاز حسین قادری شہید کے آخری سفر نے دنیا کے سامنے اس بات کو عیاں ضرور کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کا فیض مرنے کے بعد بھی ضرور ملتا ہے اپنے تو اپنے بیگانے بھی سر تسلیم خم کرتے ہوئے دکھائی دیے۔

ایک مختصر سا موازنہ میں گورنر سلیمان تاثیر اور ممتاز قادری کا پیش ضرور کرنا چاہوں گا تاکہ لوگ خود یہ حقیقت جان جائیں کہ ہیرو کون ہے اور زیرو کون؟ سلیمان تاثیر کو جس وقت ممتاز قادری نے قتل کیا تو اس وقت کے گورنر کا جنازہ پڑھانے کے لیے کوئی بھی عالم دین تیار نہ ہوا نہ کسی نیک متقی پرہیزگار اور باکردار شخصیت نے جنازے میں شرکت کرنا گوارا کیا، عالم اسلام کی بہت بڑی بڑی روحانی اور مذہبی شخصیات ممتاز قادری کا جنازہ پڑھانے تو دور کی بات بلکہ پڑھنے کی خواہش کرتی ہوئی دکھائی دیں۔ گورنر وقت کے جنازے پر چند سوٹ اور بوٹ والے سیاسی وابستگی کے باعث شامل ہوئے۔ ممتاز قادری شہید کے جنازہ میں نہ صرف سوٹ بوٹ والے بلکہ عمامہ شریف اور بہت بڑی بڑی دینی

مسندوں کے روح رواں اور سربراہان صف باقطار دکھائی دیے۔ ممتاز قادری کا کیس لڑنے کے لیے 300 سے زائد وکلاء نے رضا کارانہ طور پر اس وقت اپنی خدمات پیش کیں، سلیمان تاثیر کے ذاتی خاندان والے بھی کیس لڑنے سے گریزاں دکھائی دیے۔ جنرل پرویز مشرف اور جاوید احمد غامدی جیسے روشن خیال لوگوں سے ممتاز قادری کے خلاف زہر اگلوایا گیا، ہر پیرو جوان غازی کی جانب کھڑا ہوا دکھائی دیا۔ لمحہ فکریہ یہ ہے ہر ذی شعور انسان کے لیے کہ کیا اتنا بڑا انسانی اجتماع کس کہ دنیا کے جانے کے بعد دکھائی دیا؟ کیا کبھی عمران خان نے اسقدر بڑا جلسہ عام کیا؟ کیا طاہر القادری اسقدر عوام کو دھرنوں میں مائل کر سکے کیا موصوف کا اپنا جنازہ اسقدر بڑا اور اہمیت کا حامل ہوگا؟ غیرت وحمیت کے حامل کئی اہل ایمان رقت آمیز مناظر کو دیکھ کر نون لیگ کو خیر آباد اس لیے کہہ گئے کہ اس نے ایک عاشق صادق کو سولی پر چڑھایا۔

عوام الناس کے پیش نظر یہ بات لازم ہونی چاہیے کہ اگر حکومت وقت حق پر تھی باطل ان کے خلاف برسر پیکار تھا تو میڈیا کو اتنے بڑے اجتماع کو دکھانے سے کیوں روکا گیا؟ جس میڈیا نے محض ایک نیم پاگل شخص سکندر کو اسلام آباد کئی گھنٹے لائیو دکھایا تو انہیں کیسے اور کیوں روکا گیا ممتاز قادری کے جنازے کو کوریج دینے سے؟ ممتاز قادری اور سلیمان تاثیر کا معاملہ مذہبی تھا تو اس کا فیصلہ شرعی کورٹ سے کیوں نہیں لیا گیا؟ قانون تحفظ ناموس رسالت اگر کسی انسان کا بنایا قانون نہیں تو پھر کسی انسان کا اُسے توڑنے یا بنانے کی اجازت ہی کیسے ہے؟ توہین رسالت اگر محض رسول اللہ ﷺ کی ذات معاف کرسکتی ہے تو پھر ایسے مجرموں کو دنیا کی عدالت میں پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر آئین پاکستان عدلیہ اور مسلح افواج پاکستان کی توہین وتضحیک کی ہرگز پاکستان عدلیہ اور مسلح افواج پاکستان کی توہین وتضحیک کی ہرگز اجازت نہیں دیتا تو پھر ان اداروں کو میڈیا ہر اعتبار سے نشانہ بنا سکتا ہے تو پھر ایک محافظ ناموس رسالت کی پراسرار شہادت پر خاموشی کیوں؟ اگر ممتاز قادری واقعتا ایک عاشق صادق تھا تو پھر عشق رسول کے دعوے دار حکومتی ایوانوں میں کیوں دکھائی

دیتے ہیں؟ ممتاز قادری کو سزا دی گئی تو پھر پاکستان کے دو شہریوں کے قاتل ریمنڈ ڈیوس کو کیوں دیت لے کر چھوڑ دیا گیا؟ اگر ممتاز قادری دہشتگرد اور انتہا پسند مذہبی جنونی تھا تو پھر اس کے جنازے میں طالبان کے حامی اور پیروکار مولانا سمیع الحق، مولانا عبدالعزیز، مولانا یوسف شاہ اور دیگر کیوں دکھائی نہیں دیے؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو ہر ذہن وقلب پر دستک دیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں تو پھر ان کے جوابات قوم کے لیے کون تلاش کرے گا؟ چلیں مان لیتے ہیں کہ آج پاکستانی قوم حقیقی معنوں میں بیدار ہو گئی ہے۔ ایک عاشق رسول ﷺ کی شہادت پر تو پھر یہ منافقانہ رویہ کیوں؟ پھر یہ سیاہ وسفیدی کجا کیوں؟ کیا پوری قوم مادر پدر آزادی سی اسی پارٹیوں کا مکمل طور پر بائیکاٹ کرے گی یا پھر عدلیہ کو موارد الزام ٹھہراتے ہوئے اس قربانی کو بھی قبول کر لیا جائے گا۔ 1973ء کا آئین پاکستان اگر قرآن وسنت پر عمل پیدا ہونے کا متقاضی ہے اور پاکستان کی بنیاد واقعتاً کلمہ طیبہ پر اور اسلام پر رکھی گئی ہے تو پھر یہ منافقت اور دہرا معیار دنیا میں کس نام کا دکھائی دیتا ہے۔ حکمران طبقہ قرآن وسنت کی حقیقت تعلیمات سے بیزار اور نابلد کیوں دکھائی دیتا ہے؟

ممتاز قادری کی شہادت میڈیا کی نظر میں

سید مطاہر علی زیدی

نمبر شمار	اخبار کا نام	تاریخ	عنوان	لکھاری	کیفیت/رائے
1	ایکسپریس ٹریبیون	29/2/2016	اداریہ		پھانسی کے حق میں
2	ڈان	1/03/2016	اداریہ		پھانسی کے حق میں
3	ڈان	1/03/2016	کالم	جاوید نقوی	پھانسی کے حق میں
4	ڈان	2/03/2016	End of Qadri	رافعہ زکریا	پھانسی کے حق میں
5	ڈان	2/03/2016	ایڈیٹر کے نام خط	سید اسد اللہ	پھانسی کے حق میں
6	ڈان	2/03/2016	ایڈیٹر کے نام خط	اسفند بھٹو	پھانسی کے حق میں
7	ڈان	3/03/2016	Burying the Assasin	خرم حسین	پھانسی کے حق میں
8	ڈان	3/03/2016	ایڈیٹر کے نام خط	اکرم نیازی	پھانسی کے حق میں

9	ڈان	3/03/2016	ایڈیٹر کے نام خط	مسعود خان	پھانسی کے حق میں
10	ڈان	4/03/2016	The usual Scens	اشعر رحمان	پھانسی کے حق میں
11	ڈان	4/03/2016	ایڈیٹر کے نام خط	ایس ایم انور	پھانسی کے حق میں
12	ڈان	5/03/2016	The Right Cover	عباس ناصر	پھانسی کے حق میں
13	جنگ	5/03/2016	فکری انتشار	حامد میر	پھانسی کے حق میں
14	جنگ	5/03/2016	ممتاز قادری کی پھانسی کی جلدی کیوں	انصار عباسی	پھانسی کی مخالفت
15	جنگ	4/03/2016	شان مصطفیٰ	ڈاکٹر حسین احمد پراچہ	پھانسی کی مخالفت
16	جنگ	5/03/2016	رجائیت اور انتہا پسندی کے درمیان کشمکش	بابر ستار	درمیانہ
17	ایکسپریس	4/03/2016	بات واضح ہو چکی	اوریا مقبول جان	پھانسی کی مخالفت
18	نوائے وقت	3/03/2016	جاتا ہوں میں حضور رسالت پناہ میں	ڈاکٹر اجمل نیازی	پھانسی کی مخالفت

19	نیویارک ٹائمز	29/02/2016	خبر	سلمان مسعود	پھانسی کی مخالفت
20	نیویارک ٹائمز	11/03/2016	My father's Killer	آتش تاثیر	پھانسی کے حق میں
21	بی بی سی اردو	29/2/2016	ممتاز قادری کی پھانسی اہم کیوں	وسعت اللہ خان	پھانسی کی مخالفت
22	مشرق	2/03/2016	خوفناک کشمکش کا نیا موڑ	عارف بہار	پھانسی کی مخالفت
23	امت	1/03/2016	اداریہ		پھانسی کی مخالفت
24	امت	1/03/2016	نواز شریف نے پارٹی کو لاعلم رکھا	نمائندہ رپورٹ	پھانسی کی مخالفت
25	امت	1/03/2016	پھانسی کا فیصلہ جنوری میں ہو گیا	نجم الحسن عارف	پھانسی کی مخالفت
26	امت	1/03/2016	آخری ملاقات میں تلاوت	مرزا عبدالقدوس	پھانسی کی مخالفت
27	امت	2/03/2016	تاریخ کس نے رقم کی	اداریہ	پھانسی کی مخالفت
28	امت	3/03/2016	ممتاز قادری سے غلطی ہوئی	سیلانی	پھانسی کی مخالفت

29	امت	3/03/2016	ممتاز قادری مسلمانوں کا ہیرو مگر	مفتی محمد طاہر مکی	پھانسی کی مخالفت
30	امت	4/03/2016	روشنی کے مینار	محمد ولی رازی	پھانسی کی مخالفت
31	امت	4/03/2016	قدر نبی کی جانن	امجد چوھدری	پھانسی کی مخالفت
32	امت	4/03/2016	ممتاز قادری کے بعد	منصور اصغر راجہ	پھانسی کی مخالفت
33	پاکستان	2/03/2016	ممتاز قادری کی پھانسی اہم کیوں	وسعت اللہ خان	پھانسی کے حق میں
34	پاکستان	2/03/2016	اداریہ		پھانسی کی مخالفت
35	دی نیشن	1/03/2016	Mumtaz Qadri and Derth Penalty	ماروی سرمد	محتاط
36	پاکستان آبزرو	3/03/2016	Enemy can sneak in pro Qadri protests	اداریہ	حمایت
37	پاکستان آبزرو	2/03/2016	Qadri's hanging and protest	اداریہ	حمایت
38	اوصاف	5/03/2016	سچ کا قحط	اظہر تھراج	پھانسی کی مخالفت

باب: ششم

مناقب

منقبت (1)

علم دین محبت قادری ممتاز سمجھا ہے
ستارہ اس کا دمکا ہے مقدر اس کا چمکا ہے
جو حفظِ حرمت سرکارِ والا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حوالہ ہے
گروپ غیرت ہے اس کے خوں کا، یہ دنیا نے دیکھا ہے
حقیقی عاشق و شیدائے سرکارِ مدینہ ہے
وہ ہے سرخیل ارباب ولا، اللہ والا ہے
مقامِ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بندے پر افشا ہے
یہ اعزاز اس کو زیبا ہے، یہ تمغہ اس پہ سجتا ہے
مرا ممدوح، آقا کے مراتب کا شناسا ہے
تھا ماضی بھی اسی کا اور اسی کا حال و فردا ہے
جو تاثیر ارتدادی دیکھ کر ممتاز بپھرا ہے
عمر فاروق کی اس میں حمیت کار فرما ہے
یہی خوش بخت ہے جو رتبہ آقا سے ہے واقف
عقیدت اسی کی سچی ہے تو جذبہ بھی توانا ہے
رضائے خالق و محبوب خالق اس کو ہے حاصل
یہ بندہ بزم اصحابِ پیمبر میں پزیرا ہے
لوائے عشق جن ممتاز ہاتھوں میں نظر آیا
خدا نے امتیازِ قتل موذی اس کو بخشا ہے

پڑھی ''الصارم المسلول'' کب ممتاز غازی نے
مگر وہ جانتا ہے، رتبہ جو محبوبِ رب ﷺ کا ہے
جو توہین نبی کرتا ہے اس کا قتل ہے واجب
یہی تو فیصلہ اجماع کی صورت میں لکھا ہے
اگر قاضی عیاض اور ابن منذر کو پڑھو دل سے
تو ان حالات میں ان کا بھی تو ایسا ہی فتویٰ ہے
کہا کینیڈین اسلام کے اِک شیخ نے جو کچھ
وہ اُس کی دین سے دوری کا اک واضح اشارہ ہے
کئی ہیں غامدی، کتنے وحید اور اینکر کتنے
بہت اس باب میں کردار جن لوگوں کا گندا ہے
مگر محمودؔ چلنا ہے بہر صورت ہمیں اس پر
دکھایا قادری ممتاز نے جو ہم کو رستہ ہے

راجا رشید محمود

منقبت(2)

مصحف غیرت پہ لکھا حاشیہ ممتاز نے
خوش کیا رب کو شہادت آشنا ممتاز نے
لکھ کے تاریخ عقیدت باوفا ممتاز نے
کر لیا قائم بقا سے رابطہ ممتاز نے
زندہ رہنے کا دکھایا راستہ کردار سے
اہل ایماں کو فنانا آشنا ممتاز نے
تھا وفورِ ذوق اس درجہ نمازِ عشق میں
کی محبانِ نبی ﷺ کی اقتدا ممتاز نے
قتل کر کے دشمن محبوبِ حق کو، پا لیا
حرفِ تحسین جناب کبریا ممتاز نے
غیرت و جرأت کے پیکر جس میں آتے ہیں نظر
قوم کو دکھلایا ایسا آئینہ ممتاز نے
جب پکارا حفظ ناموس نبی ﷺ نے قوم کو
پوری قوت سے ''بلیٰ'' کس نے کہا؟ ممتاز نے
قرض جو تھا ساری امت پر رسولِ پاک ﷺ کی
کر دیا فرضِ کفایہ وہ ادا ممتاز نے
جب کلاشنکوف مضبوطی سے پکڑی ہاتھ میں
پایا بر میں اک ملائک کا پرا ممتاز نے

جس کو جانا تھا جہنم، اس کو پہنچایا وہاں
ایک پل میں پائی خالق کی رضا ممتاز نے

زندگی درکار ہے تو سب ہوں اس پر متفق
زندگی کا جو دیا ہے فلسفہ ممتاز نے

روشنائی سے لکھا کرتے ہیں ہم محمود نعت
خونِ غیرت سے لکھی ان کی ثنا ممتاز نے

راجارشیدمحمود

منقبت (3)

ممتاز قادری ہے فردِ فرید جرأت
ممتاز قادری نے پایا وفا کا خلعت
ممتاز قادری نے دکھلائی جو حمیت
ممتاز قادری ہے ہر دور کی ضرورت
ممتاز قادری نے پائی عجب فضیلت
ممتاز قادری ہے سچا محب حضرت
رحمن و مصطفی نے غیرت بھی اور شجاعت
ممتاز قادری کو فرمائی ہے ودیعت
اس کے مقام کی تو پہلے سے تھی ضمانت
ممتاز قادری کی غوثِ جلی سے نسبت
آتے رہیں گے جتنے تاحشر اہل ہمت
ممتاز قادری سے کرتے رہیں گے بیعت
اس نے تو سمجھو پا لی فردوس کی بشارت
ممتاز قادری کی جس نے بھی کی زیارت
کرنے کو مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس کی حفاظت
ممتاز قادری کو موقع ملا غنیمت
جو دشمن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا، پائی اسی کی سنگت
ممتاز قادری کی امداد گر تھی فطرت

نابود اس کو کرنے کے واسطے بہ عجلت
ممتاز قادری نے پالی تھی نیک ساعت
محمودؔ ایسی کوئی نکلے کبھی جو صورت
ممتاز قادری کی زندہ رہے روایت

راجارشید محمود

زمین سے بوجھ

زمین سے بوجھ بدن کا اتار دیتے ہیں
کبھی خود اپنے محافظ بھی مار دیتے ہیں
وہ زیست میں ہی نہیں مر کے بھی ہوئے ممتاز
جو ہنس کے جان محمدﷺ پہ وار دیتے ہیں

الحاج محمد حنیف نازش

جو مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ جان کو قربان کر گیا

جو مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ جان کو قربان کر گیا
وہ ملت اسلامیہ پہ احسان کر گیا
وہ دشمن رسول پہ جھپٹا ہے اس طرح
اک پل میں بد زبان کو بے جان کر گیا

فخر سلطان: محمد عامر رضا عامرؔ

”پاک جمال ملک ممتاز حسین قادری شہید“

وہ غازئ ملت وہ دیں کا شیدائی — وہ غازی وہ میرے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فدائی

شجاعت، بسالت، عزیمت کا پیکر — وہ غیرت حمیت کی جلوہ نمائی

بڑھا جب وہ قہر خداوندی بن کر — بس اک پل میں ظالم کی گردن اڑائی

رہے باتیں کرتے وہ سب اہل دانش — شہادت فقط اس کے حصے میں آئی

شہادت کی خاطر چنا تھا خدا نے — بھلا اس کو ملتی تو کیسے رہائی

سعادت تھی اس کی رہائی کی کوشش — ملی جس کو جتنی مقدر میں آئی

اکابر اصاغر کی اب بحث چھوڑو — کرو ابن زہرا کے در کی گدائی

عبث ہیں یہ لعنت ملامت کی باتیں — دلوں کو نہ جوڑے گی ہرزہ سرائی

نہ اپنی یوں بھد اپنے ہاتھوں اڑاؤ — خدا کے لئے نہ بنو جگ ہنسائی

سنو قہقہے اہل دنیا کے ہر سو — ہے دیں کا تمسخر یہ باہم لڑائی

صلہ ہر کسی کو ملے گا وہاں پر — برے کو برائی، بھلے کو بھلائی

نہ دنیا میں میزان اپنی لگاؤ — خدا ہی پہ چھوڑو خدا کی خدائی

اگر تم ہو عاشق حبیب خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے — خدا تم کو بخشے ادا مصطفائی

دلوں کو کہاں چیر کے دیکھا تم نے — ہے کس کس میں ایمان یا بے وفائی

سنو یا نبی یا نبی کی صدائیں — بناؤ بیگانوں کو بھی اپنے بھائی

غلامان احمد اگر متحد ہوں — ہراول ہو دستہ مری اے ٹی آئی

لب و لہجے اپنے سنبھالو عزیزو! — بہت دور کر دے نہ یہ کج ادائی

سلامت رہیں رہنما سب تمہارے — کبھی سوچو کیسے فضیلت ہے پائی

یہ صدقہ ہے سب اہل بیت نبی کا — کسی کے بھی حصے میں سعادت جو آئی

پڑھو شافعی ذی حشم کا عقیدہ ۔۔۔ ہے آل نبی کی مسلّم بڑائی
یا آل بیتِ نبی حُب تمہاری ہے ۔۔۔ فرض من اللہ وحی خدائی
نہ بھیجے درودوں کے تحفے جو تم پر ۔۔۔ اکارت نمازی کی سب جبہہ سائی
سنو عاشقو اعلیٰ حضرت کا فتوٰی ۔۔۔ تھے وہ بھی تو عشق محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے داعی
''ہو تلمیذ کوئی تمہارا جو سید ۔۔۔ دل و جاں سے کرنا تم عزت افزائی
سزا، سرزنش بھی اگر اس کی چاہو ۔۔۔ بصد حسن نیت بقصد صفائی''
بہت فتنہ ساماں ہیں حالات اپنے ۔۔۔ یا آل زہرہ تمہاری دہائی
غرض میری ملت کی بخیہ گری ہے ۔۔۔ نہیں ذوق میرا یہ مشکل نوائی

خدایا ظفرؔ کو بھی موت شہادت
بڑی بات چھوٹے سے منہ پہ ہے آئی

نتیجہ فکر: ڈاکٹر ظفر اقبال نوری

قربان ان کے نام پہ ہونے کے واسطے

قربان ان کے نام پہ ہونے کے واسطے
عاشق تو خود پکڑتے ہیں دار و رسن کے پاؤں
آئیں میری قبر میں سرکار اس لئے
اچھی طرح لپیٹنا اندر کفن کے پاؤں

سلطان محمود سلطان، لاہور

ایک مردِ جری ملک ممتاز

مرحبا اے مردِ حق اے صاحبِ حق صدق و صفا
نعمت ایزدی ملک ممتاز
ایک مرد جری ملک ممتاز
قوت حیدری ملک ممتاز
مقتدا اس کا غازی علم الدین
حبذا مقتدی ملک ممتاز
ایک گستاخ کو فنا کر کے
پا گیا سروری ملک ممتاز
پیکر جرأت و تہور ہے
بالیقیں قادری ملک ممتاز
کر گیا پاک ایک موذی سے
سرزمیں ملک کی ملک ممتاز
حفظِ ناموس مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے
تو نے قربانی دی ملک ممتاز
تجھ پہ اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے
رحمت دائمی ملک ممتاز
غوثِ اعظم کا تو مرید خاص
تجھ پہ خوش ہر ولی ملک ممتاز

نام اہل ولا میں تیرا رقم
ہے بحرف جلی ملک ممتاز
ہر مسلماں کے دل میں تیرے لئے
ہے عقیدت بڑی ملک ممتاز
تیری عظمت پہ بے شمار سلام
دم بہ دم قادری ملک ممتاز
پا گیا کر کے کام نوریؔ بڑا
شہرت سرمدی ملک ممتاز

مولانا محمد محب اللہ نوری، بصیر پور شریف

ہے عشق تیری ذات سے ایمان ہمارا

ہے عشق تیری ذات سے ایمان ہمارا
کٹ جانا تیرے نام پہ ارمان ہمارا
ممتاز سے ہی دل کا نکلتا ہے تعلق
ہو سکتا ہے کیسے کوئی ''سلمان'' ہمارا

خواجہ اللہ رکھا سیاف ایڈووکیٹ

ممتاز قادری تیری عظمت کو سلام

کتنی بلند عشق کی پرواز کر گیا
اپنا جہاں میں منفرد انداز کر گیا
مر کے میرے حضور کے فاروقی نام پر
ممتاز اپنے نام کو ممتاز کر گیا

قاری شاہد محمود قادری

منقبت

درسِ وفا سناتا ہوا تختہ دار تک آیا ہوں
حکمرانوں کو نچاتا ہوا تختہ دار تک آیا ہوں
باقی ہے گرمئ احرار، زندہ ہیں غلامانِ سید ابرار
یہ نعرہ لگاتا ہوا تختہ دار تک آیا ہوں

تیرے مقدس لہو کا صدقہ
ارض وطن سے اک عذاب ٹل گیا
تیرے سرخ لہو کا کرشمہ ہے
تو جبر کے منہ پر کالک مل گیا

محمد اکرم ربانی

عہد حاضر کا غازی علم الدین

ملک ممتاز حسین قادری

مرحبا اے مرد حق صدق و صفا
آنِ واحد میں یہ کیسا معرکہ سر کرلیا
لاج رکھ لی قادری نے ہم غریبوں کی ہے آج
لرزہ براندام واشنگٹن میں لیکن سامراج
دین حق کا قادری نے نام روشن کر دیا
جذبۂ مہر و اطاعت ہے دلوں میں بھر دیا
ہو گیا ہے شامل اہل وفا ممتاز آج
کر دیا اہل محبت کا ہے سر افراز آج
دین و دنیا میں ہوا ممتاز قادری مرد قادری
سرور دیں سے وفا کی جس نے بازی جیت لی
سرخوش و سر سبز ہے ''اہل محبت'' کا سفر
جاں فزا و روح پرور، سربلند و مفتخر
آپ کا صدہا مبارک! مرحبا! صد مرحباً
عاشقانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بول بالا کر دیا
اس کے گھر کو قوم نے پھولوں سے آخر بھر دیا
سرور دیں کے لئے ہے جس نے اپنا سر دیا

آج پھر ترکھان کا بیٹا ہے بازی لے گیا
عشق احمد کا ہمیں پیغام بے شک دے گیا
بدؔر چل سکتے ہیں اس رستے پر اہل درد آج
یہ وہ رستہ ہے جو لے جانا ہے ’’شہر پاک‘‘ میں
بات آ سکتی نہیں یہ جہل کے ادراک میں
یہ وہ ’’رستہ‘‘ ہے جو لے جاتا ہے جنت میں ہمیں
شرط اتنی ہے کہ عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کٹ مریں
آج بھی زندہ و تاباں، راہ علم الدین ہے
کیا نمایاں اور درخشاں، راہ علم الدین ہے
سن لیں ’’گستاخِ رسالت‘‘ آج بھی زندہ ہیں ہم
ہیں صداقت کے زمیں، ہیں زندہ و تابندہ ہم
بدر کر اخلاص سے رب علی سے یہ دعا
اے اللہ! مجھ کو چلا راہ شہیدانِ وافا

سعید بدر

منقبت

جرأتوں کا تو امام ہے ممتاز قادری
ایمان تیرا کام ہے ممتاز قادری

اہل حرب کا توڑ کر منہ رکھ دیا تو نے
تلوار بے نیام ہے ممتاز قادری

اہل جفا پر ایسا قہر خدا بنا
ان کی موت تیرا نام ہے ممتاز قادری

غازی بھی علم الدین سے عامر سے جا ملا
جنت تیرا مقام ہے ممتاز قادری

سر نہ اٹھائیں گے کبھی گستاخ آپ کے
للکار صبح و شام ہے ممتاز قادری

قاتل تمارے حشر تک ذلت میں جا پڑے
ان کا برا انجام ہے ممتاز قادری

قرآن و سنت کا حکم پہنچا دیا توں نے
انصاف کا پیغام ہے ممتاز قادری

عاشق نہیں تو عاشقِ اکبر ہے باخدا
جو اونچا تیرا کام ہے ممتاز قادری

ناموسِ آقا پر تیرا پہرا مثل حسین
عظمت کو تیری سلام ہے ممتاز قادری

عشق نبی کا تو سبق تجھ سے پڑھے کوئی

پیئے عشق کا تو جام ممتاز قادری

سنیت کو ایسا درس محبت وہ دے گئے

اتحاد ان میں عام ہے ممتاز قادری

فکر رضا نیام ہے تلوار قادری

دشمن میں یہ کہرام ہے ممتاز قادری

پیارے رضا کے مسلک کو مضبوط کر دیا

اللہ سے ہمیں انعام ہے ممتاز قادری

سنیت ہے حق پہ اس کی دلیلیں ہیں دو سے تین

دو پہلی اک کا نام ہے ممتاز قادری

باطل کو تیری قوت نے کمزور کر دیا

کہ ہیبت تیری عام ہے ممتاز قادری

برسوں سے اہل حق کو تیری تلاش تھی

جرأت کو تیری سلام ہے ممتاز قادری

کس قدر خوش نصیب ہے کس کا مرید ہے

عطار کا غلام ہے ممتاز قادری

مرشد جنازہ آ پڑھے ورنہ حسین الدین

تیری آرزو کو سلام ہے ممتاز قادری

آصف و خادم اور قریشی کو ہے دعا

گھر گھر دیا پیغام ہے ممتاز قادری

اور علماء اہل سنت پر رحمت خدا کی ہو

جس جس نے کیا یہ کام ہے ممتاز قادری

اور اہل سنت جان کی بازی لگا تو دی

یہ قدرت کا نظام ہے ممتاز قادری

تُربت پہ تیری غازی جنت نثار ہو

جنت کو یہ انعام ہے ممتاز قادری

غازی نے لاکھوں غازی ہیں بنا دیئے ادیبؔ

شہادت کو تیری سلام ہے ممتاز قادری

ادیب ضیا کوٹی، سیالکوٹ

جو لوگ رازِ عشق کے ہمراز ہو گئے

جو لوگ رازِ عشق کے ہمراز ہو گئے
بے شک فضائے دہر کے شہباز ہو گئے
جو مسکرا کے دار و رسن کی طرف بڑھے
میدانِ عشق میں وہی ممتاز ہو گئے

محمد احمد چشتی

ملک ممتاز حسین شہید کا پیغام

م: مٹا ہوں نامِ آقا پر ملک ممتاز ہوں یارو
ل: لحد میں بھی جو ہے زندہ وہی جانباز ہوں یارو
ک: کلامِ پاک کی رو سے حیات جاوداں ہوں میں
م: محمد کی اطاعت کا حسیں انداز ہوں یارو
م: ملایا خاک میں تاثیر شیطانی کو میں نے ہی
ت: تبھی تو رفعتوں میں کر رہا پرواز ہوں یارو
ا: اکیلا قادری حاوی کروڑوں دشمنوں پر ہوں
ز: ز فیضِ غوثِ اعظم سنیوں کا ناز ہوں یارو
ح: حسین آواز دیں کربل سے ھَل مِنۡ نَاصِرِ سب کو
س: سبھی کچھ وار کر میں گوش بر آواز ہوں یارو
ی: یہی کہتا ہے ہر سنّی ملک ممتاز ہوں میں بھی
ن: نئے جذبے نئی جرأت کا میں آغاز ہوں یارو
ش: شہادت پہ میں تھا صائم لبوں پر یا رسول اللہ
ہ: ہوا دیدار آقا پا گیا اعزاز ہوں یارو
ی: یہی میرا جنازہ بھی عیاں کرتا تھا اے ثاقبؔ
د: دیارِ عشق و مستی میں مَیں مایہ ناز ہوں یارو

نوٹ: اگر اس کلام کے ہر مصرعہ کا پہلا حرف جدا کر کے ملایا جائے تو ''ملک ممتاز حسین شہید'' بن جائے گا۔

ثاقب افضل رضوی

قطعہ تاریخ شہادت

''نقش ونگار شہادت''

''صاحب حشمت شہید ناموس رسالت''
1437ھ
2016ء

''پاک جمال ملک ممتاز حسین قادری شہید''

1437ھ

مرنا بنام اسم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے زندگی | جینا بغیر عشقِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) محال ہے
یادِ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جن کو میسر ہیں لذتیں | پوچھو نہ ان کی زیست کا کیا طرفہ حال ہے
ناموس مصطفی پہ لٹائیں جو اپنی جاں | دونوں جہاں میں ان کا تعلق بحال ہے
ذکر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جنکے عبارت ہیں روز وشب | سانسوں میں ان کی رچ گیا حسن و جمال ہے
رہتے میں اشکبار جو یادِ حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں | کیا خوب ان کا لکھ دیا حق نے مآل ہے
خلد بریں کو چل دیا ممتاز قادری | جنت میں اس کا منتظر ''میرا بلال'' ہے
کر کے نثار اپنی جوانی حضور حق | کیا خوب آپ بن گیا اپنی مثال ہے
پہنچے گا کوئی خاک بھلا اس کے جذب کو | ہمسر نہ اس کا کوئی بھی مائی کا لال ہے
اس نے چنی وہ راہ کہ جو ہے رہِ نجات | اس نے پیا وہ آب جو آب زلال ہے
سیرت ہے اس کی عشق ومحبت کی یادگار | کردار اس کا مہر و وفا کا کمال ہے
سرکار دو جہاں کی غلامی کے اوج پر | ممتاز قادری ترا ثانی محال ہے
گستاخ مصطفی کو جہنم میں بھیج کر | ایمان کا بنا وہ بدیع الجمال ہے

تاثیر بے ضمیر کا کر کے تمام کام
اعزاز اس نے پایا فقید المثال ہے

اُمڈا ہوا تھا اس کے جنازہ میں اک جہاں
یہ بات اس کی غیرت دینی پہ دال ہے

انصاف کا کیا ہے عدالت نے آہ خون
ہر اک زبان پہ آج یہی قیل و قال ہے

ایماں کی تازگی سے ہے محروم منصفی
جس کو رہا نہ عاقبت کا کچھ خیال ہے

ناعاقبت اندیش ہیں اس عہد کے وزیر
عقل و خرد کا جن کو درپیش کال ہے

ناموس مصطفی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تحفظ سے دشمنی
نازل بشکل دور ضلالت، وبال ہے

جو بھی رہا ہے اس کی سزا کے جواز میں
اس کو نصیب دوستو بے شک زوال ہے

غم میں ہے اس کے غمزدہ ہر ایک اہل دیں
مخزون اس کے ہجر میں حزن و ملال ہے

دائم رہے گا زندہ جاوید قادری
اس کے لہو سے رشتہ الفت نہال ہے

مہجورؔ حکم ہاتف غیبی سے وصل کا
"جنت مقام قادری ممتاز" سال ہے

1437ھ

باردگر "دخل الجنت شہید" بھی
مہجورؔ، مردِ حق کی شہادت کا سال ہے

1437ھ

نذرانہ عقیدت، سید عارف مہجورؔ رضوی، گجرات

تاریخی مادہ ہائے سن وصال

شہید ناموسِ رسالت ملک ممتاز حسین اعوان قادری رحمۃ اللہ علیہ

- اللہ مغفرت کرے ''2016''
- ممتاز سنی، رحمۃ اللہ علیہ ''1437''
- عالی مقام، غازی ملک ممتاز حسین ''2016''
- السلام علیک، غازی ملک ممتاز حسین ''2016''
- ثنا خوانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''1437''
- ممدوح، سرمایہ او محبت رسول کریم ''1437''
- سرباز، شہید ناموس رسالت ''1437''
- جنت مقام، ممتاز قادری ''1437''
- شیر دل، ملک ممتاز قادری ''1437''

حروف کے اعداد شمار کرنے میں یا کوئی اور غلطی ہوئی ہو تو طالب عفو ہوں

کاوش: مولانا کوکب نورانی